URTUR 16-12-07

Title - TAZKIRA KHUNDA-E-GUL; YAANI FARSI KE ZAREEF SHAYARON KE HALAAT MAY INTIKHAB KALAAM.

Creator - Murattiba Maulvi Abdul Baasi Aasi.

Publisher - Nigar Machine Press (Lucknow).

Date - N.A.

Pages - 480

Subjects - Tazkira Shoara; Urdu Shayari - Intikhab, Farsi Shayari - Intikhab.

تذکرۂ خندۂ گل

یعنی

فارسی کے ظریف شاعروں کے حالات مع انتخاب کلام

مولفہ

مولوی عبد الباری آسی

مع محصول — چار روپیہ للعہ

حرف میم

حرف ن

حرف و

مطبوعہ نگار مشین پریس نظیر آباد لکھنؤ

۱۹۲۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ظریف شاعروں کا تذکرہ

(ردیف الف)

آبرو - آپ کا نام نجم الدین تھا - مگر شاہ مبارک کے لقب سے معروف تھے - آبرو تخلص تھا خود نہایت مشاق سخن گو تھے - مگر مزاج کی احتیاط کے تقاضے سے ہمیشہ اپنا کلام سراج الدین علیخان آرزو کو سنا دیا کرتے تھے - تذکروں مین جو کچھ تھوڑا بہت حال ملتا ہے' اس سے استعداد علمی کا کچھ پتہ نہین چلتا - ریختہ مین ایہام گوئی کے نہایت دلدادہ تھے - آزاد نے آبحیات مین لکھا ہے کہ شاہ کمال بخاری کے لڑکے پیر مکھن متخلص پاکباز سے دلی محبت تھی - آزاد کے علاوہ بعض تذکروں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی کبھی مرزا جانجانان مظہر سے جو ان کے معاصر تھے چشمک ہو جاتی تھی - یہان تک کہ باہم ہجو گوئی تک نوبت پہونچتی تھی - اسی وجہ سے بعض بعض جگہ کلام مین ظرافت کا رنگ پیدا ہو جاتا تھا - بہت ممکن ہے کہ مستقل طریقہ سے اس رنگ مین کچھ کہا ہو - مگر استداد زمانہ نے ہم تک نہین پہونچنے دیا - البتہ آزاد کے اس لطیفے نے مجھے آبرو کو تذکرۂ ظرفا مین لانے کی اجازت دی - تلاش ہوئی تو دو ایک شعر اور بھی مل گئے جن مین اگرچہ ظرافت کا پورا رنگ نہین ہے پھر بھی ان کو اس سے علیحدہ نہین رکھا جا سکتا -

شاہ مبارک آبرو اتفاقاً ایک آنکھ سے معذور تھے۔ ان کے معاصر مرزا جانجاناں
چشمک کے طریقہ پر ان کی ہجو مین یہ شعر کہا۔

آبرو کی آنکھ مین اک گانٹھ ہے — آبرو سب شاعرون کی ..... ہے

شاہ آبرو نے بھی ہجو مین یہ شعر کہا

کیا کرون حق کے کیے کو کور میری چشم ہے — آبرو جگ مین رہے تو جانجانان ..... ہے

یہ لطیفہ ہرچند آزاد کی بالکل اختراع ہے اور حقیقت سے دور لیکن چونکہ آبرو کا
شعر رنگ ظرافت کا ہے اس لئے اسے لینا پڑا اور یہ لطیفہ بھی درج کرنا ضروری ہوا۔
انھین کا یہ بھی ایک شعر ظرافت کا ہے۔

یار وخدمتگار خان خوجون کے بیچ — ہے تو ستنی ولیکن منقطع

یہ عہد محمد شاہی کے شاعر تھے۔ تاریخ انتقال کا پتہ نہین چلا۔

آبنوس ایک شاعر نامعلوم الاسم کا تخلص ہے۔ جنکا دیوان ایک سرسری نگاہ سے
مین نے ایک صاحب کے پاس دیکھا تھا جو اپنی ضرورت کیوجہ سے غریب آبنوس کا سرمایہ عمر
بیچ رہے تھے۔ مگر قیمت اسقدر مانگ رہے تھے کہ مین اس کو خرید نہ سکتا تھا۔ تقریباً
دس جزو کا دیوان تھا۔ مگر ایک شعر بھی ایسا نہ تھا جس مین۔ سیاہ کالا۔ اندھیرا۔ یا انکا
مترادف کوئی لفظ نہ آیا ہو۔ افسوس ہے کہ ان حضرت نے مجھکو اتنی بھی مہلت نہ دی کہ
جی بھر کر اسکو دیکھتا۔ اور اس سواد نامہ کا انتخاب کر لیتا۔ بیک نگاہ دیکھا اسی مین جو
شعر یاد رہگئے وہ لکھتا ہون اتفاق سے دیوان مین ایک شعر نظر آیا جسے دیکھکر شبہ ہوتا ہے
کہ ان کا نام کالے خان تھا۔ مگر مجھکو اس گمان پر وثوق نہین ہے شعر یہ ہے۔

دیکھکر اس کی زلف پر قربان — لوگ کہتے ہین مجھکو کالے خان

ان کی ظرافت اگرچہ ایسی نہین ہے جسے دیکھکر انسان بے اختیار ہنسی پر مجبور ہوجائے مگر
جو کچھ ہے کمال کا نمونہ ہے۔ یہ کچھ آسان بات نہین ہے کہ تمام دیوان مین ایک جگہ بھی

اپنی وضع کو نہ بدلا جائے اس پابندی کا نباہنا یونہی کچھ سہل نہیں ہے چہ جائیکہ اسپر ظرافت کی بھی قید لگا دی جائے اور لطف یہ کہ ظرافت نہایت کامیاب اور شائستہ :-

نمونۂ کلام یہ ہے -

یہ اُن کی زلف پہ پھبتی کہی ہے یاروں نے
کہ کالے سانپوں میں منا سا کھنکھجورا ہے

خلافِ وضع ہے مرتا نہیں فرنگی پر
میں آبنوس ہوں مرتا ہوں جاپانگی پر

زلفیں تیری آنکھیں تیری دیکھیں جانے والوں نے
کالی گھٹا کے کالے پھلیندے کھائے کھانے والوں نے

جانتے ہیں کہ آبنوس ہوں میں
مجھے کہتے ہیں تیسرا کالا منھ

ایڑی چوٹی پہ وار دو مجھکو
کالے پانی اتار دو مجھکو

آسے میٹھا سمجھتا ہے زمانہ
مگر وہ بت سلونا سا نولا ہے

خال و خط اس کے رخِ روشن پہ
لال کملی میں کالے تل سمجھو سا

ترشروئی میں اُن کے موٹے ہونٹ
کالے شہتوت کے برابر ہیں

رام ہو جائے گا بت کافر
پوجتا ہوں میں کالی مائی کو

اِن چھوٹے چھوٹے دانتوں پہ کیوں پا رسی کا ڈالا ہے
میں خوب سمجھتا ہوں اسکو کچھ دال میں کالا کالا ہے

خال ہیں اُس کے رخ کے اوپر
کالا دانہ پڑا ہے مجمر پر

دل میں کھینچی ہے زلف کی تصویر
سانپ ہے سینے پہ میرا کالا ہیر

سجدے کا نشان شیخ جی کا
ماتھے پہ کلنک کا ہے ٹیکا

زلفِ شبگوں تمھارے چہرے پر
بارش کی ایک کالی کوئیل ہے

اخگر سید ضمیر حسین نام ہے - اخگر تخلص ہے - فیض آباد کے رہنے والے ہیں دورِ موجودہ کے ایک خوش فکر خوش مذاق ظرافت گو ہیں - ظرافت کے سوا اور کچھ نہیں کہتے - نوجوان آدمی ہیں تعلیم معمولی ہے - مگر ان کے استاد ایک قابل شخص ہیں

جنکی انگریزی کی قابلیت نہایت معقول ہے اور بقدر ضرورت فارسی بھی جانتے ہیں اردو کے نہایت خوش فکر شاعر ہیں - کبھی کبھی اقتضاء طبیعت کی وجہ سے ظرافت کے شعر کہتے ہیں - چونکہ اپنے آپ کو زمرہ ظرافت گویاں میں شامل کرنا اپنی عالی پایگی کی وجہ سے ننگ سمجھتے ہیں اسی وجہ سے وہ تمام اشعار شاگردوں کی غزلوں میں شامل کردیتے ہیں - حتیٰ کہ میں نے اس راز سے واقف ہونے کے بعد جو آن سے اس امر کی اجازت چاہی کہ میں تذکرہ میں آپ کا نام نامی لکھدوں تو مجھکو بھی اجازت نہ دی اخاہ صاحب کے اشعار میں زیادہ تر تصرف مرشد یا فیض استاد شامل ہے مجھکو میرے دوست سید مسعود رضا خلف اصغر جناب محمد رضا صاحب بشؔ لکھنؤ سے یہ کلام موصول ہوا - موصوف نے وعدہ کیا تھا کہ عنقریب کچھ اور کلام دوں گا - مگر افسوس کہ وعدہ کے ایفا کا وقت نہ آیا اور تذکرہ کی ترتیب کا وقت آگیا - بہرحال مسعود رضا صاحب نے اپنی یادداشت کی بنا پر جو کلام لکھوا دیا تھا وہی حاضر ہے کلام شوخی اور زندہ دلی کے تصویر رنگین سے کم نہیں ہے -

بیوی نے کس خوبی سے شوہر کو یار کیا — اپنے ہوتا ہی نہ تھا مانگ سے پیدا کردیا

سلہ یہ کہتے پھرتے ہیں بیاہ لیے طالب دو رٹ — ہمارے قبلہ و کعبہ ہو کاشتکار نہیں

دل غریب کو بس چھیڑ دو ہندا کہ تنگ — کہ میں ظالم نہیں دل مرا بیزار نہیں

میں نے اثر کرنے کو شکل اس ستم ایجاد کی — یاد کی پھر یاد کی پھر یاد کی پھر یاد کی

ہجر کی شب مجھے جب لے میں کھو نالہ کر لیا — کہہ دیا غالب نے کوئی لے نہیں فریاد کی

آگ رکھکر پھر نکلے بھی بچا اچھا ہوا — آشیاں کے ساتھ داڑھی جل گئی صیاد کی

آزاد کے اس نام سے ایک، قدیمی اور پرانی بیاض میں یہ دو شعر ملے ان کے سوانح نام

سلہ غالب مرحوم کا ایک مطلع ہے ع فریاد کی کوئی لے نہیں ہے نالہ پابند نے نہیں ہے ۱۲

کا پتہ چلا نہ سکا۔ دو شعر درج ہیں۔

ایک بڑھیا سے مجھے کی یاری ساری دنیا میں ہو گئی خواری

رات کو اُس کے پاس جب لیٹا بولی چپ ہو کے سو رہو بیٹا

آس۔ یہ تخلص لکھنؤ کے ایک صاحب کا ہے۔ مگر جہانتک معتبر ذرائع سے سُنا گیا یہ تخلص صرف ایک جواب تھا یاس کا۔ سنہ ۱۹۱۲-۱۱ء میں لکھنؤ میں ایک انجمن معیار کے نام سے قائم تھی اور ایک رسالہ بھی اسی نام سے شائع ہوتا تھا۔ اس انجمن میں لکھنؤ کے نامور شعرا شریک تھے صفی۔ محشر۔ عزیز۔ ثاقب وغیرہ اس کے ارکان میں سے تھے انجمن کی طرف سے ایک ماہوار مشاعرہ بھی ہوتا تھا۔ اتفاق سے اُسی زمانہ میں مرزا واجد حسین یاس عظیم آباد سے آئے۔ چونکہ مرزا یاس کو شاعری کا ایک فطری ذوق تھا۔ اس لئے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ مگر چونکہ اِن کو حسب خواہش داد نہ ملسکتی تھی اس لئے ان کو خیال ہوتا تھا کہ اہل لکھنؤ ناانصافی کرتے ہیں۔ اگرچہ مرزا صاحب کا یہ خیال بالکل صحیح نہ تھا تاہم کچھ نہ کچھ اسکی اصلیت بھی تھی کیونکہ شرکاے معیار حقیقتاً اُن کو اپنا ہم مشق اور ہم پلہ خیال نہ کرتے تھے بلکہ جہاں تک سنا ہے یہ بھی ہوا کہ ان کو بعض بعض مرتبہ بنایا گیا۔ مرزا یاس کو یہ حرکت سخت ناگوار گزری۔ اہل قلم تھے خاموش نہ رہا گیا۔ اعتراضات کرنا شروع کئے۔ اور حریفوں کو دنداں شکن جواب دیے اُدھر سے اِن کے مقابلے میں ایک فرضی شخص متخلص بہ آس پیدا کیا گیا اور اُسی کے نام سے یہ فخریہ رجز لکھکر تقسیم کرایا گیا جس کے بعض شعر ظریفانہ ہیں

ہر آں کو نہ داند بہ داند مرا ستایش کند تا تواند مرا

جہاں پہلواں آس پُر دل منم بہ گردان معنی مقابل منم

سپر پیش من جملہ اندا ختند رمیدند و در وندو دل باختند

ہلاکو نشان پدریم ما   پئے یزداں شیر نریم ما
نہ از خیل آتش پرستاں منم   بہ یزداں کہ در کیش یزداں منم
بکف اندرم نیزۂ از قلم   منم طعنہ بر مصحفے میزنم
بلے ہیچو من نیست اندر جہاں   ہنر پرور یا کم ہنر پرور زیاں
نماید اگر ردِ من ہیچو تیر   بدل یاس را دیدہ دوزم بتیر
کہ در قلب مومن نگنجد ہراس   بود در دلِ کافراں جائے یاس
دلِ کافراں ہیچو دوزخ بود   ز دوزخ سپے یاس مطبخ بود
بہ قرآں کہ خواندیم لاتقنطو   تفو بر رخِ یاس اینک تفو

آزاد - ایک شخص کا تخلص ہے جو علم سے بالکل بے بہرہ تھا قوم کا لسار اور بدایوں کا رہنے والا تھا - محمی قمر بدایونی سے یہ دو شعر دستیاب ہوئے -

آزاد کی ہے خانہ بدوشی کا یہ عالم   کاندھے پہ لئے پھرتا ہے چھپر کی رن
ہمارے باغ کے کونوں میں کرنے کی بہار آئی   اگر خوشبو کی خواہش ہو تو دونا دیکھ کر والو

آسی - خاکسار راقم تذکرہ کا تخلص ہے - اگرچہ زمرۂ ظریفانِ خوش مذاق میں میرا شمول اور شمار نہیں ہو سکتا - مگر پھر بھی چونکہ اس طرف کبھی کبھی متوجہ ہوا ہوں لہذا اُن اشعار کو ضایع کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا ظرافت میں مجھے اکبر کا رنگ سب سے بہتر معلوم ہوتا ہے - بعض شعر اسی رنگ میں کہے ہیں اور بعض واقعہ طلب ہیں جنکی بعض جگہ خود ہی تفصیل کردونگا اور بعض جگہ اس تفصیل کو محض تطویل سمجھونگا -

میرا مولد و مسکن قصبہ الدن ہے جو ضلع میرٹھ میں ایک نہایت قدیم شرفا کی بستی ہے - بظاہر اس کی آبادی بڑی نہیں ہے مگر اسکی خاک پاک سے ایسے ایسے

ذی علم اور ذی ہنر حضرات پیدا ہوئے جنکی تھوڑی سی تعریف کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ میری پیدائش ۱۸۹۳ء میں ہوئی ۱۸۹۸ء میں قاعدہ بغدادی پڑھنا شروع کیا۔ پھر قرآن شریف کے کچھ پارے حفظ کئے۔ بعدہٗ ناظران مصحف شریف کو تمام کیا۔ اور فارسی شروع کی ظاہر ہے کہ اب سے بیس پچیس برس پہلے فارسی کا اچھا خاصہ رواج تھا۔ لہذا فارسی کی تمام درسیات سبقاً سبقاً حافظ برکت علی مرحوم سے جو اس قصبہ میں ایک نہایت ہی زبردست فاضل تھے پڑھکر عربی شروع کی اور صرف۔ نحو۔ منطق۔ فقہ۔ حدیث مولانا مولوی سید سراج احمد صاحب سے پڑھی بعدازاں حدیث کی بعض کتابیں دوسری جگہوں میں تمام کیں۔ ۱۹۱۰ء میں طب کا شوق ہوا۔ اور دہلی کے ایک نامور طبیب حکیم نواب جان صاحب مرحوم سے اسکی کچھ کتابیں پڑھیں پھر مختلف لوگوں سے اور ذاتی طریق پر اسکی مزاولت رکھی۔

شعروشاعری کا شوق ۱۹۱۰ء سے شروع ہوا اسوقت تک بہت کچھ لکھا۔ مگر چونکہ ابتدائی روش اب مطبوع خاطر نہیں رہی۔ لہذا پہلے دو دیوان ایک صاحب کو بالکل دیدیئے گئے۔ اور اب مشکل سے مجھے ان میں کا کوئی شعر یاد ہوگا۔ ایک دیوان جس میں کچھ غزلیں پہلی بھی ہیں میرے پاس ہے۔ اس کے علاوہ میری بہت سی غزلیں ان لوگوں کے پاس بھی ہیں جنکو مجھ سے کوئی بھی تعلق نہیں مگر مروتاً ان کو بہت کچھ لکھدیا گیا۔ ایک غزلیں کیا اکثر کتابیں مختلف علوم وفنون کی دوسرے لوگوں کے نام سے لکھیں اور ملک میں شائع ہوئیں۔

میری تصنیف سے اسوقت میرے نام سے یہ کتابیں ہیں اور حقیقتاً اب میں انھیں کو اپنی تصنیف سمجھتا ہوں باقی جن کو دیدی گئیں خدا انھیں کو مبارک کرے

دیوان جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ ظریف اللغات۔ جی چاہتا ہے کہ اس کا نمونہ کچھ درج کروں۔ مگر بیکار ہے۔ شندر رشتا (ناول) چار حصہ یہ ایک دلچسپ ناول ہے جو ایک خاص سبب سے

لکھا گیا تھا۔ پھول ونی چار حصہ۔ یہ بھی نہایت ہی دلکش اور دلچسپ ناول ہے۔ اور سندر شانتا سنتی کے نام سے بھی معروف ہے۔ علم الشعر اس کے پانچ حصہ لکھنے کا ارادہ تھا۔ مگر اس وقت تک حصۂ اول لکھا جا چکا ہے جس میں شعر کی ماہیت پر ایک فلسفیانہ بحث کی ہے۔ ملا زاغلول۔ ایک ناول ہے جس میں حاجی بغلول کے رنگ میں پیرانہ ہوسناکیوں کا خاکہ اڑایا گیا ہے۔ اقوال اکبر۔ اکبر بادشاہ کے حکیمانہ اقوال کا انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ عیار فقیر ایک دلچسپ ناول ہے جس میں گداگری کے متعلق ایک نہایت عبرتناک قصہ لکھا گیا ہے۔ ترجمۂ پارۂ الحمد۔ قرآن شریف کے پارہ ۳۰ کا سلیس نظم میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ ابتک چھپا نہیں ہے۔ شرح تحفۃ العراقین خاقانی کی مایۂ ناز مثنوی تحفۃ العراقین کی شرح جو اس لئے لکھی گئی تھی کہ ایک زمانہ میں یہ کتاب کورس میں داخل تھی یہ کتاب چھپ رہی ہے۔ شرح دیوان غالب اردو۔ غالب کے اردو دیوان کی شرح ہے۔ جو متداول اور مشہور ہے۔ رسالۂ علم نفس سائنس کے متعلق ہے جس کو بھاشہ یا سنسکرت میں سرودے کہتے ہیں یہ بھی ہنوز غیر مطبوع ہے جو عنقریب چھپے گا۔ تذکرہ نسواں شاعر عورتوں کا تذکرہ جسمیں اردو فارسی کہنے والیوں کا بیاں ہے چھپ رہا ہے۔ تذکرہ الظرفا۔ یہ تذکرہ ہے جو اسوقت لکھ رہا ہوں۔ اِن کے علاوہ بہت سے طویل مضامین بھی لکھے جو چھوٹے چھوٹے رسالوں کی برابر ہیں۔ ایک تذکرہ شعرا اور بھی لکھا تھا۔ مگر اس کے چھپنے کی بظاہر کوئی امید نہیں۔

میں نے اوائل جنوری ۱۹۰۸ء میں اپنے مولد و مسکن کو خیرباد کہا اور پہلا قدم غربت میں رکھا۔ اسی زمانہ سے میں ۱۹۱۰ء تک مستقل طریق پر دہلی رہا۔ اس کے بعد ۱۹۱۰ء کے آخر میں شاہجہاں پور چلا آیا۔ جہاں ۱۹۱۲ء تک عربی فارسی پڑھاتا رہا۔ اس کے بعد ۱۹۱۳ء میں پھر دہلی چلا گیا۔ اور مطبع ہمدرد۔۔۔

دلکشی پریس میں ملازم رہا۔ چونکہ ۱۹۱۴ء کا زمانہ اخبار ہمدرد دہلی کے لئے نہایت آشوب ناک تھا۔ اور اس کے ثبات و عدم ثبات کا کچھ بھروسہ نہ تھا اسی وجہ سے نہایت افسوس کے ساتھ دہلی کو چھوڑنے کا قصد کیا اور مطبع منشی نولکشور میں چلا آیا

جب تک میں دہلی میں تھا میری شاعری متعدد راستے اختیار کر چکی تھی۔ کبھی کچھ مومن کے رنگ میں کہتا تھا۔ کبھی ذوق اور غالب کا رنگ اچھا معلوم ہوتا تھا۔ کبھی حالی اور داغ کا تتبع کرتا تھا مگر غالب رنگ مرزا داغ کا تھا۔ اور میں بعد حضرت داغ کے جناب مولنا سید ابو الحسن صاحب ناطق گلاٹھوی سے اصلاح لیتا تھا۔ مگر جیسے ہی لکھنؤ میں قدم رکھا اور مشاعروں کی شرکت کا اتفاق ہوا۔ تو مجھے روز روشن کی طرح یہ بات معلوم ہو گئی کہ لکھنؤ کی شاعری عروج کمال پر جا رہی ہے۔ اور دلی کے اساتذہ صرف شوخی داغ کہن کی وجہ سے گلفروشی کر رہے ہیں۔ باقی کچھ نہیں ہے صرف ہوا ہے۔ جو ابتک دلی کے نام کو زندہ کئے ہوئے ہے۔ میرا جی چاہا کہ میں داغ کے رنگ کو ترک کر کے اب لکھنؤ کی شاعری کا اتباع کروں مگر خوبیوں کے ساتھ چند ایسی برائیاں بھی اس رنگ میں نظر آئیں جو خوبیوں پر غالب تھیں۔ جذبات میں تصنع اور آورد۔ صنائع بدائع پر شاعری کی بنا رکھنا تو ناسخ کے وقت سے اسمیں داخل تھا۔ مگر اس زمانہ میں تین فرقہ نظر آئے۔ ایک وہ فرقہ تھا جو کہنہ مشق کہلاتا تھا۔ اُن کے یہاں وہی رنگ قدیمانہ اور باقیات الصالحات کے نمونے تھے۔ جس سے روح کو اہتزاز ہونے کے بجائے اچھا خاصا تنفس ہو جاتا ہے۔ سننے والے غریب کو اپنی زندگی کے وہ لمحے اس برزخ میں صرف کرنے پڑتے ہیں جنکا حساب نہ زمانۂ حیات میں لگایا جا سکتا ہے نہ موت میں۔ دوسرا ایک فرقہ تھا جس نے بزعم خود مرزا غالب اور میر تقی میر کے اتباع کا دعویٰ کیا تھا اور آثار سلف کو نسیاً منسیا کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ اور وہ کس طرح اس طرح کہ غزل کی غزل میں دردناک مضامیں بھر کر شعر کے انبساطی پہلو کو فنا کر دینا

چاہتا تھا - مگر ماہران فن جانتے ہیں کہ درد و اثر پیدا کرنا انھیں لوگوں کا کام ہے جنکے
دل پر غم و الم کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں - جو اپنے خرمن صبر و سکون کو برق جانسوز عشق
کے نذر کر چکے ہیں جنکو ابر بہاری کی طرح فضائے عالم میں رونے کے سوا اور کوئی
کام نہیں - میر و مرزا کا متبع علم چاہتا ہے - عمل چاہتا ہے دل میں برشتگی کا طلبگار
ہے - دماغ میں شوریدگی کا خواستگار ہے - اُدھر یہ عالم اِدھر اِن مدعیان بیخبر
کے یہاں - نہ علم نہ عمل لہذا نتیجہ گمراہی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا - بہک گئے اور ایسے
بہکے کہ سیدھے راستے کے چلنے والوں کو بھی ساتھ لیا اور وادی غربت میں لیجا کر سراسیمہ
وحیران آشفتہ و پریشان چھوڑ دیا - خدا راہ راست پر لائے اُن لوگوں کو جنھوں نے اپنی
غلطی اور نادانی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ مرنے کے جذبات ہی سے شعر میں درد پیدا ہوتا ہے -
نزع کا عالم آخری ہچکی تشنج اعضا - دم توڑنا - ہاتھ پاؤں میں اینٹھن وغیرہ ہی تاثیر
و تاثر کی جان ہیں - غرضکہ اِن لوگوں نے انھیں مضامین یا زائد از زائد مشکل مشکل
ترکیبوں کو غالب کا رنگ سمجھا اور اسی پر طبع آزمائی کرتے رہے تا اینکہ لکھنؤ کی تمام
فضائے شاعری اسی سم قاتل سے مسموم ہو گئی - اور اب تک مسموم ہی چلی جاتی ہے -
تیسرا گروہ تھا جسکا دعوی تھا کہ ہم زبان کہتے ہیں - ہم زباں داں ہیں حالانکہ یہ
دعوی بھی صرف زباں درازی کی حد میں تھا - اس سے زیادہ کوئی وقعت نہ تھی
کیونکہ یہ لوگ زبان صرف اس کو جانتے ہیں اور جانتے تھے جن میں محض عورتوں کے ناز و
نخرے - ادائے بیجا یا نہ - انداز بیباکانہ - انگیا چوٹی وغیرہ کا ذکر ہو باقی زبان کے اصلی
اوصاف بے تکلفی - سادگی - روانی - آمد - کا کہیں نام بھی نہ تھا - یہ حال تھا جب
میں لکھنؤ میں آیا - لطف یہ تھا کہ اگر اِن مذکورہ بالا رنگوں کے سوا کوئی کچھ بھی کہتا مگر یہ
ممکن نہ تھا کہ اُس کو داد و تحسین ملے میں سخت حیران و پریشان تھا - نہ رائے رفتن نہ جائے
ماندن - مجبوراً اس رنگ کو جو مرزا داغ کا متبع تھا میں نے چھوڑ دیا - اور دہلی اور لکھنؤ کے

میں نے بھی غزل کہنی شروع کیں۔ اور حتی الوسع کوشش کی کہ واردات قلبیہ کا ورد کے ساتھ اظہار کرتا رہوں۔ اسی روش پر اسوقت تک قائم ہوں۔ مگر حاسدان بدبیں کے دل میں حسد کی آگ شعلہ زن ہوئی اور ہمیشہ عداوتوں میں مصروف رہنے لگے۔ تا اینکہ اب برا بھلا کہتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ ذالک فضل اللہ الخ انھیں اثرات سے متاثر ہو کر ایک روز بے اختیارانہ یہ شعر لکھا تھا۔

احباب کی شکایت بیجا میں کیا کروں　　میرے ہنر کو ہے یہ ستم آسماں پسند

چونکہ یہاں بہ تفصیل اس واقعہ کو لکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا لہٰذا اس کو دل میں محفوظ رکھتا ہوں پھر کبھی لکھوں گا اسوقت صرف اشعار ظریفانہ نقل کرتا ہوں۔

اب بھی ہمت کی مسلمانوں میں کچھ قلت نہیں　　ہاں مگر وہ بڑے تھے سب جیب میں وہ ہمت نہیں
قاضی صاحب پھر بھی اچھے ہیں کہ قصہ تو سنا　　جج نے تو یہ کہہ دیا جاہئے ہمیں فرصت نہیں
ریل کی اکثر مذمت شیخ صاحب سے سنی　　پا پیادہ چل سکیں دو کوس یہ ہمت نہیں

غلط فہمی کا فیشن سے ازالہ ہو نہیں سکتا　　کوئی گورا کسی کالے کا سالا ہو نہیں سکتا
جناب شیخ بھی ہنس ہنس کے چپکے چپکے کہتے ہیں　　ٹپ ٹینگ اچھا ہے حلوا اس سے اعلیٰ ہو نہیں سکتا
مرے سوز دروں کو مجھ سے سنکر ڈاکٹر بولا　　کہ ناممکن ہے ہرگز دل میں چھالا ہو نہیں سکتا
ہے گرچہ روشنی بجلی کی وجہ ضعف بینائی　　چراغوں سے مگر ایسا اجالا ہو نہیں سکتا

شیخ مسجد میں گئے صاحب کلب میں ڈٹ گئے　　ہم کسی قابل نہ تھے مجبور ہو کر ہٹ گئے

ہلکے پھلکے ہو گئے اس دور ناہموں میں　　پائجامہ جذب ہو کر رہ گیا پتلون میں

اس کا اقرار ہے ہمکو بھی کہ اچھا کالی
دیکھنا یہ ہے کہ کیا لیتی ہے گنتی پالی

میرے شاگرد امین نے ایک ہوٹل قائم کیا تو میں نے مذاقاً یہ شعر کہکر سنایا۔

بھٹیاریوں کے جرکے نہ اب آپ کھائیے
ہوٹل میں رہیے اور ٹن چاپ کھائیے

جن کو درازی شبِ غم کا گلہ ہے کچھ
بنگالنوں کے چلکے ذرا بال دیکھ لیں

کچھ تکدر ہو اگر طبعِ ظرافت سنج میں
دیکھ لے جا کر سروں کا رنگ حضرت گنج میں

ہندو مسلم اتحاد کے بعد جو نفاق پھیلا ہے اسی سے متاثر ہو کر یہ کہا تھا۔

اختلافِ مذہبی جس وقت پیدا ہو گیا
اتحادِ قوم چوں چوں کا مربہ ہو گیا

قومی ترقیوں کی عجب ریل پیل ہے
کہتے ہیں جسکو جیل وہ لڑکوں کا کھیل ہے
لیڈر نہیں ہو گئے انھیں کہ بان قوم
اٹھو انھیں کے ہاتھ میں سب کی نکیل ہے

کیوں کریں ہم خانساماں کی رسوائی قبول
کیا کہ دشواری طلب ہے روٹیاں سہل الحصول

یہ نیا دور ہے ہر رسم کی تجدید کرو
کوئی قیدی جو چھٹے جیل سے تو عید کرو

کچھ شاعرانِ نکتہ داں ایسے بھی ہیں جنکے یہاں
جتنے بلند الفاظ ہیں اتنے ہی معنی پست ہیں
ان کو برا ہم کہتے ہیں ہمکو برا وہ کہتے ہیں
وہ اپنی دھن میں مست ہیں ہم اپنی دھن میں مست ہیں

آجکل جو قوم کے رہبر ہیں وہ لوگ اور ہیں
شیخ بیچارہ تو اسی صفت میں بدنام ہے

سنا تھا لفظ کو اسلام کے ہمنے بزرگوں سے × مگر بدقسمتی سے آجتک معنی نہیں سمجھے

شب غم ہے روز قیامت کی جورو　　مگر میرے نزدیک دونوں بچے ہیں

دیوانہ سن کے ناصح ناداں کی داستاں　　یہ کہکے اٹھ گیا کہ بڑا بے شعور ہے ×

مقام عبد کا معبود سے جدا ہی رہا　　بتوں سے ہو نہ سکا کچھ خدا خدا ہی رہا

خیال قوم ہی ہر وقت اور ہمیشہ ہے　　سوائے اس کے کوئی کام ہے نہ دھندا ہے
جو جوش قوم بڑھائے وہ ہے مری اسپیچ　　جو ہوش اڑائے جہاں کے وہ اُن کا چندا ہے

جناب شیخ بھی چپکے سے کہہ گئے اکبر　　شراب رات کو اکثر حلال ہوتی ہے ×

بھولا ہوا ہوں ذکر حسین و بتول کا　　قصہ چھڑا ہوا ہے رنگیلا رسول کا ×

دل میں ادھر ہو جوش ادھر شانتی بھی ہو　　اس پالسی کو قوم مگر جانتی بھی ہو

یہ کچھ بھی نہیں سمجھے دانا ہیں کہ ہم خر ہیں　　اتنا ہی سمجھتے ہیں ہم خان بہادر ہیں

یہ تو کہئے کہ حضرت ناصح　　آپ انسان ہیں کہ بندر ہیں

۳- میں اپنی ضد پہ آؤں تو اے ناصحِ شفیق / ساری نصیحتوں کا جواب ایک جام ہے

وبالِ جان ہوئی ہے یہ مغربی تعلیم / کہ اس زمانہ میں کالر گلے کا پھندا ہے

۴- اس سے پھر اچھے ہیں واعظ کے وہ قولِ کفر / ڈارون نے تو ہمیں انساں سے بندر کر دیا

کیا پوچھتا ہے حالتِ دل اے طبیب تو / چاہے جو خیریت تو نہ آنا قریب تو

اے شیخ تجھ کو حالتِ جنت سناؤں میں / دم بھر کو اپنے ہاتھ سے رکھ دے جریب تو

آشفتہ — عنبر شاہ خاں نام تھا۔ رام پور کے رہنے والے تھے۔ فاضل شخص تھے قائمؔ چاند پوری سے اُردو میں اصلاح لیتے تھے اور فارسی میں قدرت اللہ شوق کو اپنا کلام دکھاتے تھے متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ایک بیاض مسمّٰی ریاضِ عنبر ایک فارسی دیوان موسوم بہ "تشریح الخیال" اور ایک اردو دیوان موسوم بہ تدقیق الخیال ان کی یادگار ہیں۔ ۱۲۲۳ھ تک بقیدِ حیات تھے۔ آخر وقت میں مراد آباد آگئے تھے اور وہیں انتقال کیا۔ سید خاں کے تکیہ میں مدفون ہوئے۔

آشفتہ نہایت ظریف الطبع اور شوخ مزاج واقع ہوئے تھے۔ بات بات میں مذاق کرتے تھے۔ اور ظرافت ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ ذوق ہمہ گیر پایا تھا۔ کبھی کبھی ریختی بھی کہتے تھے۔ مگر اب وہ کلام نہیں ملتا ہے۔ تلاش اور محنت کے بعد یہ دو شعر مل سکے ہیں جو درج کرتا ہوں۔

ظرافت بھی خبری پر جائی کی ایک ایک لوٹی ہیں / ہوئی سوکن گرفتار آخر اپنی ناک چوٹی میں

کوئی تو پوچھے ایسے ٹھینگے سے اپنے جی کو الجھائے / مری انگیا گئی ہوتی ابھی تو جا گھسوٹی میں

آشوب — یعقوب علی خاں نام تھا۔ علی گڑھ کے رہنے والے تھے پڑھے لکھے زندہ دل، یار باش خوش خلق تھے۔ ریختی کے رنگ کے شعر کہتے تھے۔ مگر وہ رنگ

نہ تھا جو جان صاحب یا رنگین کا تھا - بلکہ ان سے مختلف طرز تھا - اب سے چالیس پچاس برس پہلے کے شاعر ہیں - نمونہ کلام یہ ہے -

رکھتے ہیں جو کہ چھیل چھبیلا ازاربند ہوتا ہے ایسے لوگوں کا ڈھیلا ازاربند
لوٹے ہے روز صحبت دلدار کے مزے کیا خوش نصیب ہے وہ رنگیلا ازاربند
قوس قزح بھی دیکھ لے دم بھر تو لوٹ جائے وہ لال لال نیفہ وہ پیلا ازاربند
کیا کیا مزے اڑائیں جو پڑ جائے اپنے ہاتھ وہ گورا گورا پیٹ وہ نیلا ازاربند
پیارے ہر ایک چیز سے زیادہ پسند ہے بانکا چھبیلا اور رسیلا ازاربند
کس مردوے کے ہاتھ پڑا ہے یہ خواب میں کیوں ہو رہا ہے رات سے گیلا ازاربند
آشوب ان کو ڈر ہے کہیں ناف ٹل نہ جائے اس واسطے وہ ڈالے ہیں نیلا ازاربند

نگوڑا نکھٹو ہے ہمسائی والا کرایہ کا ٹٹو ہے ہمسائی والا
نہیں رکھتا پانی بھی اک دن بچا کر کہ بھٹیارہ چٹو ہے ہمسائی والا
میں کیوں سامنے آؤں ایسے مجھے کے کوئی سالا سٹو ہے ہمسائی والا
نہیں تن پہ کپڑا ابھی لیرے لگے ہیں بڑا ہی نکھٹو ہے ہمسائی والا

آنگر لیس - احمد شاہ کے زمانہ میں ایک مسخرا تھا - جو کوئی اس کے سامنے رباعی یا شعر پڑھتا تھا - خواہ وہ فارسی کا ہوتا یا کوئی دوہا وغیرہ کہتا - وہ بھی اس کا جواب اسی زبان میں ناموزوں یا موزوں فوراً پڑھ دیتا تھا اور کوئی تامل نہ کرتا تھا جب کہتے کہ پھر سناؤ تو دوسرے طریق پر سناتا تا - افسوس ہے کہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اس کا ذکر تو کیا ہے مگر کچھ نمونہ کلام نہ دیا -

آشوب - میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک شخص کا تخلص ہے جو چیچک رو دراز قد ہے۔ نہایت مسخرا ہے - پوچ بے معنی شعر کہتا ہے - خود بھی ہنستا ہے لوگوں کو بھی ہنساتا ہے یہ شعر اسی کا ہے -

درعشق تے جیوڑی بیست نچا پیچ   یہ پھرکی وہ دنایہ پیچ وہ نچا پیچ

اٹل تخلص میر عبدالجلیل نام، نارنول کے رہنے والے تھے - میر جعفر زٹلی کے معاصر تھے - کلام بالکل انھیں کے رنگ میں ہوتا تھا۔ نہایت بانکے سپاہی اور وضعدار تھے - ظرافت اور زندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہنسی کے بغیر کوئی بات ہی نہ ہوتی تھی۔ جس زمانہ میں یہ دہلی آئے وہاں محمد عطا بانکے کا دور دورہ تھا - چونکہ خود یہ بھی بڑے بانکوں میں تھے - لہذا کبھی کبھی محمد عطا سے ان کی نوک جھونک ہو جایا کرتی تھی -

تذکرہ نویسوں نے ان کے بارے میں عجیب خلط مبحث سے کام لیا ہے۔ مسٹر الیٹ فیلن صاحب نے ان کو بلگرامی اور سید ابوالفرح واسطی کی اولاد میں لکھا ہے۔ غالباً میر عبدالجلیل واسطی کے ہمنامی نے اُن کو دھوکے میں ڈالا۔ حالانکہ میر عبدالجلیل بلگرامی جعفر زٹلی کے زمانہ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ تذکرہ خمخانہ میں اُن کو دہلوی لکھا ہے - مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے - کلیات جعفر زٹلی میں ان کے نام کے رقعے موجود ہیں جن میں انھیں نارنول کا رہنے والا بتایا گیا ہے - اسی طرح یہ بات بھی کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ یہ میاں جعفر زٹلی کے شاگرد تھے - میر اٹل جعفر زٹلی کو جن الفاظ سے یاد کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے بڑے دوست تھے - مثلاً اپنا ڈھائی وچوڑائی میر محمد جعفر زٹلی بڑے بھائی جہرو از دیاؤ سیالی سکھی باشند - از سید اٹل بعد از دھینگ و چوہار بہت وبسیار و منو ہار بشیار او جھل و مخفی نماند -

اسی رقعہ میں یہ حضرت میاں جعفر سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں "امنگ ملاپ واشتیاق آں یگانۂ آفاق از حد برگذشت دلیپت بیرون واز جہت اندیشہ افزوں لیکن بموجب آنکہ کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا حوالہ نمودہ دوا نچھر سے نگارد"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میر اٹل ابھی میر جعفر زٹلی سے ملے نہ تھے۔ اگر دہلی کے رہنے والے ہوتے تو یہ ممکن نہ تھا کہ اپنے معاصر اور ایسے مشہور معاصر سے ملاقات نہ کرتے۔ بہر صورت بہت ممکن ہے کہ اس خط کے بعد ہی وہ دہلی آئے ہوں اور پھر یہیں سکونت اختیار کی ہو اور جعفر زٹلی کے شاگرد ہوگئے ہوں۔ کلام تلاش سے بہت کم دستیاب ہوا۔ جو کچھ مل سکا یہ ہے۔

چھپر میر اٹل زبارش و باد — می چکد ہمچو کہنہ بند و کشاد

تجھے دے خدا پھول پھل و دولت — چو سُبْحَانَ حَیُّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ

زلف ہے چہرے پہ یا جنجال ہے — جنبش ابرو ہے یا بھونچال ہے

چھوٹ بچہ ناز نیں زلفیں رکھے جوں مار کج — زلفان کج و ابرو کج و مژگان خنجر دار کج

ظالم کما لے شوخ و شنگ و بیمروت پر جفا — دستار او ملدار کج زلفش عجب بلدار کج

کرتی ہے قتل عاشقاں ترچھی ہو وہ ترچھی نگاہ — گھوڑے چڑھا اسوار کج باندھے کمر ہتھیار کج

ایں طرۂ خوش رنگ او نیرنگ کاری بردل — گاہے کج و طرہ کج واس طرہ پہ پھر تار کج

.... — ....

دیکھ سجن کے حسن کو جھوم رہا ہے جگ سبھی — روز نظارہ ایسے کا مارے اٹل اچک اچک

اثر۔ سید مخدوم عالم نام تھا۔ مارہرہ کے پیرزادے حضرت صاحب عالم مارہروی کے پوتے اور سید مقبول عالم مقبول کے خلف اکبر تھے فارسی کی قابلیت نہایت اچھی تھی تھوڑی بہت انگریزی بھی جانتے تھے۔ نظم و نثر اردو کے ماہر تھے۔ ظریفانہ رنگ کے

اشعار بھی کہتے تھے۔ مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں انتقال ہوا۔ کلام ایسا ضائع ہوا کہ پھر مل نہ سکا۔ مجھے ایک صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ تلاش کرکے بھیجدوں گا دو ایک مرتبہ یاد بھی دلایا مگر انھوں نے ایفاے وعدہ نہ کیا بہرصورت دو شعر مجھے مل سکے ہیں جن میں شوخی طبع کا ایک ہلکا سا رنگ ہے۔

واعظ کسی میخانہ میں ہو گا نہ گزر کیا ۔۔۔ جو چاہے سو کہہ لے ہمیں بیٹھ کے گھر میں

روٹھ گئے مجھ سے خفا ہو گئے ۔۔۔ بات پتے کی جو سنی کھو گئے

اُجاگر۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے کسی تذکرہ میں یہ نام اور اس نام سے کچھ کلام دیکھا تھا مگر اسوقت تذکرہ لکھ رہا ہوں تو نام و کلام کچھ بھی یاد نہیں آتا۔ مجبوراً تخلص لکھ دیا گیا ہے۔ سب تذکروں کی ورق گردانی کی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

احسان۔ حافظ عبدالرحمن نام تھا۔ دلّی کے مشہور و معروف استاد سخن گو تھے۔ شاہزادہ مرزا فرخندہ بخت ایزد بخش مرحوم عرف مرزا نیلی خلف حضرت شاہ عالم ثانی کی سرکار میں مختار کل تھے۔ استاد سلاطین کے معز زلقب سے مشہور تھے بڑے مشہور روسا اور شاہزادوں کے استاد تھے۔ تمام اصناف سخن پر قدرت رکھتے تھے۔ مگر اصلی توجہ غزل کی جانب تھی۔ فارسی بھی کہتے تھے مگر اردو سے تعلق خاطر زیادہ تھا۔ بلکہ آپ کا قول تھا کہ "غزل ریختہ اگر خوب باشد بہتر از فارسی ست" مگر ساتھ ہی فارسی کی مزاولت کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں شعرا اساتذۂ فن کے آپ کو یاد تھے۔ ایک مرتبہ شاہ عالم کے اس مصرع پہ "صبح بھی بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں" یہ مصرع "نامناسب ہے میاں وقت سحر گاہ نہیں" لگا دیا تھا۔ کسی نے وقت سحر گاہ پر اعتراض کر دیا۔ یعنی۔ وقت۔

اور گاہ کا اجتماع درست نہیں۔ فوراً سند میں صائب کا یہ شعر پڑھا۔

آدمی پیر چو شد حرص جواں می گردد　　خواب سنگ وقت سحر گاہ گراں میگردد

تمام معترضین سنکر سناٹے میں آ گئے۔ اسی طرح آپ کی عادت تھی کہ جہاں کوئی خلاف معمول ترکیب یا لفظ اپنے شعر میں لاتے تو سنداً کسی استاد کا شعر لکھدیا کرتے تھے۔

اکبر شاہ ثانی کے مقربین خاص میں سے تھے اور خاص خاص صحبتوں میں بھی آپ ہمیشہ شریک رہتے تھے۔ شاہ نصیر بھی چونکہ درباری شعرا میں تھے اس لئے حافظ صاحب اور ان سے کبھی کبھی نوک جھوک ہو جایا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ شاہ نصیر نے انھیں پر چوٹ کرتے ہوئے یہ شعر کہا تھا۔

اے خال رخ یار تجھے خوب سمجھتا　　جا چھوڑ دیا حافظ قرآن سمجھکر

غالب مومن ذوق وغیرہ سب لوگ آپ کی عزت کرتے تھے اور آپ کو مصلح زبان جانتے تھے۔ اگرچہ رعایت لفظی کا آپ کے کلام میں کافی التزام ہے مگر پھر بھی نامانوس ترکیبوں دور از کار تشبیہوں۔ تکرار اضافات وغیرہ سے آپنے حتی الوسع احتراز کیا ہے۔ بہادر شاہ ظفر کے دربار میں بھی آپ کو رسوخ حاصل تھا۔ اور کچھ ماہوار معین تھا۔ ایک مرتبہ ماہواری کے پہونچنے میں دیر ہوئی تو آپ نے یہ قطعہ لکھکر پیش کیا۔

صید ماہی وصید دل شاہا　　خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب
جال ہوں اور شکار مچھلی کا　　یعنی ڈوبے کا ہے نکالنا خوب
قطب صاحب تھے جب حضور گئے　　وہ دو ماہہ گیا ہے میرا ڈوب
اس کو بھی حکم ہو نکل آئے　　صبر کب تک ہو میں نہیں ایوب

بدگوؤں نے ایک مرتبہ اکبر شاہ ثانی کے کان بھر دیئے تھے اسی وجہ سے غریب احسان قلعہ میں آ جا نہ سکتے تھے۔ سلام مجرا سب بند تھا۔ آپ نے جب یہ رنگ دیکھا تو ایک قطعہ نظم کر کے بھیجا جس کے بعد ہی فوراً قلعہ کی آمد و رفت جاری ہو گئی قطعہ کے بعض

شعر یہ ہیں -

عرض غماز پذیرا ہوئی میرے حق میں — کیا گیا میرا اگر اسکا ہی ایمان گیا
حکم والا یہ ہوا قلعہ میں احسان نہ ہو — سن کے اسبات اک شہر کا اوسان گیا
اے شہنشاہ جہاں قدر شناس احساں — خلق کیا ہووے گی گو حکم کو میں مان گیا
شہر وہ کیا ہے کہ جس شہر میں احسان نہ ہو — قلعہ وہ کیا ہے کہ جس قلعہ سے احسان گیا

حضرت احسان کی پیرانہ سالی کا عالم تھا - مگر پھر بھی اتنے بڑے شہر دلی کا کوئی مشاعرہ ایسا نہ ہوتا تھا جہاں آپ شریک نہ ہوتے ہوں - تمکنت - غرور - خودداری - نام کو نہ تھی - اور لطف یہ کہ ہر رنگ میں شعر کہتے تھے شستہ اور مہذب ظرافت میں بھی ید طولےٰ حاصل تھا - اور تا حین حیات تفنن طبع کے طریق پر غزل ہی میں کچھ نہ کچھ ایسے شعر بھی نکال جاتے تھے جو سننے والوں کے دلوں میں شگفتگی اور مسرت پیدا کر دیتے ۱۲۶۷ھ میں بچاسی برس کی عمر پا کر انتقال کیا - تاریخ وفات یہ پائی جاتی ہے ؎ دل گیا بیٹھ آہ جب عالم سے احسان اٹھ گیا ہر چند اس کے عدد ۱۲۶۱ ہوتے ہیں - وہ کلام جس میں شستہ ظرافت شامل ہے ملاحظہ فرمایئے ؎

قاضی مے گلگوں کی حرمت ہے کتابوں میں — لیکن بڑی ذلت ہے رشوت کا پچا جانا
بے معنی نہیں معنی اس رمز کے دلکش ہیں — مانگ اپنی دکھا جانی چٹکی کو بچا جانا
ہے دور سمجھ اپنی یہ حکم ہو الٰہی — جب رات بجے آدھی ہم پاس تو آ جانا
دلوا دو زلف سے دل ورنہ سبب کہنا ہو — کہ مجھکو ایک لٹیرے نے ہے ابھی لوٹا
تنخواہ ایک بوسہ ہے تیسرے پہر جتنی — ہے ناد ہند آپ کی سرکار بے طرح
نہ چھوڑ زور جو ہے شیخ اب تو شیخ کا اخلاص — اگرچہ پیر ہے پر ہے مرید با اخلاص
ڈھونڈتے پھر شکم ہیں ساندن دولت کو ہم — یاں تو دوزخ کی پڑی ہے ترسیں گے وہاں جنت کو ہم
قیمت بوسہ جو پوچھی بولے بے قیمت ہے یہ — آج بے قیمت ہی لینگے جنس بے قیمت کو ہم

محتسب قہر ہے تو شوق سے نکلے انگور ۔۔۔ اور محروم رہیں بادۂ انگور سے ہم
خفا مت ہو مجھکو نکالے بہت ہیں ۔۔۔ مرا سر رہے آستانے بہت ہیں
شکم پہ در قیامت کو بچھتا میں تو میں جانوں ۔۔۔ کہ دوزخ لیئے جنت یہاں نیلام کرتے ہیں
دو کبھی بوسے مجھے اک ماہ میں لے ماہ نہ دو ۔۔۔ وضع یہ کیا ہے کہ نوکر رکھو تنخواہ نہ دو

احسان ۔ احسان علی نام ہے ۔ صحبتیا باغ لکھنؤ میں قیام ہے ۔ تجارت و حرفت سے کسب معاش کرتے ہیں ۔ جوان آدمی ہیں تقریباً ۲۷ برس کی عمر ہے ۔ دس بارہ برس سے شعر کہتے ہیں ۔ چونکہ استعداد علمی معمولی ہے ۔ اسی لئے بہ نسبت غزل کے ہزل کی طرف زیادہ توجہ ہے ۔ غزل بھی جب کہتے ہیں تو اچھی کہتے ہیں ۔ ورنہ مدتیں گزر جاتی ہیں اور ایک مصرع بھی زبان پر نہیں آتا ۔ جناب شمس لکھنوی کے شاگرد ہیں ۔ راقم الحروف کے بھی شناسا ہیں ۔ نمونۂ ظرافت یہ ہے ۔

ابے دربان ڈانٹتا کیا ہے ۔۔۔ آئے ہم تیرے باپ کا کیا ہے
آئے ہیں وہ گدھے پہ ہو کے سوار ۔۔۔ اب مسیحائی میں رہا کیا ہے
چہرہ پچ دکھلا کے مجھسے کہتے ہیں ۔۔۔ یوں نہ ہو چھیڑ تو مزا کیا ہے
دونوں یکساں ہیں اہل دل کے لئے ۔۔۔ نوچی کیا اور تا ئکا کیا ہے
سن لیا ہے جو نام احساں کا ۔۔۔ کہہ رہے ہیں وہ مسخرا کیا ہے
جھنجھلا کے قیس بولا دربان کی ہنسی پر ۔۔۔ اچھا بچا کسی دن تنہا ملو کہیں پر
یہ کالے کالے مسے کب ہیں رخ حسیں پر ۔۔۔ حبشی بچوں نے ڈاکا ڈالا ہے ملک چیں پر
آزادیوں کا تمکو گر فیض دیکھنا ہو ۔۔۔ نسوانی اک مدرسہ قائم کرو کہیں پر
تم میرے پیارے جانی اور میں تمہارا خادم ۔۔۔ یوں حاشیہ چڑھایا میں نے چنا ل جبیں پر
مونچھوں سے کوئی سیکھے پست و بلند ہونا ✗ ۔۔۔ اونچی کبھی ہیں کہیں پر نیچی کبھی ہیں کہیں پر

جواب صاف پر اترا دل کو ہر اک دل سے ملتا ہے | کفن اب مرنے والوں کو بڑی مشکل سے ملتا ہے

عمر بھر یوں ہی رہا ہمکو فراق جاناں | جسطرح ماہ ستمبر سے تو سمپر نہ ملا
کس طرح وعدہ وفا ہوتا کرسمس ڈے کا | جنتری ہی میں نہیں ماہ دسمبر نہ ملا
عمر بھر خواب میں دیکھے ہیں محلات احساں | پر مقدر سے کبھی رہنے کو چھپر نہ ملا

صدقے میں اس بنی ہوئی متوالی چال کے | اکبار پھر جلوہ ذرا کو لا اچھال کے
تلوار بھی وبال ہیں باعث سے کال کے | کی اب کی عید خالی سویاں اُبال کے
ٹھکرا کے قبر ہو گئے لنگڑے ادا بڑی ہی | اب چلیے خوب شوق سے کولا اچھال کے
بعد مہ صیام وہ کیوں خستہ حال ہوں | کھائے ہیں میں نے روزہ ونٹی ٹکڑے چھال کے
دل صاف کر کے آئے ہیں محفل میں آج شیخ | لا ساقیا شراب کٹورا کھنگال کے

اثر آخر کو کام آہی گیا جذب محبت کا | میاں زاہد کے گھر ڈولا گیا بی بی فضیلت کا
وہ کیں میں یہ عالم ہے میاں مجنوں کی الفت کا | کھلونا ڈھونڈتے پھرتے ہیں بی لیلی کی صورت کا
مکان دل شکستہ ہو گیا ہے اور اسدلن سے | ہوا ہے شوق انکو جب سے عاشق کی مرمت کا
میاں مجنوں نے لے احسان بیٹھے ہیں کہ رحلت کی | صفا چٹ ہو گیا میدان صحرائے محبت کا

وصف لکھنے کے لئے اس غیرت شمشاد کا × ہر قلم کھینچے جیسے گھنٹا گھر حسین آباد کا

....

جر ثقیل گولہ تو اسی میل تک دیتا ہے کام × آسماں تک جاتا ہے گولا مری فریاد کا

احسن - ان کا نام قاسم نے اپنے تذکرہ میں احسن قلی - اور مرزا علی لطف اور صفیر بلگرامی نے اپنے تذکروں میں صرف مرزا احسن نامی خوشنویس اور صفحہ ندیم احسن لکھا ہے - مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ان کے اشعار میں ظرافت شامل ہوتی تھی- مگر افسوس کہ اہل تذکرہ نے ظرافت کا کلام درج نہیں کیا بڑی دقتوں کے بعد ایک دو شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں -

کہا جو میں نے کہ تیغ کو ترے قمر نہ لگا ۔۔۔ بگڑ کے بولا کہ چل بے ادھر نظر نہ لگا

جام مے ساقی کے آگے لائے جوں مجلس کے بیچ ۔۔۔ غیروں کو بھیم دیے اور یار منھ کھولے رہے

اکثروں نے پی اور اکثر قطرے کو ترسا کیے ۔۔۔ تر ہو گئے دو چار اور دو چار منھ کھولے رہے

احمق - اسم گرامی مصطفےٰ خاں ہے - پھپھوند ضلع اٹاوہ کے رہنے والے ہیں - اور وہیں شورے کی ایک فیکٹری قائم کر رکھی ہے غالباً فی زمانہ وہی ذریعۂ معاش ہے آپ کی عمر اسوقت ۴۵ - ۴۶ - برس کی ہوگی - مشق شاعری بھی بیس پچیس برس کی ہوگی - آپ عاشقانہ رنگ کی غزلیں فرماتے ہیں اور اسی میں جابجا ظرافت بھی شامل ہوتی ہے - سنہ ۲۱ یا ۱۹۲۲ء میں جب آپکو سیاسی معاملات میں قید ہوگئی اسی زمانہ میں آپ نے سیاسی مضامین کو بھی داخل غزل کر لیا - اور ایک چھوٹا سا مجموعہ زندان حماقت کے نام سے شایع کرا دیا جسکو دیکھکر اپنی مذاق اور پسند کے موافق چند شعر انتخاب کرکے نذر ناظرین کرتا ہوں آپ کی علمی لیاقت وغیرہ کا حال اگرچہ مجھے صحیح طور پر معلوم نہیں ہے - مگر کلام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو فارسی عربی انگریزی میں آپ کو بقدر ضرورت دستگاہ حاصل ہوگی نہایت خلیق - ملنسار اور نیک طینت آدمی ہیں - غائبانہ بذریعہ مراسلت خطوط راقم سے بھی ملاقات ہے - انتخاب درج ذیل ہے -

نئی حد بندیاں ہونے کو ہیں آئین گلشن میں ۔۔۔ کہو بلبل سے اب اٹھے نہ تنکے آشیانے میں

اللہ اللہ کس قدر سہمے ہوئے رکھتے ہیں پاؤں
خاک عاشق کیا ہے گویا جرمنی بارود ہے
کہتے ہو کہا جائینگے کچا تیرے دل کو یہ کیا
وہ یہی ہے ناشپاتی ہی کوئی امرود ہے

میرے سنبھالنے کی فکریں تو بعد کی ہیں
پہلے ذرا تم اپنا پتلون تو سنبھالو
شام و عراق و ٹرکی سب ہیں تمھاری خاطر
مرقد کی فکر کیا ہے جا ہو جہاں بنالو

بھاگنے کی ہے یہاں راہ نہ بیٹھنے کی سکت
آہ لائی ہے کہاں حسرت دیدار مجھے
ہیں وہ پنڈت ہوں کہ اس در کے اکثر جھرلے
دور سے دیکھ کے کرتے ہیں نمسکار مجھے

کھڑے ہو کر جنھیں پیشاب کرنا بھی نہیں آتا
وہ ناحق کرسیوں پر بیٹھنے کی مشق کرتے ہیں
یہ شوخی یہ شرارت یہ دل آرائی کہاں اُن میں
مسوں کے چاہنے والے کہیں حوروں پہ مرتے ہیں

رقیب روسیہ کی صورت و سیرت معاذ اللہ
بلا تشبیہ وہ لنگور کی اولاد مستند ہے
سنبھل او آسماں پتلون کے تسمے ذرا کس لے
کہ میری آہ سوزاں اب مرے کہنے سے باہر ہے

صحبت صالح میں رہ کر ہو گئی اصلاح حال
میں گدھا تھا شیخ کے پاس آ کے خچر ہو گیا
یہ تیرے ذہن کی ہے مہک یا مبتِ بدخو
بو تیل کی پھیلی ہے کنستر سے نکل کر

خانۂ دل میں خیال یار رہنے دیجئے
اس مکاں میں یہ کرایہ دار رہنے دیجئے
ہیڈ کر دیجئے عدو کو شہر میں لیکن مجھے
گاؤں کا اپنے ہی چوکیدار
جا نہیں سکتی عدو کی سستی اعصاب عشق
روغن زرد نیچ و سم الفار بنائینگے

دوڑتا آئیگا احمق آپ کا خط دیکھکر ۳ اُسکو کارڈ بھیجدیجے تار رہنے دیجئے

باوجود اس اتقاے خاص کے بھی نیچری
بارہا پکڑے گئے ہیں اُسکے گھر جاتے ہوئے

ایسے وعدے سے تو اچھا تھا کہیں انکار وصل
دو مہینے ہو گئے ظالم کو شرماتے ہوئے

ریل گاڑی میں لکھی ہے ہمنے احمق یہ غزل
فتح گڈھ سے آگرہ کی جیل کو جاتے ہوئے

گلِ عارض پہ ترے بلبلِ شیدا کی طرح
ایک اُلّو بھی تو کمبخت غزلخواں نہوا

چمن جب نذر صرصر ہونے والا ہی تو اے بلبل
یہاں یہ گھونسلے کسواسطے تو نے بنائے ہیں

وفا کا امتحاں گو سخت تھا لیکن میاں کلّو
خدا کا شکر ہے کالج میں سب فسٹ آئے ہیں

مزا لوٹا نہیں گلچینیِ باغ محبّت کا
ابھی تک آپنے اے جانِ من کوّے اڑائے ہیں

خداوندا تعلق کچھ تو حسن وعشق کا کردے
مجھے بندر بنا دے یا انھیں کو تو گدھا کردے

وہ گھر جانے کو ہیں لیکن کوئی ایسا نہیں ملتا
جو دو روٹی پکا کر ساتھ اُنکے ناشتا کردے

دلِ عاشق فراغت کی جگہ ہے تم جو فرماؤ
وہ اس گھر کو تمھارے واسطے بیت الخلا کردے

وہ کچھ باتیں بنا کر دل مرا لیجانے والے ہیں
الٰہی دو گھڑی کے واسطے مجھکو گدھا کردے

---

۴ جب کوئی اونٹ دیکھتا ہے قیس ڈر سے
چلّاتا ہے کہ وہ مری لیلا سوار ہے

....

....

خطوط ر

نئی حدیث یار

لڑکپن ہی میں جنکو دل چرالینے کی عادت ہے ۔ ڈکیتی پر بھی آجائینگے وہ شاید جواں ہوکر
مرا دل اور اُنکی آرزو یوں ہیں بہم گویا ۔ رہیں دو آدمی باقاعدہ بیوی میاں ہوکر

اک پردہ نشین جیب سے کرایہ پہ ہے اسمیں ۔ رہتا ہے مرا خانۂ دل آٹھ پہر بند
کس درجہ پشیمان ہوے ہیں وہ سر بزم ۔ پاجامے میں اتنا بھی نہ پودا ہو کمر بند

دل کی قیمت چار پیسے بھی نہیں لگتے وہاں ۔ اک پیالی چاے کی حسرت بھی ابتک دل میں ہے

کہہ رہا ہے یہ آپ کا انکار ۔ نوبت آے گی ہاتھا پائی کی
کشتی دل کی بحر آنسو میں ۔ لاٹ صاحب نے ناخدائی کی
ہاے تقریب وصل کیا ہو گی ۔ اُن کو عادت نہیں مٹھائی کی
مُنڈ گیا جا کر اُن کے کوچے میں ۔ کیا حجامت ہوئی ہے نائی کی
سچ تو یہ ہے کہ شیخ جی کٹتے ۔ کاٹ لی ناک پارسائی کی

آنکھوں نے رو کے نام ہی بالکل ڈبو دیا ۔ گنگا کا گھاگرا کا اٹک کا چناب کا
شیخ اشتہار بانٹتے پھرتے ہیں شہر میں ۔ نیلام ہونے والا ہے ٹھیکہ شراب کا

دور سبو ہے اور وہ یوں لب لٹکان ہے ۔ گویا جناب شیخ کے گھر کی دکان ہے
ذلت اٹھا کے غیر وفادار بن گیا ۔ ہلدی جو پس گئی ہے تو اب زعفران ہے

تعزیر اگر نہ دینگے مجھے جرم عشق پر ۔ پاجی گدھا سور تو مقرر بنائینگے

شیرینی وفا کی ہے بہتات گر یہی　　حلوا فروش گڑ کو بھی شکر بنائینگے

سوال وصل پہ مار و عصا دکو　　یہ اس الّو کے پٹھے نے کہا کیا
ہمارا دل ہے ہم چاہے جسے دیں　　میاں ناصح تمہارے باپ کا کیا
چلے کالج سے پہونچے کونسل میں　　ہماری ابتدا کیا انتہا کیا

ہمارے دل کا کوئی قدردان نہیں ملتا　　یہ اونٹ وہ ہے جسے قدر دان نہیں ملتا
کچھ اُن کو اپنی جفاؤں پہ غیرت آئی ہے　　تو ڈوبنے کے لئے اب کنواں نہیں ملتا
وہ مرگ غیر پہ اظہار غم کریں کسطرح　　کرایہ پر بھی کوئی نوحہ خواں نہیں ملتا

تونے اے عشق زنخداں ہو کے ارزاں سچ ہے یہ　　سیب جیسی چیز کو ہم ترخ شلجم کر دیا
کام آئی عاشقوں کے انکی دریوزہ گری　　کچھ دنوں کے واسطے آٹا فراہم کر دیا

حرص کوثر ہو تو دوزخ میں جاؤں اے ساقی　　مجھکو کچھ اور نہیں چاہیئے کوثر کے سوا
اور کیا کیا مجھے پالش کا صلا کیا ملتا　　حضرت بٹ کی سرکار سے ٹھوکر کے سوا
بس وہیں بیٹھ کے فرمائینگے تلقین صلوٰۃ　　شیخ جائیں گے کہاں بزم مزعفر کے سوا

دل شیخ محو مناجات ہے　　شب لیلۃ القدر کی رات ہے
وہاں چھپ کے جاتا ہے غیر اسطرح　　جو دیکھے یہ سمجھے مساحت ہے

جاگیر بچ کے کام ہی آئی کہ آخر ش　　مجنوں کا خاندان زمیندار ہو گیا

لکنت نے خوب کام بنایا بوم وصال ۱۳ انکار کرنے والے تھے اقرار ہو گیا

قدر موزوں کو جانتا ہوں کیجو ر شاعری مجھکو گر نہیں آتی

دور دورا ہے چمن میں ظلم و استبداد کا خوب اُلّو بولتا ہے آجکل صیاد کا
پیسنے آئی ہے تربت میں مجھے سنتی گور لاٹ صاحب کی دہائی وقت ہے امداد کا
ہمنشینوں کی جدائی شاق ہو جاتی مگر ہے چڑیاروں کے ٹولے میں مکاں صیاد کا

جتنے سخن طراز ہیں مست خرام ناز ہیں یار کی ڈیڑھ ٹانگ میں لطف ہے مستزاد کا

تیری نگہ کے واسطے اے فتنہ خو نہیں ۳۔ دل ہے ہمارے پاس مگر فالتو نہیں

انکی الفت سے تو بہتر تھا کہ ہم کہیں بندر ہی نچایا کرتے

ہاتھ آتے جو وہ شیرینی لب ہم بھی شیرات کو حلوا کرتے

ایک بی بی تین بچے ایک والد ایک ہم آپ ہی کہئے گذر کس طرح ہو قفلشین ہیں

ایک چکی ایک پاخانہ کا برتن ایک کپ کون کون اپنا شریک قید تنہائی نہ تھا
مونڈھا ایسا کہ سر میں ایک بھی چھوڑا نہ بال خیر گزری جانے والا ترا نائی نہ تھا
یہ سمجھکر بھی بغیر اس بزم کے سیری نہیں ان کے ہاں کتے کی عزت ہے مگر میری نہیں

ہم اور عرض مطلب آئے تھے عدو کے گھر میں — دیکھیں تو بال کتنے رہتے ہیں آج سر میں
ہیں یاس و حسرت و غم فکر دل و جگر میں — ان بالشتیوں سے ہے ملک جاں خطر میں

ہر دم یہی تماشا ہے انکی رہگذر میں — نکلا اک انکے گھر سے گھسا اک انکے گھر میں
غربت میں جو میسر ہو جاسے ہے غنیمت — گاڑھے میں نقص کیا ہے خوبی ہے کیا لٹھے میں

کلو ملیں تو شاید طے ہو رہ محبت — ہر راہزن کا کھٹکا ہوں فکر راہبر میں
کل قصد ہے جو ناصح تشریف آوری کا — پسوا کے تھوڑی ہلدی بکرا آئیگا سر میں

. . . .

بوسے میں ہے ملاحت گالی میں ہے حلاوت — کچھ ہے شکر نمک میں کچھ ہے نمک شکر میں

. . . .

دل جسپہ مبتلا ہے بس ہے وہی دل آرا — مانا ہیں داغ رخ پر مانا ہے گنج سر میں
کہتے نہ تھے کہ دیکھو دشمن سے دور رہنا — اب کیا بتائیں تمکو کیوں درد ہے کمر میں
کہتے ہیں وہ الٰہی غارت ہوں یہ نگوڑے — چھوڑا نہ ایک ٹکڑا ان بندروں نے گھر میں

ڈر ہے جناب احمق جوتے نہ کھائیں اکدن
جیب چھپ کے روز قبلہ جاتے ہیں انکے گھر میں

اسد - جناب اسد علی قدوائی کا تخلص ہے جو جناب احمد علی قدوائی کے بھائی ہیں لکھنؤ میں قیام ہے جس زمانہ میں کیننگ کالج میں پڑھتے تھے تو ایک مشاعرہ سالانہ میں میں نے آپکو دیکھا تھا نوجوان خوش مذاق ہیں اُس زمانہ میں ظرافت کہتے تھے معلوم اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے یا نہیں - چونکہ زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں اس واسطے صرف کلام درج کرتا ہوں -

اُٹھا پردہ بس اب آزادیاں بڑھتی ہیں نسواں کی — یہ ہے تاثیر یورپ کے جنون فتنہ ساماں کی

وہ بولے لڑکے مرجا غیرت سے میں نے کہا اون ہونہہ — بس اتنی بات نے مجھکو ہوا کھلوائی زنداں کی

جہاں تاریک ہے نظروں میں مشرق کی یہ حالت ہے — سیاہی ہے یہ اے مغرب تری زلف پریشاں کی

سنا ہے چاک کی ہے غیر کی توند اسنے خنجر سے — ہے غل سبزی فروشوں میں لگی تربوز میں ٹانکی

نتیجہ مونچھ نیچی کرنے کا میرے ہوا ظاہر — ادا بانکی تھی پہلے اُن کی اب ٹوپی بھی ہے بانکی

نہ پائی نوکری جب میم صاحب نے تو فرمایا — چلو مس خاک اڑائیں چلکے یورپ کے بیاباں کی

بنی جی کھیچو کا زاہد اثر مہنگی میں دکھلاو — چڑھو ممبر کے اڈے پہ بنا کر شکل ٹٹیاں کی

دکٹ تھالی لئے پھرتے ہیں میدان فضیلت میں — ترقی خیر سیڑھی ہے یہ اطفال دبستاں کی

اسرار۔ زمانۂ حال کے ایک شاعر ہیں بائیس تئیس برس کی عمر ہے۔ فارسی کی تعلیم معمولی ہے انگریزی میں بی اے تک تعلیم پائی ہے۔ نوجوان ہیں مگر زندہ دل معلوم ہوتے ہیں۔ میرے شناسا اور دوست ہیں مگر اپنا نام اور پتہ لکھنے کی اجازت نہیں دی کبھی کبھی ظرافت میں کچھ شعر کہہ لیتے ہیں۔ جس سے کوئی اظہار کمال مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف اپنے تفنن طبع کے لئے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

اُن کے لب سے جو رال بہتی ہے — اسکو کہتا ہوں قند کا شیرا

نہ آلو نہ گھیاں نہ شلجم نہ ٹمیٹر بس — مقدر میں عاشق کے لکھا ہے ڈھنڈس

وہ ٹھیلے کے اوپر سفر کر رہے ہیں — فٹن ہے نہ بگھی نہ موٹر نہ بیلیس

مری ہر تمنا پہ کہتے ہیں اون ہونہہ — ہیں چھتر نہیں ہوتے دم بھر کو ٹس مس

وہ اوڑھے دو پٹا ہیں باندھے ہوں صافا — جو وہ نازنیں ہیں تو میں ہوں مقدس

آؤ میں نے تجھے بنایا — مجھکو کلوسٹا خطاب دیدے

جو کنا کرتا ہے سخت نقصان — جلدی جھٹ پٹ جواب دیجے

....

کیا بتاؤں میں تمہیں حال رخِ یار کا ظلم — خون پیتا ہے مرے جسم کا کھٹمل بنکر

چپتیں کھائی پڑیں حجامت پر — سر منڈاتے ہی پڑ گئے اولے
نہیں ملتے ہو تم تو سوتا ہوں — سنکھیا کھا کے پیتے دو تولے

یہ کہتا ہے جو گر جاتا ہے کھٹمل چارپائی کا — نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا کی جدائی کا
جو اپنا سر جھکاتا ہے حجامت اسکی کرتے ہیں — حسینانِ جہاں کرتے ہیں اکثر پیشہ نائی کا

سبب کیا ہے جو یوں لیکر چھری پیچھے پڑا میرے — میں ہوں ولد بکرے کی نہ میں بچہ قصائی کا

مولوی محمد اسمٰعیل - آپ میرٹھ کے رہنے والے اور زمانہ آخر کے ایک مشہور نثار اور ادیب تھے سررشتۂ تعلیم کے لئے جیسی کتابیں آپ نے لکھیں ویسی آجتک سرکاری مدارس کے لئے کتابیں نہیں لکھی گئیں - آپ کی بیسیوں نظمیں آج بھی بچوں کی زبانوں پر ہیں - علاوہ نثر نویسی کے آپ ایک زبردست شاعر تھے - مرزا غالب مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے زمانہ کے رسم و رواج اور مقتضائے طبیعت سے کبھی کبھی ظریفانہ شعر بھی فرماتے تھے - مگر آپ کی ظرافت نہایت شستہ متین عبرت انگیز اور ناصحانہ ہوتی تھی - حالی مرحوم اور مولانا سے مذکور کا ایک رنگ ہے - بلکہ بعض باتوں میں آپ حالی مرحوم سے پیش پیش ہیں - آپ تمام عمر تعلیم کے محکمہ میں گورنمنٹ کے ملازم رہے

اور اپنی خدمات کو اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ صلہ میں گورنمنٹ سے خان صاحب کا خطاب بھی حاصل کیا۔ آخر میں پنشن لیکر میرٹھ چلے آے تھے مگر باوصف پیرانہ سالی کے بھی آپ کے علمی اور تعلیمی مشاغل میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور آخر وقت بچوں کیلئے نہایت مفید مفید کتابیں لکھتے رہے۔ تقریباً ۷۰ برس کی عمر میں بمقام میرٹھ ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں انتقال فرمایا۔ آپ کی تصانیف سے متعدد مفید کتابیں۔ اور ایک کلیات نظم یادگار ہے۔

آپ نے ایک قصیدہ جریدۂ عبرت کے نام سے کہا ہے جسمیں اہل زمانہ کی غفلت اور کجروی پر خوب خوب طنز و ظرافت کی گئی ہے۔ یہ قصیدہ نہایت طویل ہے لہذا بعض اشعار منتخب کرکے درج کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ عجیب قصیدہ کہا ہے۔ جس میں نصایح کے زہر کو ظرافت کی چاشنی دیکر شربت کی صورت میں پیش کیا ہے۔

میں شاعرانہ روش پر نہیں قصیدہ نگار
یہ ایک سادہ گزارش ہے یا اولی الابصار

کہ اب کے ماہ محرم میں ساتویں تاریخ
گیا جو گھر سے قضارا بجانب بازار

تو دیکھتا ہوں کہ گزری میں ایک اکھاڑہ ہے
اور اتنی بھیڑ کہ جسکا نہیں حساب و شمار

ہیں دو حریف مقابل لئے پھری گتکا
ہر اک فن پھکیتی میں طاق اور طرار

جو اس نے پاؤں بچایا تو اس نے سر تاکا
دکھایا چہرہ تو پہلو پہ جا کیا ہے وار

عجیب ٹھاٹھ نئے پینترے غضب پھرتی
نرالے ڈھنگ سے کرتب کا کرتے ہیں اظہار

چلا ہے ایک بنیٹی کا باندھ کر چکر
کھڑا ہے ایک لئے سیف رہا ہے گو ہار

میں اپنے دل میں لگا کہنے کیا حماقت ہے
مٹے ہوے ہیں جو اس فن پہ یہ خدائی خوار

سپہ گری کا یہ فن تھا کسی زمانہ میں
نہ وہ زمانہ رہا نہ اب صورت پیکار

کہاں ہیں اب وہ دلیران صف شکن باقی
کہ ان فنون پہ ہوتے تھے جان و دل سے نثار

جواب دل نے دیا کہ مت تعجب کر
میں اس سے بڑھ کے سناؤں زمانہ کے اطوار

(شاعر)

سخنوران زماں کی بھی ہے یہی حالت
کہ اس قدیم ڈگر کو نہ چھوڑیئے زنہار

سوائے عشق نہیں سوجھتا انہیں مضموں
سو وہ بھی محض خیالی گھڑت کا اک طومار

ہے شاعری میں یہ پہلا اصول موضوعہ
کہ جھوٹ موٹ کے بنجائیں ایک عاشق زار

تمام اگلے زمانہ کا ہے یہ پس خوردہ
کہ کر رہے ہیں جگالی وہ جسکی سو سو بار

کمال اپنا سمجھتے ہیں خودستائی کو
نہ ننگ ہے نہ حیا ہے نہ شرم و غیرت و عار

جو اپنے فخر پہ آئیں تو بس کریں تسخیر
حدود ہند سے تا بہ فارس و تاتار

ہے ایک غار میں پانی سڑا ہوا لبریز
پڑا ہے نیم کا پتہ اور اسپہ پشہ سوار

وہ پشہ آپ کو سمجھا ہے نا خدائے جہاز
اور اس سڑے ہوئے پانی کو لجۂ زخار

اسی طرح ہیں ہمارے زمانہ کے شاعر
سمجھتے اپنی خرافات کو ہیں عین وقار

کیا ہے نام زٹل قافیہ کا اپنے سخن
وہ کنکری ہے جسے کہتے ہیں در شہوار

جو ان کے دیکھئے دیوان تو بورکے لدّھڑ
غلیظ و گندہ سراسر نتیجۂ افکار

وہی ہے شاعر غرّا جسے نگی ہانکے
یہی ہے شعر کا اس دور میں بڑا معیار

ہو انکی طبع بلند اور معنی رنگیں
جو طبع گیر ہے تو معنی مڑا ہوا مردار

نہ جس سے طبع کو تفریح ہو نہ دل کو خوشی
غزل ہے یا کوئی ہذیان ہے بوقت بخار

(نمونہ غزل)

صفت ہے دوست کی جلاد و ظالم و غدار
ستم شعار دل آزار بے وفا مکار

ہے دلبروں کی بھی شامت نہ منہ بنا لو کر
بجائے زلف کے دو اژدہوں کی ہے پھنکار

یہ آپ کے گل عارض وہی ہیں باسی پھول
پڑی ہے نزع کی حالت میں نرگس بیمار

جو ڈالی بال کی محراب ہے خم ابرو
تو ہے مژہ بھی پولس کے سپاہیوں کی قطار

زنخ کنواں ہے کہ جس میں ڈبو چکے لٹیا
بھنور ہے ناف کہ جس سے نہ ہوگا بیڑا پار

شب فراق کا دکھڑا اگر کریں تحریر — تو ایشیا کو ڈبو دیویں دیدۂ خونبار

وہی لنڈوری ہے قمری تو پر نچی بلبل — وہی ہے سرو کا ٹھنٹھ اور طول قامت یار

غریب شیخ پہ ہر دم دو لتیاں جھاڑیں — کریں مساجد و کعبہ سے دم دبا کے فرار

ہے چرخ پیر تو مدت سے شاعروں کا پیر — پہ کوستے ہیں اُسے بے مروتا ہنجار

جمال یوسف و اعجاز عیسی و موسیٰ — ہیں انکی گندہ دہانی کے سامنے سب خوار

نہ کچھ خدا کا لحاظ اور نہ انبیا کا ادب — یہ اُن کی تو رکھی ہی شاعری خدا کی مار

ہیں ان کی طبع دنی عنکبوت کا جالا — اور اُن کی تیز تر مضموں ہے مکھیوں کا شکار

وہ توڑتے نہیں لقمہ مبالغہ کے بدون — بغیر بھنگی کے جس طرح چل سکے نہ کہار

سدا اور دغ کی کرتی ہیں مکھیاں بھن بھن — چپک رہا ہے لبوں پہ جو شیرۂ گفتار

لکھیں جو قصہ تو دیو و پری کا افسانہ — لگا دیں کذب کے ڈھیر اور جھوٹ کے انبار

کریں چڑیل کو حوران خلد سے نسبت — بنائیں اونٹ کٹیلے کو گلشن بے خار

جب انکے ہوتے ہیں مضمون منزل وارد — تو گویا عرش سے اتری چمار کو بیگار

کریں جو مدح کسی چرکٹے کی وہ بالفرض — تو پھر سکندر و دارا ہیں اُسکے باج گزار

بنائیں اُسکے تئیں بحر و بر کا سلطان — جو فی المثل ہو کوئی کوزہ دہ کا نمبردار

ہے سچ تو یہ کہ انھیں شاعروں کے قالب سے — لیا ہے جھوٹ نے کلجگ میں آن کر اوتار

مشاعرہ ہو تو لڑتے ہیں جیسے جنگی مرغ — لہو لہان ہیں پنجے شکستہ ہیں منقار

وہ خود فروش بنے آج استاد زماں — کہ جن سے کوئی ٹکے سیکڑا لے اشعار

اگر سنیں کہ ہوا ہے فلاں رئیس علیل — تو پہلے قطعۂ تاریخ کر رکھیں تیار

اجڑ گئے ہیں وہ مکان اور لد گئے ڈیرے — جہاں کہ آتے تھے یہ بھانڈ کا نذری ہر بار

جہاں خوشامدیوں شاعروں کی تھی بھرتی
اب ایسی کاٹھ کی الّو نہیں کوئی سرکار

فلسفی علما

نہ شاعروں ہی پہ تنہا پڑے ہیں یہ پتھر　　کہ عالموں کا بھی اسی دور میں ہے شمار
وہیں ہیں آج جہاں تھے یہ دس صدی پہلے　　گیا ہے قافلہ دور اور ڈھونڈتے ہیں غبار
وہی قدیم زمانہ کا فلسفہ سڑیل　　ہو جیسے کہنہ کھنڈر کی ڈھہی ہوئی دیوار

چونکہ قصیدہ بہت طویل ہے اس لئے اسی پر اکتفا کی گئی۔

اسلاف کا حصہ تھا اگر نام و نمود　　پڑھئے پھر اب اُن کے مزاروں پہ درود
کچھ ہاتھ میں نقد رائج الوقت بھی ہے　　یا اتنی ہی پونجی ہے رسم سلطان بود

کیا کہتے ہیں اس میں مفتیانِ اسلام　　جب بیچ مساجد کے نہیں چلتا کام
تو وجہ کفاف کے لئے مومن کو　　جائز بھی ہے یا نہیں خدا کا نیلام

بیکار نہ وقت کو گزارو یارو　　یوں سست پڑے پڑے نہ ہمت ہارو
برسات کی فصل میں ہے ورزش لازم　　کچھ بھی نہ کرو تو مکھیاں ہی مارو

لاکھوں چیزیں بنا کے بھیجیں انگریز　　سب کرتے ہیں دندانِ ہوس اپنے تیز
چڑتے ہیں مگر علوم انگریزی سے　　گڑ کھاتے ہیں اور گلگلوں سے پرہیز

اشتہا۔ ایک ایرانی شاعر کا تخلص ہے جن کا اصلی نام مرزا عبد اللہ تھا ان کا مولد اصفہان تھا وہیں نشو و نما پائی اور معمولی تعلیم بھی اسی سرزمین میں حاصل کی۔ اشتہا کے والد کا نام حاجی فریدوں تھا جو گرجستان سے ایران میں آئے اور اپنی بیوی کو بھی کہ وہ بھی گرجن تھیں اپنے ہمراہ لے آئے ۱۲۴۵ھ میں مرزا عبد اللہ

پیدا ہوئے اور اپنے والد کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ یہ ابتدا ہی سے نہایت ذکی اور ذہین واقع ہوئے تھے۔ مگر بدنصیب بھی اول درجہ کے تھے یعنی ہنوز بچہ ہی تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور بیچارے اشتہا کو مدرسہ میں داخل ہونے کی ضرورت پڑی۔ کیونکہ بغیر اس کے اوقات گزاری کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ اسی حالت میں یہ تحصیل علوم میں مشغول رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ خوشنویسی کی بھی مشق کرتے رہے۔ چند روز میں صرف و نحو۔ منطق۔ کلام۔ عروض و قافیہ میں کمال حاصل کرلیا علم کے ساتھ ہی ساتھ ان کی خوش بیانی اور ظرافت بھی ترقی کرتی رہی تا اینکہ علوم رسمیہ سے فراغت کرنے پر ایک زبردست ظریف بن گئے اور ان کی ہر طرف شہرت ہو گئی۔ اور ابتدا ہی سے یہ بھی شوق دامنگیر تھا کہ اپنے معاصرین اور متقدمین کا عمدہ کلام بیاض کے طریق پر جمع کرتے رہتے تھے۔ اسی شغف اور غلو کی وجہ سے خود ان کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ مگر جب یہ خیال آیا کہ ہزاروں ذی کمال شعرا گزر گئے اور آج ایسے گوشۂ گمنامی میں پڑے ہیں کہ کوئی اُن کو جانتا بھی نہیں تو کچھ دل افسردہ ہو کر رہ گئے مگر طبیعت کے ابھار اور دلی جوش نے نچلا نہ بیٹھنے دیا۔ یہ چشمۂ ظرافت کی صورت میں پھوٹ نکلا اور زور و شور سے بہنے لگا۔ مگر ظرافت میں بھی ایک خاص قسم اختیار کی۔ یعنی تمام کھانوں مٹھائیوں میووں اور بھوک کا ذکر کرنا اپنے اوپر فرض کر لیا۔ اور آخرکار وہ تمام کلام اچھا خاصہ شکرستان ظرافت بن گیا۔ مگر زمانہ اہل کمال کا ہمیشہ دشمن رہا ہے۔ اشتہا بیچارے ہمیشہ مفلوک الحال پریشان روزگار رہے۔ کبھی پیٹ بھر کھانا نصیب نہ ہوا۔ آخر اسی عالم کس مپرسی میں ۱۲۸۹ھ میں انتقال کیا۔ خرم نے اُن کی تاریخ وفات کہی۔

افسوس کہ اشتہائے با فضل و ہنر	از ملک فنا سوے بقا کرد گذر
گفتا پے تاریخ وفاتش خرم	اے وائے کہ اشتہا ندارم دگر

اشتہا نہایت نیکدل اور غیور تھے۔ کسی سے سوال کرنے کو نہایت برا جانتے تھے۔ اپنا فقر وفاقہ حتی المقدور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتے اور تنہا لبا معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ اُن کے کلام میں ظرافت بہت ہے۔ مگر وہ اسی حد میں محدود ہے جسکا ہم ذکر کر چکے۔ پختگی اُن کے یہاں قدما سے کم نہیں۔ مگر قدیم زبان اور اِن کی زبان میں فرق ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔ جو تمام دیوان سے انتخاب کیا گیا۔

مشہور گشتہ است در آفاق نام ما   زین اشتہائے بیحد و مال کلام ما
با ما کسے چگونہ زند لاف پرخوری   کاین سکہ را زدند در اول بنام ما
گر روزئی تمام خلائق کنند جمع   گردد غذائے مختصر صبح و شام ما
آن گنبد بزرگ کہ در مسجد شہ است   سرپوش کوچکیست بہ تابہ طعام ما
قنّاد راز ما برساند کسے سلام   ق   وانگہ ز روئے لطف بگوید پیام ما
چون ذکر خیر ما ہمہ شیرینی شماست   دور از مروت است بود تلخ کام ما
از فیض عام شربت تاریخ عاقبت   پیش از سکنجبین بجہان شد قوام ما
از بسکہ آتشم بہ دل است از غم کباب   سوز سمندری کہ گذشتہ از در بام ما
مشکل کہ روز حشر برآریم سر ز خاک   تا بوئے قورمہ نرسد در مشام ما

بوئے نرسد بشام ز قورمہ بشامم   گر باز گزارند ہمہ دیگ جہان را
گر پردۂ دلمہ بدرم در نظر خلق   یک لحظہ کنم کشف ہمہ اسرار نہان را
گر یک دو سہ نانے بکف آرم بجرم   صد پارہ کنم گوئی ز نان شکر شان را

دستم مزن بہ دل و گرا ز دو دوجہم دگرید   دیگر بیا درون تقاضائے این طفیل بے شام را

پیش من گر نهند حلوا را بخورم هرچه هست یکجا را
سرو از پا نشیند ار بیند قامت قند سرو بالا را

....

یک شتر از قند پره کو تا که برپا تم کنون از کف این ساربان ایدل مهار خویش را

کو شخص کریمی که درین موسم سرما هر صبح حلیمی بگذارد به بر ما
از بوی خوش قرمه فزون مست و خرابیم از محتسب شهر چه اندیشه چه پروا
در چین و ختا رفت حکایت و صفاهان بر قاب پلو دست کشادم چو بیغما
نان تنکم هست بیارید کبابی کین جامه بود درخور آن قامت رعنا
یک بیضهٔ مرغی نبود در همه عالم شاید که بجوییم ز سر منزل عنقا
شب تا به سحر یاد شدم از فرقت انگور از دیده بدامن همه دم عقد ثریا

گذر پخته اگر شام خورم نوبت صبح یاد گوزم همه اندر شکند سندانرا
اگر از نقل بسازند مرا زنجیرے همهٔ عمر بجان می طلبم زندانرا

تنها ز پوست کله نه از پا فتاده ایم کز سر پرید رفته است یکبار هوش ما

تمام سال خورم حسرت شب شعبان از آنکه از دل و جان مائلم زلیبیا را
به روزگار چه ما هر کسی مربی بود نه برد لذت شیرینی مربا را
دو صد هزار فدک صید هم شمرده اگر دو دانهٔ ز فدک آورند خرما را

گرچند شب سیر و پر میخورد می انجیر را | از قوت بازو ہم بشکستی زنجیر را
دم از مزعفر می زند در پیش ما نا قابلے | کز بانگ خر نشناخته زیر و بم کفگیر را

.... | ....

گاہے کہ گندم ششدانہ ام بود در جیب | بعینہ در نظرم روز عید نوروز مراست

خلق را اگر ہمہ رغبت بہ پنیر بیش است | بیشتر میل دلم با کرۂ گاو بیش است
بہ ضیافت بہ برد شام گرم ہمسایہ | آشنا است کہ بہتر ز ہزاران خویش است
لاغراز کوفتہ گاو چہ گردد فربہ + | شیر در عرصۂ ہیجا بہ برش چون میش است
خاک وجودم ار بنگافند تا بحشر | ہرچند جستجو شود از قورمہ آرزو است
آنکس کہ تارنج است بیوسے طعام ما | از خاندان آدم خاکی فرشتہ خو است

با حرمت است نزد قرم سید القرم | چون نزد ما کسے کہ ز آل پیمبر است
ہرکس کہ ہر شبم بہ ضیافت صدا زند | در نزد من بہ رتبہ چو سلمان بوذر است
زردک ہر آنکہ سیم رخاں میخورد مدام | زرد و ضعیف و نحیل در بجوزہ لاغر است
ہرکس کہ خورد پیاز فراداں برود شب | او در جماع با خر مصری برابر است
روغن ندانی از چہ بروے عدس نکو است | این نو عروس زشت سزاوار زیور است

.... | ....

اسپ دادم و خربزہ گرفتم خوردم — حالیا نوبت افسار و رکاب و زین است
بر سر تربت من دیگ طعامے آرید — گوش بر نالۂ کفگیر نہ بر تلقین است

چہل صباح پیاپے خورد اگر کس توت — نشود بجہان پیر و عاجز و فرتوت
کفن درم ببرد زندگی ز سر گیرم — زبد اگر شنوم بوز رخنۂ تابوت
ببیں بچشم کم ایدل انار را ہرگز — کہ دانہ ایش بود بہ ز حقۂ یاقوت

ہر کہ خاک در قنا دکشد کحل بصر — بر سر رشتۂ پشک بہ شب تار رود
ہر کجا قصۂ خربوزہ آید بمیاں — بہتر آنست سخن از خرد خربوزہ اربرود

نان و پیاز سیر بخوردیم ممسکاں — مارا کے ارپلو شکمے سیر میکنند

ہر کس کہ خورد کوفتۂ گاؤ بکید و شب — چوں پیل پیکرش بہ تنش فربہی کند

استخوان قلم آنکس کہ ربود از قیمہ — شاہ بازے است کہ او فرہمائے دارد
قیمت شیر برنج ارچہ گرانست مرنج — شیر دو شیرہ صفت شیر بہائے دارد
فرقہ را کہ بود شلغم وزردک انبار — ابلہی باشد اگر در طلب سیم و زر اند
غیر دردِ دل و درد کمر و بار صداع — از پیاز است ہمیا دو سہ آزار دگر
ز بوستان جہان ہیچے ار نصیب شود — تمام عمر بہ پیاییم ایں نشیب و فراز

اشفاق ـ ایک غیر معلوم شاعر کا کلام اس نام سے علیگڈھ میگزین میں دکھیا گیا

بہت ممکن ہے کہ یہی نام بھی ہو۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

مصرع کا لگانا تو ہے حصہ شعرا کا — سیدھی سی ہے رویت کہ احسان خدا کا
قمچی سے میاںجی کی بچی جان پر افسوس — تقدیر سے بوی بھی ملی ہم کو لڑاکا
بیٹھا ہے چمرگدڑ کی طرح موذی منحوس — ہیضے نے دبوچا نہ دبانے اسے ناکا

اصغر۔ آپ کا نام سید علی اصغر ہے۔ شاہپور ضلع فتحپور کے رہنے والے ہیں۔ زمانہ حال کے بذلہ سنج شاعر ہیں۔ اودھ پنچ سابق میں آپ کی ایک نظم بعنوان رنگ میں بھنگ نظر سے گزری۔ جس میں بعض جگہ شوخیوں اور ظرافت کا لطیف رنگ شامل ہے۔ انتخاب نظم یہ ہے۔

یہ محرم میں ہولی کا تہوار — ہنستی صورت ہے اور دل بیزار
گر پڑے شک کے پردہ ہائے چشم — جب نہ آیا ستم شعار عیار
لگ گئی آنکھ موت آ پہونچی — ہو گئی حس مشترک بیمار
روح قالب سے سیر کو نکلی — عالم خواب کی دکھائی بہار
نظر آیا بہت بڑا میدان — عرصۂ حشر جس کا باج گزار
کوہ آتش فشاں زمیں بالکل — دھوپ سے تیز جھر آتشبار
ایک بڈھا ضعیف ریشائیل — نظر آیا بصورت خونخوار
پیٹ میں آنت تھی نہ منھ میں دانت — جھریاں جسم میں پڑی تھیں ہزار
ضعف پیری سے جھک گئی تھی کمر — سر بھی جنبان تھا صورت میخوار
ہاے ماذان نہ جاے رفتن تھی — تھی عجب مخمصے میں جان نزار
کچھ ہراس اور کچھ بڑھی ہمت — بڑھ کے وہ اک قدم ہوا دوچار
پڑھ گیا چند آیت قرآن — کرکے دم۔ دم میں لایا جسم زار

دل میں آیا خیال ڈر کیا ہے | تم بھی تو آدمی ہو ہمت دار
حضرت خضر سبز پوش ہیں یہ | یا ہیں درویش کامل دیندار
پھر یہ آیا خیال ڈر کے ساتھ | ہو نہ انسان یہ کوئی آدم خوار
ایک ہی لقمہ میں نگل جاوے | مجھکو حلوا سمجھ کے لذت دار
پھینکا لاحول کہہ کے بسم اللہ | دلمیں ڈھارس بندھی چلا ناچار
پہونچا اکدم میں اس فقیر کے پاس | دیکھی آنکھوں سے اسکی حالت زار
میں نے پوچھا کہ کون ہو کیا ہو | اپنا مجھکو بتاؤ نام و دیار
کس کے تیر نگہ کے گھائل ہو | کس کی چشم سیہ کے ہو بیمار
بولا وہ مرد نیک خوش اسلوب | حال کیا پوچھتے ہو تم اے یار
تیغ ابرو کا میں نہیں گھائل | نہ کسی حور وش کا عاشق زار
انقلاب فلک کا مارا ہوں | دلپہ ٹوٹی ہے درد کی دیوار
لوگ سب سو رہے ہیں غفلت میں | اُن کے افعال پہ ہوں زار و نزار

فرط غم سے جو کھل گئیں آنکھیں | مٹ گیا سب طلسم کا کھر بار
وہی کنج قفس وہی فریاد | بستر غم ہے اور اصغر زار

اظلم - اس تخلص کے ایک شاعر تھے جو ضلع شاہجہاں پور کی تحصیل یا کچہری میں عرائض نویسی کرکے بسر اوقات کرتے تھے - زیادہ حالات معلوم نہیں - ظرافت کے یہ شعر ان کی طرف منسوب ہیں -

پیشہ لیا تھا عمر سے ہمنے چمار کا | پھر بھی نہ ٹانکنے کو ملا پوٹ یار کا
وہ کلمہ لکر درسجدہ یہ صاف کہتے ہیں | امام آے مگر ساتھ یہ قطار نہ ہو

بہت مشکل ہے کھینچی شکل اوصاف نہانی کی — یہاں پر آکے گھِس جاتی ہے دم میں عقل ثانی کی

شہیدِ ناز کی جب کر چکے مٹی ٹھکانے ہم — پری نے بیٹھ کر نیچے سروں میں نوحہ خوانی کی

افسر - آپ کا نام نامی حامد اللہ ہے - آپ میرٹھ کے مفتیوں کے خاندان کے ایک معزز رکن ہیں - آپ کی شاعری میں بہت سی وہ نئی چیزیں ملتی ہیں جن کا اس سے پہلے وجود نہ تھا - بعض دلچسپ نظمیں جو بچوں کی قابل ہیں آپ نے اس دلکش انداز میں لکھی ہیں کہ بے اختیار داد دینا پڑتی ہے - تمام اصناف سخن پر قادر ہیں - نہایت سخن فہم - نکتہ سنج دقیقہ رس طبیعت پائی ہے - انگریزی میں بی - اے تک تحصیل علم کرکے وکالت کے امتحان کے لئے تیاری کی تھی - کہ یکایک طبیعت اچاٹ ہو گئی - اور تصنیف و تالیف کی طرف توجہ کی - چنانچہ اسوقت تک آپ کی متعدد تصانیف ملک میں شایع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں - جن میں سے کتب سررشتہ تعلیم خصوصیت کے ساتھ قابل قدر اور لائق تحسین ہیں - انگریزی کے علاوہ فارسی کا مطالعہ بھی نہایت دقیق ہے - آپ بہ سلسلۂ ملازمت متعدد مقامات پر رہے اور ہر جگہ ادبی خدمات اور زبان اردو کی اشاعت و ترویج میں منہمک رہے - آپ کی عاشقانہ شاعری میں بھی ایک خاص قسم کی جدت ہوتی ہے - اسکے ساتھ ساتھ کبھی کبھی رنگ ظرافت کی طرف بھی توجہ فرماتے ہیں - اور تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی ہزل بھی کہتے ہیں - مگر آپ کو کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ ان کو شایع کیا جاوے میرے سخت اصرار پر یہ چند شعر مرحمت فرمائے تھے آپ میرے زبردست عنایت فرما اور ہموطن ہیں - اتفاق وقت سے آجکل لکھنؤ میں مقیم ہیں اور جوبلی کالج لکھنؤ میں اردو پڑھاتے ہیں آپ کی عمر تقریباً ۲۸ سال ہے

نظر کو وسعتیں حاصل نہ ہونگی دوربینوں سے — خدا تک ہو نہیں سکتی رسائی ان مشینوں سے

یوں سپاہی کی طرح عمر بسر کی ہم نے — یعنی کی فوج کے دفتر میں کلرکی ہم نے

جہاں میں عیب جتنے ہیں وہ سب بتلاتے ہیں
کہ عیبوں کو چھپا لینے کے ڈھب کہنے میں ہوتے ہیں

کہا یہ شیخ نے خطبہ میں راہ صدق و صفا
سکھاتے ہیں ہمیں اسکول اس زمانے میں

یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی کہے اکبر
شراب ملتی ہے شیشے کے کارخانے میں

وہ کہتے ہیں سوادیشیوں سے تنگ کر
ہمیں چاند دے دو تو ہم سوت کاتیں

اُن کی پرواز انھیں تا بہ فلک لے پہونچی
ہم یہی سوچ رہے ہیں کہ خیال اچھا ہے

مسٹر ہو مولوی ہو کوئی بات ایک ہے
مذہب میں قورمہ ہے سیاست میں کیک ہے

چپکے سے کان میں سنو پردے کی بات ہے
یہ پردہ وردہ کچھ نہیں سب واہیات ہے

آپ نے موجودہ زمانے کی روش پر بعض ایسے اشعار کہے ہیں جنکے الفاظ نہایت بلند اور پرشکوہ ہیں مگر معنی تام کو بھی نہیں - مگر اُن کے لکھنے کی اجازت نہیں دی -

---

افسق - میر غلام حسین نام تھا - برہان پور کے رہنے والے تھے - اگرچہ عام اور مشہور تذکرے آپ کے ذکر اور نام سے خالی ہیں - مگر پھر بھی ایک معاصر نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کر ہی دیا " اسمش میر غلام حسین افسق تخلص از شعرائے ایں عصر است ازبسکہ مزاجے بہ ہجو مائل است در شعر تیغ زنی مینماید - اکثر مزاج او بہ طرف ہزل می آید شوخی طبعش از کلامش ہویدا است و خوبی مزاحش از تخلص پیدا است کاش کہ ایں خیال در دل او جا نیافتے و آفتاب اشعار رنگیں بر شیشۂ آتش نہ تافتے انشاء اللہ رفتہ رفتہ ازیں تادیب شود و تخلص خود ہدایت قرار دہد - دریں ایام از راقم الحروف ارتباط کلی دارد چنانچہ دیوان را بخط خود نقل کردہ بہ فقیر ارزانی داشت " یہ ہے وہ عبارت جو لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی نے اپنے تذکرہ چمنستان شعرا میں افسق صاحب کے لئے لکھی ہے - اس سے معلوم ہوتا تھا کہ میر صاحب - صاحب دیوان شاعر تھے - مگر اس زمانہ میں اتفاق وقت سے آپ کا وہی لکھا ہوا دیوان جو صاحب تذکرہ کو اپنے ہاتھ

لکھکر عنایت کر دیا تھا دستیاب ہو گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب اور شفیق ۱۱۹۳ھ تک بقید حیات تھے۔ کیونکہ دیوان کے آخر میں دونوں کی مہریں لگی ہوئی ہیں۔ افسق صاحب کے ایک مقطع سے اُن کے سلسلۂ تلمذ کا بھی پتہ چلتا ہے

افسق کے اس سخن کا ہوا شہرہ جہاں میں ہے فیض بسکہ ذاتی عالم نواز کا

دیوان میں سب اصناف سخن۔ رباعیات۔ مستزاد مخمس۔ واسوخت۔ اور ایک مثنوی گنجینۂ آفاق بھی شامل ہے۔ مثنوی چارکمان۔ مکہ مسجد۔ چوک میدان۔ دائرہ میر چادرگھاٹ۔ چارمحل۔ اور چوک حیدرآباد پر نظمیں ہیں اور لطف یہ کہ حیدرآباد کی اخلاقی حالت کا جو اس زمانہ میں تھی فوٹو کھینچ دیا ہے ساتھ ہی ساتھ اپنی آوارہ مزاجی اوباشی کے حالات بھی صاف صاف بیان کرتے چلے گئے ہیں۔ حسینان بازاری کے ذکر خیر سے دیوان مالا مال ہے۔ تاجو۔ رحمت۔ حبشی بیگم۔ جمیلہ تاج النساء۔ لالن۔ بی جان۔ چندا زہرہ۔ گلابو۔ پنا جھنا کے نام جا بجا دیوان میں نظر آتے ہیں۔ صفحۂ کاغذ پریوں کا پرستان بنا ہوا ہے۔ اور یہ ذکر خیر جا بجا ایسے عریاں الفاظ میں کیا گیا ہے کہ زمانۂ موجودہ کے مصالح اُن کو مثالاً بھی پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ غزلیں فحش اور سراپا فحش ہیں کہیں دلربایانہ فن کی ہجو پر اتراتے ہیں تو پیچھے اوڑا دیتے ہیں کنایہ اور استعارہ کی چھت سے بہت بلند ہیں کیا مجال کہ کہیں ڈھکی چھپی بات کہیں۔ دو وہ کھری کھری سناتی ہیں کہ ظرافت اور ہزالی سے گزر کر فواحشات میں جا پہونچے ہیں اور بڑے بڑے ہزال علیحدہ صف نعال پر نظر آتے ہیں اور جناب افسق ہزالی کے میر محفل بنے ہوئے نظر آتے ہیں غرض کہ ان حضرت کا دیوان ہزلیات کی انسائیکلو پیڈیا یعنی قاموس الفواحشات بن کر رہ گیا ہے۔ مگر ہزل میں اتنے مشاق معلوم ہوتے ہیں کہ آج بھی ہر لفظ ان کے کمال کا پتہ دیتا ہے۔ سرنامہ دیوان پر۔ جب بسم الشیطان الرجیم لکھا ہوا نظر آتا ہے تو پڑھنے والے کی طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ بڑی مشکل سے آپ کے دیوان کا انتخاب کرکے فواحشات سے بچا کر

جناب محتسب کا بپوری نے یہ چند شعر زمانہ رسالہ کانپور میں طبع کرائے تھے جن کو ہم بجنسہ نقل کرتے ہیں ۔

قطرۂ آب ... کو دیکھ بولے دُر فروش　　ہم نے کم دیکھا ہے موتی جگ میں ایسی آب کا

قطرۂ آب ... کی آب سے　　چہرۂ گوہر پہ ہے پانی ہنوز

جب اسے قحبۂ گل مجھکو مے کے نشے نے چمن میں تیرے گیا بان سے کھینچا

ادھر سے پیار اودھر سے جنوں آگے دونوں نے مجھکو گریباں سے کھینچا

حیدرآباد میں سیندھی کا اس زمانہ میں بڑا زور شور تھا اسی کے متعلق کہتے ہیں ۔

آجکل ہے دور سیندھی کا رکھے حق آبرو　　ہے مدد گردوں دوں کی مال والوں کیطرف

اس گردش فلک میں اشراف ہیں پریشاں　　بھڑ دوں کو نت میسر شالیں اور دولائیاں ہیں

بارہ صدی کے دور میں راحت نہیں رہی　　اک ذرہ زندگی کی حلاوت نہیں رہی

حسن کی تجھ سے اے قحبۂ بہار اب ڈھل گئی　　مان مت کر مان لے خوبی کی ساعت ٹل گئی

کس دکھ سے کہہ اے شوخ تو مغموم پڑی ہے　　غربت کی ترے مکھ پہ گھٹا جھوم پڑی ہے

یا مکر ہے یا بھوت چڑھا تجھپہ تو سچ کہہ　　کیا رو تو بیٹھی ہوئی کیوں گھوم پڑی ہے

اٹھو یارو تماشے کو چلو ہنگام ہولی ہے　　کسی کی لال ساری ہے کسی کی زرد چولی ہے

باتوں کے حق میں گرچہ طوفان ہے گلا یہ　　گانے کے حق میں لیکن شیطان ہے گلا یہ

یہی چند شعر ایسے ہیں جن میں فواحشات نہیں ہیں باقی تمام دیوان اسی سے بھرا پڑا ہے ۔

اقبال ۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب پی ۔ ایچ ۔ ڈی ۔ بیرسٹر ایٹ ۔ لاہور کا تخلص ہے ۔ آپ کے حالات غایت شہرت کی وجہ سے محتاج تعریف نہیں ۔ آپ کی شاعرانہ قوت مشق ۔ فکر صائب ۔ تخئیل ۔ جوش وغیرہ کا ملک کا ایک ایک بچہ قائل ہے ۔ اور درحقیقت اردو و فارسی نظموں میں آپ کو یدطولیٰ حاصل ہے ۔ چونکہ آپ نے

اکبر مرحوم کے رنگ ظرافت میں بھی کچھ فرمایا ہے اس لئے بانگ درا سے جو آپ کی نظموں غزلوں وغیرہ کا مجموعہ ہے چند اشعار کا انتخاب کر کے شامل تذکرہ کرتا ہوں۔ اگرچہ آپ کی اصلی شاعری کے مقابل میں اس قسم کے اشعار کم سے کم درجہ بھی نہیں پا سکتے مگر صرف آپکے نام نامی کے لحاظ سے درج کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی شاعری کے لئے ہرگز آپ کا دماغ موزوں نہیں ہے۔ کاش جو کچھ فرمایا ہے یہ نہ فرمایا ہوتا۔ انتخاب ملاحظہ فرمائیے۔

مشرق میں اصول دین بجاتے ہیں — مغرب میں مگر مشین بجاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلے — واں ایک کے تین تین بجاتے ہیں

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں — مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے
وعظ میں فرما دیا کل آپ نے یہ صاف صاف — پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو گئے

بستے ہیں ہند میں جو خریدار ہی فقط — آغا بھی لیکے آتے ہیں اپنے وطن سے ہینگ

تھے وہ بھی دن کہ خدمت استاد کی عوض — دل چاہتا تھا ہدیۂ دل پیش کیجئے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق — کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجئے

اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی — آئیں گے غسال کابل سے کفن جاپان سے

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے — واں کنٹر سب بلوری ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے

ممبری امپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں
ووٹ تو ملجائینگے پیسے بھی دلوائینگے کیا
میرزا غالب خدا بخشے بجا فرما گئے
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے کھائینگے کیا

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں
پرانے جھونپڑوں میں ٹھکانا دستکاروں کا
مگر سرکار نے کیا خوب کونسل ہال بنوایا
کوئی اس شہر میں تکیہ نہ تھا سرمایہ داروں کا

اکبر - یعنی سید اکبر حسین صاحب رضوی الہ آبادی مرحوم - اگرچہ آپ کے کمالات نے آپ کو ہندوستان میں اتنا مشہور کر دیا ہے کہ اب یہ احتیاج باقی نہیں ہے کہ آپ کے حالات لکھے جائیں مگر قاعدہ و ترتیب کی وجہ سے کچھ لکھتا ہوں - آپ ۱۶ - نومبر ۱۸۴۶ء اٹھارہ سو چھیالیس کو بمقام الہ آباد پیدا ہوئے - دیسی مدرسوں اور مکتبوں میں تعلیم پائی ۱۸۶۶ء میں آپ نے ادنیٰ درجہ کا امتحان وکالت پاس کیا اور نائب تحصیلدار ہو گئے - اور ترقی پا کر ۱۸۶۹ء میں ہائیکورٹ میں مسل خواں ہوئے ۱۸۷۲ء میں وکالت کی درجہ اعلیٰ کی سند حاصل کی اور ۱۸۸۰ء تک وکالت کرتے رہے ۱۸۸۰ء میں دوبارہ سرکاری ملازمت اختیار کی اور ترقی کرکے سشن جج کے عہدے تک پہونچ گئے ۱۸۹۸ء میں خان بہادری کا خطاب پایا - آپ کو فارسی اردو اور انگریزی زبانوں پر حسب ضرورت کافی عبور تھا - ابتدائے عمر ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا - اور جناب وحید الہ آبادی کے شاگرد تھے - رنگ قدیم آپ کی شاعری پر غالب تھا - مگر ظرافت کے پہلو ابتدا ہی سے کلام میں نمایاں تھے - بالآخر اسی رنگ نے

اسقدر ترقی کی کہ آپ کے قدیم رنگ طبیعت پر غالب آگیا۔ اور باوجودیکہ آپ رنگ قدیم
کے ایک پختہ مشق شاعر تھے مگر پھر بھی ظرافت پر آپ کے کلام اور کمال کا حصر
ہوگیا۔ اور اگر بہ نظر غور دیکھا جاوے تو آج ایک آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو آپ کی غزلیات
کی حیثیت سے آپکو جانتا ہو بلکہ سب ظرافت کے ہی وجہ سے آپ کے کمال کے گرویدہ اور
دلدادہ ہیں۔ آپ نہایت ہی نیک طینت زندہ دل منکسر المزاج مکمل انسان تھے اسی
وجہ سے آپ کی ظرافت اُن ہزالوں اور فحاشوں سے بالکل الگ ہے جن کے دیوانوں کا
سرمایہ یا اُن کی ہرزہ سرائی اور مزخرفات ہیں یا فحاشی اور خرافات۔ اُن کے علی الرغم
آپ کی ظرافت نہ صرف ظرافت ہے بلکہ پند و نصائح۔ اور قومی مذہبی تمدنی معاشرتی۔
زوال۔ رسوم۔ تاریخ۔ سیاست وغیرہ کا مجلیٰ اور مصفّیٰ آئینہ ہے۔ آپ کی ظرافت سے
دل کو ایک سچی خوشی اور روح کو صحیح فرحت ہوتی ہے۔ اور آدمی اس سے اسقدر فوائد عظیمہ
حاصل کر سکتا ہے جو بڑی بڑی اخلاقی کتابوں سے بھی حاصل نہیں ہوتے۔ حق باتوں کی تلخی
اور پند و نصائح کے زہر کو خوش بیانی اور مزاح نے شہد و شکر کے شربت کی مانند ایسا خوش مزہ
اور گوارا کر دیا ہے کہ اُس سے کبھی سیری نہیں ہوتی۔ ظرافت کے ساتھ اعلیٰ تخیل اور جدت مضامین
طرز ادا اور سلیقۂ بیان۔ چستی بندش۔ نشست الفاظ۔ تلاش معانی۔ ہر جگہ حسب محل و موقع
موجود ہیں۔ جن سے آپ کی شاعری ایک پری کی طرح بن گئی ہے جو فصاحت و بلاغت کے
آسمان میں اُڑ رہی ہے۔ اور ایسی بلند ہے کہ دیکھنے والوں کو ٹوپی یا پگڑی سنبھالکر دیکھنے
کی ضرورت پڑتی ہے۔ آپ کے چند خود ساختہ استعارے۔ اور اصطلاحات ہیں جنھوں نے
سونے میں سہاگے کا کام دیا ہے۔ اور حسن کلام کی جان بن گئی ہے۔ مثلاً نام جمن۔
گھورن۔ کلو۔ بدھو۔ ننھو وغیرہ جو استعاروں یا اصطلاحی یا اشارے کی صورتوں
میں پیش کئے ہیں۔ اسقدر خوش نما نظر آتے ہیں کہ دیکھکر جی پھڑک جاتا ہے۔ جل بھل
ردیفیں اور قافیے اس حسن کے ساتھ لائے گئے ہیں کہ خیال میں نہیں آسکتے حقیقت

یہ ہے کہ اکبر مرحوم کی اس دربار تخیل تک رسائی تھی کہ عام نگاہوں اور معمولی نظروں کے وہاں جاتے ہوئے پر جلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے آپ کے اتباع کا دعوی کیا مگر کوئی ایک بھی کامیاب نہ ہوسکا۔ اور آپ اپنے رنگ میں متفرد اور منفرد رہے۔

آپ کی ظرافت بعض جگہ محض ظرافت ہے اور اس میں مذہبی انحطاط۔ یا مغربی تقلید۔ یا سیاسی شور وغل۔ یا عام پند ونصائح وغیرہ کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ مگر وہ بھی آپ کے کلام کا عنصر غیر فانی ہیں اور اردو ادب کے واسطے سرمایۂ ناز ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے عقیدے اور میری ذاتی رائے کے موافق دو ہی شاعر ایسے ہیں۔ جنھیں ہم فخر کے ساتھ دوسری قوموں کے سامنے لاسکتے ہیں۔ ایک اکبر۔ اور دوسرے مرزا غالب۔ دوسرے لوگوں کے کمال کا اعتراف میں کرسکتا ہوں۔ مگر ان دونوں کے برابر لانے کا کبھی روادار نہیں ہوسکتا۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست ۔۔۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اکبر مرحوم کو آخر میں دنیا سے تنفر ہوگیا تھا۔ اور عیش ومسرت رنج ومصیبت کا فرق وامتیاز ان کی نظر سے اٹھ گیا تھا۔ اسی لئے آخری کلام میں متصوفین کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ اور آپ کی آخر عمر ۱۳۴۰ھ تک یہی رنگ آپ پر غالب رہا۔

اسوقت آپ کے چار دیوان ہیں تین دیوان طبع ہوچکے ہیں ایک ابھی طبع نہیں ہوا پہلے دیوان میں اور دوسرے میں اگرچہ فرق ہے۔ مگر تیسرے اور پہلے میں نمایاں اور بیّن فرق ہوگیا ہے۔ جس کی تفصیل اس ظریفانہ تذکرہ میں بیکار اور بے محل ہے۔ البتہ میں تینوں دیوانوں میں سے ظرافت کا انتخاب علحیدہ علحیدہ کرتا ہوں۔

انتخاب از جلد اوّل

مری تقریر کا اس مس پہ کچھ قابو نہیں چلتا / جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا

لیتے ہوئے بوسہ مجھکو نہ تو تین پانچ کر / میں نے سمجھ لیا ہے حساب اسکا جانچ کر
بوسہ لبوں کا لیتا ہوں میں تجھکو سے بڑا / حلوا بنا رہا ہوں ذرا تیسی آنچ کر

لگ گیا شرع سے شراب کا رنگ / خوب بدلا غرض جناب کا رنگ
چل دیئے شیخ صبح سے پہلے / اڑ چلا تھا ذرا خضاب کا رنگ

سنا ہے دافع بادہ پہ ہو گیا فتویٰ / خدا نے فضل کیا بچ گئے حرام سے ہم

موسم گل میں صبا کو جو ہوئی مارچ کی دھن / لحن بلبل سے بھی پیدا ہوئی کلکات کی دھن

الا یا ایہا الفلک بیا مجور احت بہ ما ولہا / کہ قرآں سہل ہو اول بنے افتاد مشکلہا
مگر تزئین پاسکے خود بیوشاد است و قبولہا / کہ سرسید خبر دارد ز راہ و رسم منزلہا

پردے کا کیا سبب جو ہو ننگا پیدا / خود تم نے کیا ازار اور انگیا پیدا
کیا خوب کہا ہے مولوی مہدی نے / نیچر نے کیا ہے تمکو ننگا پیدا

مس کو دیکھا عاشقِ زلفِ چلیپا ہو گیا　　مست تھا دل بھول کر ہسکی کا پیپا ہو گیا

کہا یہ فخریہ واعظ نے دیکھو سادگی میری　　نہیں شوقِ نمائش کچھ پہنتا ہوں گزی گاڑھا
کہا اکبر نے میں بھی یونہی کر لیتا نمود اپنی　　عطا کرتا خدا مجھکو جو یہ تن توش یہ داڑھا

ایسا شوق نہ کرنا اکبر　　گورے کو نہ بنانا سالا
بھیا رنگ یہی ہے اچھا　　ہم بھی کالے یار بھی کالا

رحیمن پکاری کہ نسیہ ہا پوا　　عجب جانور ہے یہ کاکاتوا
بتاؤ ذرا عقل ہے میری گم　　کدھر چونچ ہے اور کدھر اسکی دم

کرزن وکچنر کی حالت پر جو کل　　وہ صنم تشریح کا طالب ہوا
کہہ دیا میں نے کہ ہے یہ صاف بات　　دیکھو لو تم زن پہ نر غالب ہوا

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا　　حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے　　شاہ اڈورڈ کی دہائی ہے

پری کی زلف میں الجھا نہ شیخ واعظ بس　　دل غریب ہو القمہ امتحانوں کا

پیالیں بیسکر دو روٹیاں تھوڑی لیے بیٹھا ہوا　　ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

سکۂ زر با پوے در دہوتی گرفتار داشت — با وجودش نالہا سے زار در اظہار داشت
گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست — گفت مارا خوف فیس و ٹکیس ایں کار داشت

ہر رنگ کی باتوں کا مرے دل میں ہے جھرمٹ — اجمیر میں کلچا ہوں علیگڈھ میں ہوں بسکٹ

شیخ جی زرق بنے پھرتے تھے پہلے چرخ پر — چشم بد دور اب بنے ہیں آپ پکسرٹ کے لاٹ

سید کی طرف تو چندہ لانے کی ہے دھن — اور شیخ کے گھر میں پیچگانے کی ہے دھن
بہتر ہے یہی کہ بت پرستی کیجئے — گو انھیں بھی صبح کو نہانے کی ہے دھن

تم پہ ہے شبہہ و حقارت کی نظر — پتلون پہ غصہ و شرارت کی نظر
بہتر ہے یہی کہ ننگے پھرئے اکبر — شائد پڑجائے اُن کی رغبت کی نظر

جو سن چکے مری غزلیں تو بولے لا چندہ — جو مانگنا یا ہے اتنا تو تھوڑی لیڈ بھی کر

انھیں شوق عبادت بھی ہے اور گانے کی عادت بھی — نکلتی ہیں دعائیں انکے منھ سے ٹھمریاں ہو کر

آگے انجن کے دین ہے کیا چیز — بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز

فرمائیں مرا قصور حضرت جو معاف — جرا مرے واقعی گزارش کردں صاف
انکار نہیں نماز روزے سے مجھے — لیکن یہ طریق اب ہے فیشن کے خلاف

شیخ صاحب کو نہیں شاعری کی بات سے کام
حسن کی قید نہیں بس ہے مسماۃ سے کام

ماسٹر صاحب کا علم اس وقت گو ہے نیکنام
اہل دانش میں مگر افزوں ہے میرا احترام
بات بالکل صاف ہے پیچیدگی کچھ بھی نہیں
میں ہوں سعدی کا بھتیجا وہ ہیں ملٹن کے غلام

من العلم قلیلاً کو بھی دیکھو بعد اوتیتم
نہ مانو گے تو اک دن بھائیو کھاؤ گے جوتی تم

آپ کی فرقت میں کل میں رات بھر سویا نہیں
لیکن اتنی بات تھی گاتا رہا رویا نہیں

بوسہ کیسا کہ گلوری بھی نہیں پاتا ہوں
بس کلام اپنا انھیں جاکے سنا آتا ہوں
وہ یہ کہتے ہیں کیا خوب کہا ہے واللہ
میں یہ کہتا ہوں کہ آداب بجا لاتا ہوں

خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں
مگر اندھیرے اجالے میں چوکتا بھی نہیں

چاند میں آیا نظر غار مہیب
ہائے اب اے ماہ سیما کیا کروں

چپکوں دنیا سے کس طرح میں
عورت نے کہا کہ گو نہ ہوں میں
قومی چندے کدھر سمائیں
کالج نے کہا کہ تو نہ ہوں میں

یورپ والے جو چاہیں دلوں میں بھر دیں
جس کے سر پر جو چاہیں تہمت دھر دیں
بچتے رہو ان کی تیزیوں سے اکبر
تم کیا ہو خدا کے تین ٹکڑے کر دیں

کوٹھی میں جمع ہے نہ ڈپازٹ ہے بنک میں قلاش کر دیا مجھے دو چار تھینکس میں

حالِ دنیا سے بیخبر ہیں آپ گر تقدس مآب بیشک ہیں
شیخ جی پر یہ قول صادق ہے چاہ زمزم کے آپ مینڈک ہیں
شیخ جی کو جو آگیا غصہ لگے کہنے یہ پھینک کر دھسا
ہے تمہاری تو دوڑ بس اتنی جسطرح ہو بڑی پہ پٹے پہ لیسہ

مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں یاروں نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں کہ جنکو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

اکبر مجھے شک نہیں تیری تیزی میں اور تیرے بیان کی دل آویزی میں
شیطان عربی سے ہند میں ہے بیخوف لاحول کا ترجمہ کر انگریزی میں

گورمنٹ کی خیر یارو مناؤ گلے میں جو اتریں وہ تانیں اڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

شوق لیلائے سول سروس نے مجھ مجنون کو اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو

نیکی کے حق میں کج ادائی نہ کرو اللہ کے ساتھ بیوفائی نہ کرو
نیٹو بھی رہو گے اور مروگے بھی ضرور کہتا ہوں کہ دعوی خدائی نہ کرو

خطا تو ہوئی مجھسے گندم پہ سے — یہ پوتے سے بھی اک خطا ہو گئی
یہ تھی قیمت رزق ٹوٹے جو دانت — غرض کوڑی کوڑی ادا ہو گئی

رہا کرتا ہے مرغِ فہم شاکی — نئی تہذیب کے انڈے ہیں خاکی
چھری ہی سے اُن کی کٹوا کر فلک نے — خدا جانے ہماری ناک کیا کی
ابھی انجن گیا ہے اس طرف سے — کہے دیتی ہے تاریکی ہوا کی

ہوئی جب آمدِ پیری ہوا میں سر کی پیشانی — ترشروئی کی چٹنی جوڑ ہے کھچڑی ہو جب داڑھی
سوال اب یہ عبث ہے جب کہ پتلونوں کی ارزانی — چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

کچہریوں میں ہے پرسش گریجویٹوں کی — سڑک پہ مانگ ہے قلیوں کی اور بیٹوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علم دین و تقویٰ کی — خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

لذتِ نانِ جویں تجھکو مبارک اے شیخ — مجھ گنہگار کو ہے صرف مٹن کافی
حضرتِ خضر ٹکٹ مجھکو دلا دیں اکبر — رہنمائی کے لئے ہے مجھے انجن کافی

شیخ صاحب دیکھکر اُس مِس کو ساکت ہو گئے — ماسٹر صاحب بہت کم دور تھے چت ہو گئے

سکھاتے ہیں تقلید انگلش جو آپ — کہیں مفلسوں کو نہ پٹ کیجیے
بہت شوق انگریز بننے کا ہو — تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجیے

کامیابی کا شدیشی پر ہر اک در بستہ ہے — پچ پچ طوطا رام نے کھولی مگر پر بستہ ہے

زاہد ایسے بیخبر ہیں ابروے خمدار سے — جسطرح بابو کو ہے بیگانگت تلوار سے

سینۂ مس کا ابھار ایدل فساد انگیز ہے — لوگ سچ کہتے ہیں باد نجان باد انگیز ہے

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھسے کہدیا — آپ بی۔ اے پاس ہیں تو بندہ بی بی پاس ہے

ممکن نہیں اے مس ترا نوٹس نہ لیا جائے — گال ایسے پریزاد ہوں اور کس نہ لیا جائے

ہر اک ریمارک آپکا عقرب کا نیش ہے — مجھکو بھی۔ سچ غیر کا بھی سینہ ریش ہے

مجھسے کہا کہ گوزشتر ہے ترا سخن — اس سے یہ کہدیا کہ تو گوبر گنیش ہے

کہتے ہیں حرج کیا ہے جو باریک ہے وہ پل — بائیسکل پہ گزرینگے ہم پل صراط سے

ہے نور خدا بھی طالب رزق کا دست — داڑھی بھی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے

کچھ شک نہیں کہ حضرت واعظ ہیں خوب شخص — یہ اور بات ہے کہ ذرا بے وقوف ہیں

اردو کے تین ربع کے مالک ہنود ہیں — پھر کیا سبب جو اس سے انھیں انحراف ہیں

یعنی اردو ہے چیز انھیں کے مذاق کی — اردو کے تین جز دہی صاف صاف ہیں

شیخ سے چھوٹے اب الجھے انجن میں — اسمیں یک بک تھی اس میں بھک بھک ہے

شاہدان مغربی کرتے نہیں مجھکو قبول — ٹالدیتے ہیں یہ کہکر آپکا لالوگ ہے

چہرے کے نیچے تھر ہے داڑھی کا جھول جھال — اس فرد کو بچائیے تفصیل ذیل سے

جب کہا گیسو کا بوسہ دیجئے دل لیجئے — ہنسکے بولے آپکو سودا ہے مسہل لیجئے

ہم سے شب وصال وہ بے میل ہوگئے — افسوس انٹرنس میں ہم فیل ہوگئے

واسطہ کم ہوگیا اسلام کے قانون سے — دب گئی آخر مسلمانی مری پتلون سے

اب کہاں تک تنگدستیں صرف ایمان کیجیے — تا کجا عشق بتان ست بیان کیجیے

ہو سکی بہتر علیگڈھ جاکے سید سے کہیں — ہم سے چندہ لیجیے ہمکو مسلماں کیجیے

ہمارے ملک میں ہوتا ہے کیا تعلیم نسواں سے — بجز اس کے کہ بابا اور بھی گھبرائیں ماں سے

ان کو کیا کام ہے مروت سے — اپنے رخ سے یہ منہ نہ موڑینگے

جان شاید فرشتے چھوڑ بھی دیں — ڈاکٹر فیس کو نہ چھوڑیں گے

اس اکھاڑے میں اڑنگے دیکھکر قانون کے — شیخ نے تہمد سے ہجرت کی طرف پتلون کے

راہ تو مجھکو بتادی خضر نے — اونٹ کا لیکن کرایہ کون دے

اب تھیٹر میں ہنسینگے جاکے خوب — خانقاہوں میں تو برسوں رو لئے

ہوتا ہے نفخ یورپین نان پاؤ سے — میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے

ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوے — لیکن خرید ہو جو علیگڈھ کے بھاؤ سے

دھمکا کے بوسہ لوں گا رخ رشک ماہ کا — چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباؤ سے

چھٹی اُس مس کی ہے کہ یہ جادو ہے — دل جوش مفاخرت سے بے قابو ہے

ایسی پری اور مجھکو پیارا لکھے — القاب میں دیکھئے ڈیر کلو ہے

اس غرض سے کہ سینہ پوش ہو — شیخ کی ریش روز بڑھتی ہے

مستو تپہ شراب فاقہ مستی لائی — پتلون کو کر دیا لنگوٹی اس نے

پردہ در کی راے سنکر بیبیاں کہنے لگیں — اب ہمارے وارث ایسے ہی نگوڑے رہ گئے

جو وقت ختنہ میں چیخا تو نائی نے کہا ہنسکر — مسلمانی میں طاقت خون ہی بہنے سے آتی ہے

عاشقی کا ہو برا اسنے بگاڑے سارے کام — ہم تو اے بی میں رہے اغیار بی اے ہو گئے

پردہ کا مخالف جو سنا بول اٹھیں بیگم — اللہ کی مار اسپہ علیگڈھ کے حوالے

کھائی مژگان ونظر کی جو قسم بولا وہ شوخ — آپ اب قسمیں بھی کھاتے ہیں چھری کانٹے سے

قصۂ منصور سنکر بول اٹھی وہ شوخ مس — کیسا احمق لوگ تھا پاگل کو پھانسی دیدیا

کسن مسوں سے آپ کسی شب نہ چوک گئے — جیسی گھڑی ہیں یہ انھیں ہر روز کو گئے

نکالا شیخ کو مجلس سے اس بنے یہ کہکر — یہ بے وقوف ہے مرنے کا ذکر کرتا ہے

ہم تو کالج کی طرف جاتے ہیں اے مولوی — کس کو سونپیں تمہیں اللہ نگہبان ہے

انتخاب از کلیات دوم

ہم نے کہا جو اس سے جھنجھلا کے چل بے ظالم | حیرت میں آکے بولا کیا آپ جی رہے ہیں
پریوں کے عاشقوں کو سودا ہوا اُسوں کا | جو پھاڑتے تھے جامہ اب کوٹ سی رہے ہیں

میرے لئے شراب یہاں بھی ہے کیا حرام | اس شہر میں تو کوئی مجھے جانتا نہیں

حور مس کو مے گلگوں کو پری کہتے ہیں | شیخ خوش ہوں کہ خفا ہم تو کھری کہتے ہیں

اللہ کا حال کچھ نہ پوچھو | دیکھا نہیں نام رکھ لیا ہے

حسرت بہت ترقی دختر کی تھی انھیں | پردہ جو اٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئی

چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ | کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

شاعرانہ داد اچھی دی یہ مجھکو چرخ نے | تیغ ابرو کا تھا عاشق خان بہادر کر دیا

شایق تحقیق کے یہ مضمون سن لیں | انسان کی شکل جیسے میموں بنا
پاجامہ بھی یونہی ارتقا سے بدلا | سمٹا ابھرا غرضکہ پتلون بنا

حکم انگلش کا ملک ہندو کا | اب خدا ہی ہے بھائی صلح کا

پہلے ہم لوگ یہ سمجھتے تھے | ہر چہ از باپ میرسد نیکوست
ہو گئی اب خیال کی اصلاح | ہر چہ از آپ میرسد نیکوست

بہ دین نیچری بستم امید | ترقی را چو آمادہ برآمد
مارا فلک نشاند بہ پہلوے آں صنم | مدہوش لذتیم و ندانم دگر چہ کرد
اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز پانیر | گرزن چہ گفت و مل چہ شنید و ملر چہ کرد

رفتہ زنیاں زادن آں شوخ | بوزنہ ماند و آدمی گم شد

ہیٹ را نہ بسر بجائے دستار اے عزیز | مرد تا مسٹر تو اند شد چرا قبلہ شود

فقط بسکٹ ہی کھاتا ہوں بلا جانے　　نئی ملت کا ہوں میں زاہد خشک

ختنہ قائم ہے مگر وہ مذہبی تعلیم گم　　مہر ابراہیم باقی دین ابراہیم گم

حسرت عشاق بازار جہاں میں کچھ نہ پوچھ　　از مہیا زر ندار دوس کی کثرت سیم گم

وہ مناتے ہیں کبھی بتاتے ہیں　　کہتے ہیں مان جاؤ سیتا رام

میری گردن پہ ہیں شیطان کے احسان بہت　　ترک لاحول پہ مجبور ہوا جاتا ہوں

شیخ تثلیث کی تردید تو کرتے نہیں کچھ　　گھر میں بیٹھے ہوئے والتین پڑھا کرتے ہیں

جنگل کے جو تھے سائیں وہ ریل کے ہیں پائیں　　املی کی جگہ سگنل قمری کی جگہ انجن

اسلام کی رونق کا کیا حال کہیں تم سے　　کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جمن

پڑھے گنگناتے تھے لالہ نہ بھجن　　نہ آنکھوں میں انجن نہ دانتوں میں منجن

چھٹے ہم سے بالکل وہ اگلے طریقے　　کہاں کھینچ لیجائے گا ہمکو انجن

شیخ پر گو کہ رشک آتا ہے　　اونٹ کے سولفات جانتے ہیں

ہیں مگر اونٹ پر ہمیں قابض　　کام کی ہم یہ بات جانتے ہیں

ہماری محفلیں اب بھی لطیف اجزا سے مملو ہیں　　بزاخفش تھے قبل ایکے اب اسپنسر کے ٹٹو ہیں

نہ لیسنس ہتھیار کا ہے نہ زور　　کہ ٹرکی کے دشمن سے ہم جا کر لڑیں

تہ دل سے ہم کو سنتے ہیں مگر　　کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں

شیخ صاحب کے تملق کی نہ قلعی کھل جائے　　لاٹ صاحب کا کہیں حشر میں اظہار نہو

کریا یہ بخشا ہے بہ حال بندہ　X　کہ ہستم اسیر کمیٹی و چندہ

عمر گزری ہے اسی بزم کی طراری میں　X　دوسری پشت ہے چندہ کی طلبگاری میں

زبان اکبر کی اس طرز سخن پر ناز کرتی ہے　　بجھن کی دھن میں تردید بیت طناز کرتی ہے

تدبیر حفظ جان بقیہ ضرور ہے　　اسوقت مومنوں کو تقیہ ضرور ہے

بنیاد ڈالتے ہیں وہ حکمت کے باغ کی　　و مہکی ہے ہو رہی ہے صفائی دماغ کی

اذانوں سے سوا بیدار کن انجن کی سیٹی ہے — اسی سے شیخ بیچارے نے چھاتی اپنی پیٹی ہے

گل پھینکے ہیں یورپ کی طرف بلکہ ثمر بھی — اے پنجۂ سائنس بھلا کچھ تو ادھر بھی

رات افسوس سے کہتے تھے یہ بنسی بھائی — ہم سے ناحق ہیں الگ کانفرنسی بھائی

وہ تو گرجا پہ رکا اور یہ گیا کعبہ کو پھاند — شیخ کا ٹٹو تو انجن سے بھی بڑھکر تیز ہے

دنیا آخر کو تم سے لپٹی — ہم ہی گئے تم غرض کہ ڈپٹی

کرتے کیا ان سے کیبنٹ خالی — کر آئے ہم اپنی ٹینٹ خالی

مکہ تک ریل کا سامان ہوا چاہتا ہے — ابتو انجن بھی مسلمان ہوا چاہتا ہے

کچھ الہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے — یہاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

وہ مس بولی میں کرتی آپ کا ذکر اپنے فادر سے — مگر آپ اللہ اللہ کرتا ہے پاگل کا ماڈل سا ہے

کاش کر لے مجھے وہ شاہد ہوٹل منظور — کیک تو روز ہے اک رات تبخن بھی سہی

اکبر دبے نہیں کسی سلطاں کی فوج سے — لیکن شہید ہو گئے بیگم کی نوج سے

ان سے بی بی نے فقط اسکول ہی کی بات کی — یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی

یہی ہے عقدہ کشائی قوم تو اک دن — ازار بند کو کھو دیں گے جس بیجا سے ہے

سدا سرحد پہ حجت ہے رفل کی اور کاٹھی کی — چلی جاتی ہے گستاخی لفنٹ خان کی لاٹھی کی

اب کہاں دست جنوں تار گریباں کہاں — با خبر اور دست مجنوں اور خبر ہے تار کی

لے لیا شیریں نے کمسریٹ میں ٹھیکہ دودھ کا — ریل بنوانے لگے فرہاد اب کہسار کی

ڈنر سے تم کو کم فرصت یہاں فاقے سے کم خالی — چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

بتاؤں آپ سے مرنے کے بعد کیا ہوگا — پلاؤ کھائینگے احباب فاتحہ ہوگا

رشتۂ در گردنم افگندہ بیسٹ — می برد ہر جا کہ میز است و پلیٹ

ہوا آج خارج جو میرا سوال — کہا میں نے صاحب سے با ملال

کہاں جاؤں اب میں ذرا یہ بتاؤ — وہ جھنجھلا کے بولے جہنم میں جاؤ

یہ سنکر بہت طبع غمگیں ہوئی　　مگر اس تصور سے تسکیں ہوئی
کہ جب اہلِ یورپ میں بھی ذکر ہے　　تو بیشک جہنم بھی ہے کوئی شے

نہیں مناسب کہ ہو یہ عوا کبھی حریف مونیر صاحب　　بجا ہو فرما رہے ہیں جو کچھ جناب عبد العزیز صاحب

درکار چندہ سیم و زر از جیب دور رفت　　مالِ حضور بود و بہ پیشِ حضور رفت

شیخ اپنی رگ کو کیا کریں ریشے کو کیا کریں　　مذہب کے جھگڑے چھوڑیں تو پیشہ کو کیا کریں
فرہاد سے کہا کہ مناسب ہے تجھکو صبر　　کہنے لگا بتائیے تیشے کو کیا کریں

رہیں ہر پھر کے آپا بی نصیبن　　وہ گو اسکول میں برسوں پڑھا کیں

زمانِ حال میں اگلے فسانے امرِ ماضی ہیں　　جو تلواریں چلاتے تھے وہ اب [illegible] کر یہ راضی ہیں
شراب اڑتی ہے مجلس میں رواں ہے خون تقویٰ کا　　مزا ہے اب تو رندِ دل کو نہ مفتی ہیں نہ قاضی ہیں

نامِ اللہ و رسول اب تو میں کم سنتا ہوں　　پہلے رائج تھے یہ الفاظ مسلمانوں میں
یاد کرتا ہے گزشتہ با اثر لاحول کو　　شیخ کو طعنے دیا کرتا ہے شیطان اندنوں

بت سے مراسلت ہے تو عنواں سادہ چھوڑ　　ناخوش کہیں نہ ہوں وہ ہوالمستعان پر

مجال کیا کوئی کہدے خوشامدی مجھکو　　اسی سبب سے بہت سہل ہے جناب کی مدح

لاکھ روئے کہ رہے جاتے ہیں اللہ و رسول　　دیر کا کورس پڑھنے نے مگر کم نہ کیا

انتخاب کلیات سوم

اطبا کو تو اپنی فیس لینا اور دوا دینا　　خدا کا کام ہے لطف و کرم کرنا شفا دینا
خدا کے فضل سے بی بی میاں دونوں مہذب ہیں　　حجاب اسکو نہیں آتا انھیں غصہ نہیں آتا
غریب اکبر نے بحث پردے کی کی بہت کچھ مگر ہوا کیا　　نقاب الٹ ہی دی اسنے کہکر کہ [illegible] مرا ہو کیا
کام اس ملک میں ہو سلف گورنمنٹ سے کیا　　زہر کیا ہضم کرے کوئی پیپرمنٹ سے کیا

مال گاڑی پہ بھروسا ہے جنھیں اے اکبر — اُن کو کیا غم ہے گناہوں کی گرانباری کا

بھائیو تم کبھی ہندی کے مخالف نہ ہو — بعد مرنے کے کھلیگا کہ یہ تھی کام کی بات

بسکہ تھا نامۂ اعمال مرا ہندی میں — کوئی پڑھ ہی نہ سکا مل گئی فی الفور نجات

بظاہر تھا براق راہ عرفاں — چو دُم بر داشتم لیڈر بر آمد

کونسل میں بڑھا رہے ہیں طاقت اپنی — عاقل ہیں مگر ہی بھوانی پرشاد

شیخ کہتے ہیں کہ پیروں کی پرستش بھی ہے فرض — ماسٹر کہتے ہیں اللہ کی بھی یاد نہ کر

مولوی ہو ہی چکے تھے نذر کالج اس سے قبل — خانقاہیں رہ گئی تھیں اب ہے انکا انہدام

بند تھا پے میں تھے وہ بنگلہ پر — صبح کے وقت ہنس پڑی وہ میم

جب وہ بولے بجائے کوکڑوں کوں — مرغ شاخ درخت لاہوتیم

بوڑھوں کے ساتھ لوگ کہاں تک وفا کریں — لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھی کیا کریں

گو بہت اونچی ہے پرواز حریف — شیخ بھی کچھ کم نہیں ہیں جمپ میں

ان کا طوطی بولتا ہے عرش پر — انکی مرغی بولتی ہے کیمپ میں

تعلیم دختراں سے یہ امید ہے ضرور — ناچے دلہن خوشی سے خود اپنی برات میں

لبے برگڈ میں مغرب کی رفاقت اسکو کہتے ہیں — ہوئے مدفون تکیہ میں اصالت اسکو کہتے ہیں

بوڑھے کو رقص پر کس بات کی ہیں داد دو لی — ہاں یہ جائز ہے مداری کو مبارکباد دو لی

چرخ نے پیشکیشن کہہ دیا اظہار میں — قوم کالج میں اور اسکی زندگی اخبار میں

پاپ کو کوئی کھلا نہیں گھر میں لگی ہے آگ — اب بجھا گتا ضرور ہوا غور کیا کریں

کہتے ہی بے وقار ہوں مرزا کو غم نہیں — کافی ہے یہ شرف کہ وفاتی سے کم نہیں

اولاد مرزا ہر طرف بدنام ہیں — ینگ بدھو وارث اسلام ہیں

مفتی شرع نہ ہوں لیڈر اسلام تو ہیں — بوسہ مسجد نہ سہی کیمپ کے گلفام تو ہیں

اس شرط پر ہے فلک سے صلح آخر ہوگئی — قبریں مہیا وہ کرے تزئین انکی ہم کریں

کسی کو بحث نہیں آج پاپ اور پن میں — سیاسیات کے نغمے ہیں دیس کی دھن میں

میری نصیحتوں کو سنکر وہ شوخ بولا — نیٹو کی کیا سند ہے صاحب کہیں تو مانوں

مہربانی سے مجھے گودام کی کنجی تو دی — لیکن اب گیہوں نہیں باقی فقط گھن کیا کروں

خوب اکبر نے یہ اڑائی تان — دین ہے آنکھ اور مذہب کان

جیسا موسم ہو مطابق اسکے میں دیوانہ ہوں — مارچ میں بلبل ہوں تو جولائی میں پروانہ ہوں

ہمارے دم سے تابندہ بتوں کے پائے جھنڈے ہیں — ہمیں نے ان کو چمکایا ہمیں دوزخ کے کندے ہیں

یہ کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ پڑے رہو — کہتا ہے اب یہ چرخ کہ کھاؤ پڑے رہو

قاصد ملا جب ان سے وہ کھیلتے تھے پولو — خط رکھ لیا یہ کہکر اچھا سلام بولو

قاعدوں میں حسن معنی گم کرو — شعر میں کہتا ہوں ہجے تم کرو

خوب لڑوایا بہم دل کھول کر — مار ڈالا راولین نے قوم کو

سرفرازی ہو اونٹوں کی تو گردن کاٹئے انکی — اگر بندر کی بن آئے تو فیض ارتقا کہئے

جب کہا میں نے کہ پیار آتا ہے مجھکو آپ پر — ہنسکے کہنے لگے اور آپ کو آتا کیا ہے

عام الزام ہے اکبر پہ کہ پیتا ہے کیوں — اسکی پرسش نہیں ہوتی کہ یہ کھاتا کیا ہے

وہ دل کو مثل کلیسا بنا کے چھوڑیں گے — اس اونٹ کو خر عیسیٰ بنا کے چھوڑیں گے

کریں گے شوق سے مسلم تمدن میں مے داخل — شراب کو بھی ہریسا بنا کے چھوڑیں گے

توپ کھسکی پروفیسر پہنچے — جب بسولا ہٹا تو رندا ہے

کمیٹی میں چندا دیا کیجئے — ترقی کے ہجے کیا کیجئے

اب نہ جنگی علم نہ جھنڈا ہے — صرف تعویذ اور گنڈا ہے

کیا ہے باقی جناب قبلہ میں — کچھ حدیثیں ہیں ایک ڈنڈا ہے

تاکید عبادت پہ یہ اب کہتے ہیں لڑکے — پیری میں بھی اکبر کی ظرافت نہیں جاتی

دریا میں تو صاحب ہم گن بوٹ میں ہارے — میدان الکشن میں گئے ووٹ میں ہارے

تہذیب وہم مجبور ہے طمع کی گھسیٹ سے — حضرت بھی کام لینے لگے مار پیٹ سے

جب غم ہوا چڑھا لیں دو بوتلیں اکٹھی — ملا کی دوڑ مسجد اکبر کی دوڑ بھٹی

مسجد کے نغمے کہاں ان بھٹریوں کے سامنے — دلیس کو جیسے بھلا یا یہ دیسی کھاج ہے

جو پوچھا دل سے اس جینے کا کیا مقصود ہے اکبر — شکم بولا کہ اسکی بحث کیا خادم تو حاضر ہے

حضرت اکبر سے کہہ دو قافلہ تیار ہے — اک رزولیوشن کا ٹٹو آپ بھی کس لیجئے

عقل نے اچھی کہی کل لالہ مجلس راے سے — جھک کے چلنا چاہئے ہم سب کو ڈالر سے

سیٹھ جی کو فکر تھی ایک ایک کے دس دس کیجئے — موت آ پہنچی کہ حضرت جان واپس کیجئے

قوم ضعیف تنگ ہے چندوں کی مانگ سے — کالج کے چیونٹے لپٹے ہیں ٹڈی کی ٹانگ سے

ٹیٹو کی گذر ہے دال ہی پر — کالا اسطرح دال میں ہے

آمنو میں تو سب کے آگے ہیں — عملوا الصالحات مشکل ہے

اسٹیشن فنا کی بھی کیا خوب ریل ہے — اس راہ میں ہر ایک پسنجر کا میل ہے

کیا پوچھتے ہو دل کو مرے کیا مقام ہے — قدرت کے کارخانے میں غم کا گودام ہے

ہو دسمبر میں مبارک یہ چپل کو و آپکو — خون مجھ میں بھی ہے لیکن مجھکو بھایا گرجا ہے

اک ڈنر میں کھا گیا اتنا کہ تن سے نکلی جان — خدمت قومی میں بارے جاں نثاری ہو گئی

نجد میں بھی مغربی تعلیم جاری ہو گئی — لیلیٰ و مجنوں میں آخر فوجداری ہو گئی

یہ مصرع قافیے ہی کے لیے ہے خوب اے اکبر — جو آ جڑا الکھنؤ کچھ غم نہیں پیرس تو باقی ہے

نہ سہی لطف ختم گھی ہی سہی — شیخ صاحب سنت جی ہی سہی

زندگی کو ضرور ہے اک شغل — خیر بالفعل لیڈری ہی سہی

ان کو بسکٹ کے لیے سوجی کی تھیلی مل گئی — کیمپ میں غل مچ گیا مجنوں کو لیلیٰ مل گئی

تھے معزز شخص لیکن انکی لائف کیا کہوں — گفتنی درج گزٹ باقی ہے سب ناگفتنی

شکم سے حضرت انساں نجات پا نہ سکے — اب اپنے پیٹ سے ہیں پیٹیاں لپیٹے ہیں

موج ہے دل میں مرے قافیہ پیمائی کی
جا کے گنگا پہ کہا کرتا ہوں جے مائی کی

آنکھیں ساقی کی نہیں رسیلی
اب تک میں بچا تھا آج پی لی

شوہر افسردہ پڑے ہیں اور مرید آوارہ ہیں
بیبیاں اسکول میں ہیں شیخ جی دربار میں

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر
خاتونِ خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں

ذی علم متقی ہوں جو ہوں اُن کے منتظم
استاد اچھے ہوں مگر استاد جی نہ ہوں

آدم چھٹے بہشت سے گیہوں کے واسطے
مسجد سے ہم نکل گئے گیہوں کی چاٹ میں

دوائے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم
قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

منزلِ گور تک پہونچنا ہے
خواہ موٹر ہو خواہ چھکڑا ہو

مرزا غریب چپ ہیں اُنکی کتاب ردی
بدھو اکڑ رہے ہیں صاحب نے یہ کہا ہے

جناب ہی کو مناسب ہے یہ سول لائن
نیاز مند کو تو شہر ہی میں راحت ہے

مرغی نے کہا خوب کسی کیمپ میں لٹ کے
انڈا وہی اچھا ہے کہ بچہ جسے کٹکے

کیوں اپنے سر پہ زحمت بیہودہ لیجیے
کونسل کے بدلے گھر ہی اکھیل کو دیجیے

ہر چند کہ ہے مس کا لونڈر بھی بہت خوب
بیگم کا مگر عطر حنا اور ہی کچھ ہے

قیمت کو شرم سے بڑھکر دیتے ہیں ٹھرے کے دام
بے حسی کا میکدہ ہے غفلتوں کا دور ہے

بھرتے ہیں میری آہ کو فونوگراف میں
کہتے ہیں فیس لیجیے اور آہ کیجیے

شیخ کے دامن کو اکبر نے دیا بوسہ جو کل
ہمنے برکت کیلئے اس مس کا سایہ چھو لیا

قوم پہ ممبری کا فیر ہوا
کل جو اپنا تھا آج غیر ہوا

شیخ جی مر گئے کیمپ ہی میں
غل مچا تھا خاتمہ بخیر ہوا

اک پیر نے تہذیب سے لڑکے کو ابھارا
اک پیر نے تعلیم سے لڑکی کو سنوارا

پتلون میں وہ تن گیا یہ سایہ میں پھیلی
پاجامہ غرض یہ ہے کہ دونوں نے اتارا

پہراوہ بنا کیمپ میں یہ ننگیں آیا
بی بی نہ رہیں جب تو میاں بن ہی سدھارا

پیٹ مصروف ہے کلرکی میں — دل ہے ایران اور ٹرکی میں

ہوگیا ہے الہلال آماجگاہ تیر غرب — اس نئے دور فلک کی چاندماری دیکھئے

کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو — جب توپ مقابل ہو تو اخبار نکالو

ضبطی پرچہ توحید ہوئی خیر یہ ہے — قل ہو اللہ احد ضبط نہیں خیر یہ ہے

صاف کہتا ہوں رہیں خوش یا ہوں ناخوش مولوی — آسماں اب چاہتا ہے مولوی کش مولوی

حج کو کیونکر جائیں کارخانگی کو چھوڑ کر — اتنی کثرت ہو جو چوہوں کی تو بلی کیا کرے

شیخ جی کے دو تو بیٹے باہنر پیدا ہوئے — ایک ہیں خفیہ پولیس میں ایک پھانسی پا گئے

ڈائری میں ہوگیا تھا اختلاف اندراج — ڈر گئے خفیہ پولس سے کل کراماً کاتبین

داڑھی خدا کا نور ہے بیشک مگر جناب — فیشن کے انتظام صفائی کو کیا کروں

نہ کٹ لٹ ہے نہ یاں کانٹا چھری ہے — مگر گھی ہے تو کھچڑی کیا بری ہے

دھن دیس کی تھی جس میں گاتا تھا اکبر تاتی — بسکٹ سے ہو ملا کر پوری ہو چپاتی

شان نماز اکبر شاہانہ ہو چلی ہے — مسجد الگ بنائیں اپنی میاں بقاتی

بابو ہیں نگل گئے اس عہد میں توقیر — رہنا پڑا ہے شیخوں کو مچھلی کے پیٹ میں

حقیقی اور مجازی شاعری میں فرق یہ پایا — کہ وہ جامہ سے باہر ہے یہ پاجامہ سے باہر ہے

لیڈر کو دیکھتا ہوں تصوف پہ معترض — کالج کے کیڑے پڑ گئے دلق فقیر میں

تعلیم اسکی اچھی جو گھر میں اپنے خوش ہو — مذہب اسی کا بہتر جس کو پولس نہ پکڑے

طاعون کی بدولت ان کو بھی ارتقا ہے — جو مارتے تھے مکھی اب مارتے ہیں چوہے

فرما گئے ہیں یہ خوب بھائی گھورن — دنیا روٹی ہے اور مذہب چورن

سایہ مدت ہوا غبارہ بنا — پاپنچوں میں بھی اب بھری ہے ہوا

مغربی تعلیم ہو اور ہوم رول بات ہو — لطف موسم سے یہی مینڈک کا ہو اور برسات ہو

حرج کیا روپیہ جو کا غذ کا چلا — شکر کر روٹی تو گیہوں کی رہی

نبوت کا زمانہ اور تھا ابو جہل تھے — وہاں سینے میں قرآن تھا یہاں سینے میں بسکٹ

الانسان ضاحک صرف یہ تخلص معلوم ہے یا یہ کہ ایک وقت میں یہ مرحوم اودھ پنچ کے نامہ نگار رہتے - باقی حالات وغیرہ بالکل معلوم نہیں - صرف تھوڑا سا کلام ملا ہے جو نقل کیا جاتا ہے [illegible]ء میں جب کسی یوروپین حاکم اعلیٰ نے ہندوستانیوں پر جھوٹ کا الزام لگایا جس سے متاثر ہو کر اکبر مرحوم نے یہ رباعی کہی تھی -

بیڈھب ہے جھوٹ سچ کی چھیڑی بحث ہند میں — پچ گئے ہیں جو جھوٹ ہوں کہتے تو روسیاہ
کیسے ہی ہم ہوں آپ تو ہیں ہمارے حکمراں — چھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

اسی زمانہ میں جناب الانسان ضاحک نے یہ نظم کہی -

جھوٹا ہمیں بتاتے ہیں سالانہ بزم میں — کیونکر کہیں کہ جھوٹ کا الزام جھوٹ ہے
وہ صبح کو بتائیں اگر شام راست ہے — اور ہم بتائیں شام کو گر شام جھوٹ ہے
وہ کہہ رہے ہیں ہند میں تکلیف کچھ نہیں — ہم کہہ رہے ہیں ہند میں آرام جھوٹ ہے
آتی تھی سوتے سوتے نظر شکل چند کی — پوچھا جو میں نے نام کہا نام جھوٹ ہے
انعام پاتے ہیں جو ہمارے گریجوئیٹ — انعام اسے نہ سمجھو یہ انعام جھوٹ ہے
مفلس ہوں گرچہ صدمۂ آلام میں اسیر — افسوس جھوٹ صدمۂ آلام جھوٹ ہے
تصویر میں ہے ان کے اگر آم رس بھرا — یاں شاخ میں لگا بھی ہو گر آم جھوٹ ہے

. . . .

بندہ خدا وہاں ہے یہاں بندہ خدا — دنیا میں راست ہے اسلام جھوٹ ہے
ناول ذرا سے سچ ہیں کہ پڑھیا ہیں — شیخ جی کے قصۂ گلفام جھوٹ ہے
کہتے ہیں وہ جو آپ کو استاد عین صدق — کہتے ہیں ہم جو آپ کو بادام جھوٹ ہے

. . . .

گردش کا اپنی گردش ایام ہے سبب | گو وہ کہیں کہ گردش ایام جھوٹ ہے
ادبار جبکہ آگیا سب عیب آ گئے | آغاز جھوٹ نیز سر انجام جھوٹ ہے

اسی طرح جس وقت فصیح الملک نواب مرزا داغ کا انتقال ہوا تو الانسان صاحب کی منچلی شوخ طبیعت نہ رہ سکی اور جناب نے یہ قطعہ ارشاد فرمایا۔

یادش بخیر آپ کے اجل نے مٹا دیا | گویا کہ داغ صفحۂ ہستی پہ داغ تھے
تھے باعث نشاط کبھی مورث صداع | بلبل تھے ناچ گھر کے کلب گھر میں زاغ تھے
گھر آئے تھے ولایتی جیکر کی سمت سے | مخمور حسن کیفیت جام باغ تھے
مجلس میں ان کی پوشش نہ رہ سکی شرابیں | سینہ میں کہہ موتیا کی فقط کچھ ایاغ تھے
شایستہ لیڈیوں کا تعلق تھا دل نشاں | یاں تھے تو لولیوں کے پیچھے تھے سراغ تھے
باتوں میں چہچہے تھے طبیعت میں شوخیاں | روشن خیال تھے نہ وہ عالی دماغ تھے
کہنے کو کیا کہیں تھے وہ نئی روشنی کے لیمپ | وہ تو الہ دین کے طلسمی چراغ تھے

الست۔ غالباً ایک فرضی تخلص ہے۔ تھیٹر کے رنگ کی ایک نظم جس میں موجودہ زمانہ کے بعض جنٹلمینوں اور لیڈروں کو ظرافت کی شیرینی سے شربت بنا کر نصیحت کا زہر پلایا گیا ہے۔

تم صاحب لکچر مالک | تم شہر کے لیڈر مالک
تم اعلیٰ افسر مالک | تم مولوی مسٹر مالک
تم خان بہادر مالک
تم ہوش ہشندر مالک | تم پیارے بندر مالک
تم تیز مچھندر مالک | تم لال قلندر مالک

تم خان بہادر مالک

تم دوڑ کے بنگلے جاؤ — تم ڈنر ٹفن سب کھاؤ
تم کلب میں ناچو گاؤ — تم شیخی سے اتراؤ

تم خان بہادر مالک

تم صورت اپنی دیکھو — تم سیرت اپنی دیکھو
تم شہرت اپنی دیکھو — تم نخوت اپنی دیکھو

تم خان بہادر مالک

تم سید زادے کیسے — ہو شاید ایسے ویسے
صاحب کے کھیلے کھیلے — ہو مدہوش ہی پیسے

تم خان بہادر مالک

اب خان بنے مرزائی — ہیں جیسے خلیفہ نائی
کیا اچھی ناک کٹائی — کچھ بھی شرم اور لاج نہ آئی

تم خان بہادر مالک

تم شان مشیخت والے — تم کبر و رعونت والے
پھٹکار اور لعنت والے — صہبائے جنوں کے متوالے

تم خان بہادر مالک

تم کھاؤ مرغی انڈا — تم مارو سب کو ڈنڈا
تم گاڑو پٹھانی جھنڈا — تم پا یحقو انگلش کنڈا

تم خان بہادر مالک

تم گھوڑا ٹم ٹم رکھو — تم گوری میڈم رکھو
تم نیزہ بلّم رکھو — تم نوکر پیادم رکھو

تم خان بہادر مالک

الست شرابی آیا تم بھاگو ڈنڈا لایا
تم ہپ ہپ ہرّا گایا یہ نغمہ خوب سمایا

تم خان بہادر مالک

امید۔ تخلص ہے میرے دوست ابو الکمال سید محمد علی صاحب کا۔ جنکا اصلی دولت خانہ امیٹھی ضلع سلطان پور تھا۔ مگر ایک عرصے سے لکھنؤ محلہ حسین گنج میں قیام ہے۔ آپ فارسی اور اردو دونوں زبان میں شعر کہتے ہیں نہ صرف شعر گو کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ اب ایک مسلم الثبوت استاد کامل ہیں۔ آپکے علمی و ادبی کارناموں سے ملک کا گوشہ گوشہ واقف ہے۔ آپکو سلسلۂ ظرفا میں شامل کرنا آپ کے لئے دون مرتبت سے کم نہیں ہے۔ مگر چونکہ اودھ پنچ سابق کے آپ ایک قابل اور مشہور و معروف نامہ نگار تھے اور مدتوں تک آپ کے علمی ادبی تنقیدی مضامین اور اسی کے ساتھ آپ کی ظریفانہ نظمیں بھی شایع ہوتی رہیں بلکہ آخر میں آپ نے اودھ پنچ کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں بھی کام کیا۔ اور نہایت ہی فاضلانہ اور قابلانہ طریقہ سے اسکی خدمات انجام دیں۔ اس لئے تذکرہ نویسی کا گناہ ہوگا اگر ہم آپ کا ذکر نہ کریں۔ آپکا سن شریف کم از کم اسوقت پچپن سال کا ہوگا۔ مگر زندہ دلی اور ظرافت کی ایک مجسم تصویر ہیں۔ وضعدار نیک دل ہونے کے علاوہ علمی شغف بیاں تک رکھتے ہیں کہ ہر معمولی سے معمولی لفظ کو بھی بغیر تحقیق و تدقیق کے استعمال نہیں کرتے۔ مجھ سے دس بارہ برس سے ملاقات ہے مگر آپ کی پاس وضع میں کبھی فرق نہیں آیا کہ برابر تیسرے چوتھے روز تشریف آوری سے مجھے شکریہ کا موقع دیتے ہیں۔ اگرچہ آپ کا کلام ظریفانہ بہت کچھ ہے مگر سر دست جو کچھ مل سکا وہ حاضر کیا جاتا ہے۔

ایک نظم معروف بہ خیالات عمیق جنوری ۱۹۱۵ء میں آپ نے لکھی تھی جس
ہر شعر ظرافت کی نہر کا ایک موج رواں معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے بطریق تحفۂ سال [illegible]
اودھ پنچ کو پیش کی تھی۔

مشفق من کیجئے کیا عرض حال　　شامت اعمال کا سنئے مآل

زن مریدی کا برا ہو کیا کہوں　　جان سے جورو کے ہاتھوں تنگ ہوا

زندگی اپنی ہوئی مجھکو وبال　　ہے کسی کا شعر میرے حسب حال

حکم جورو بھی ہے از حکم خداست　　انچہ جورو بفرماید رواست

سنت شارع سمجھ کے بے صلاح　　اک عفیفہ سے کیا میں نے نکاح

وہ نکاح سنت خیر الوریٰ　　میرے حق میں خوف ذلت ہوگیا

حال من از دست بانو ابتر است　　در گلویم سنت پیغمبر است

بے اجازت جورو صاحب کے کہیں　　میں کہیں آتا نہیں جاتا نہیں

کیا کہوں شامت جو آئی ایکبار　　خود سری سر پہ ہوئی میرے سوار

جلدی جلدی نوش کرکے میں ٹفن　　کوٹ اور پتلون کرکے زیب تن

رکھ کے ترکش کیپ سر پر ایک نئی　　فیشن ایبل ہاتھ میں لیکر چھڑی

جورو صاحب سے نہ کچھ پوچھا کچھا　　گھر میں سے سیٹی بجاتا چل دیا

کی مٹر گشتی بہت بے فائدہ　　جیسے جنٹلمینوں کا ہے قاعدہ

صبح سے القصہ پھرتا میں رہا　　در بدر کی خاک میں چھانا کیا

اب خیال آیا کہ کیا ہوگی علاج　　بیگم صاحب ہیں نہایت بد مزاج

وہ جو پوچھیں گی کہ تھے اب تک کہاں　　کیا کروں گا سامنے ان کے بیاں

کچھ [illegible] تھا نہیں کچھ بن پڑا　　عذر بدتر از گناہ ہو جائے گا

میں جو کچھ بگڑا تو شامت آئیگی　　وہ جو بگڑینگی قیامت آئے گی

سوچتا تھا یا الٰہی کیا کروں
جان تھی جیسے دردوں بیچ پڑوں

دیکھتا ہوں سامنے اتنے میں کیا
اک شخص دیو آتا ہے چلا

کچھ عجب اک ڈھو کا ڈھو تھا وہ بشر
ڈر گیا میں اسکی صورت دیکھکر

جب مرے نزدیک بالکل آگیا
میں نے حسب وضع اس سے یوں کہا

دل تھم آیا ہو کہاں سے کون ہے
پوچھ کیا ارادا ہے جس سے ڈون ہے

وہ لگا کہنے یکین اے خواجہ گوش
من زکابل ہستم انگورہ فروش

سن کے ان کی بات کو میں خوش ہوا
اور دل ہی دل میں اپنے یوں کہا

عذر معقول آگیا ہے خوب ہاتھ
ان کو لے چلئے مکاں پر اپنے ساتھ

لیکے ہمرہ ان کو قصہ مختصر
ہو گئے خوش خوش تا در نکہت اثر

چپکے چپکے گھر کے اندر میں گھسا
سامنا چوہے کو بلی کا ہوا

گو ذرا میں بگڑے تیور دیکھکر
دفع دخل اسطرح کر ڈالا مگر

بیوی صاحب یہ نہ سمجھو ڈینگ ہے
دال کی لذت جو ہے وہ ہینگ ہے

دل جو دال ماش کو چاہا مرا
جستجو میں ہینگ کی دن بھر پھرا

اتفاقاً ایک آشنا کابلی
مل گئے آتے ہوئے مجھکو ابھی

ساتھ ساتھ اپنے انھیں لایا ہوں میں
ان کو ڈیوڑھی میں بٹھا آیا ہوں میں

کہکے اتنا گھر میں با خوف وہراس
الغرض آیا میں پھر آغا کے پاس

چونکہ ہے سودا ترقی کا مجھے
ہینگ وینگ ان سے نہ تھی لینا مجھے

بیٹھکر کہنے لگا میں ان سے یوں
بیچتے پھرتے ہو تم یہ ہینگ کیوں

ہینگ کیا اور ہینگ کا بکنا ہی کیا
پدری کیا اور پدری کا کیا شوربا

رہ کے دنیا میں ترقی کیجئے
حرفت وصنعت میں حصہ لیجئے

چھانتے پھرتے ہو کیوں گلیوں کی خاک
کیوں ہوئے جاتے ہو آفت میں ہلاک

کرکے ہمت کسب کوئی سیکھ لو — نفع ہوتے تاکہ اوروں کو بھی ہو
آجکل جاپان ہے حرفت کی کان — جسنے کاٹے اہل یورپ کے بھی کان
سیکھئے جاکر وہاں کوئی ہنر — زندگی بھر چین سے کیجئے بسر
سنکے یہ باتیں وہ کاہل کا گدھا — یک بیک جھنجھلا کے یوں کہنے لگا
کے خرمی انگوزہ را وہینگ را — خر چہ داند شاخ را و سینگ را
ہینگ باشد دافع درد شکم — ہینگ باشد نافع ہضم امم
ہینگ باشد جملہ علت را دوا — ہینگ باشد نوش و نیش جانفزا
ہینگ خواہد ہر کہ او بینا بود — قدر دانش بو علی سینا بود
ماش را روح روانے چیست ہینگ — قالبش را تازہ جانے چیست ہینگ
بگزر از جاپان واز جاپانیاں — قید صد ایجاد و از ذوز انیاں
جاہل اند آنہ دال ماش و انگزہ — کہ ندانند ایں غذائے خوش مزہ

غزل

آجکل ہے کچھ سنیچر پاؤں میں — مفت کا رہتا ہے چکر پاؤں میں
سیکڑوں خار مغیلاں ٹوٹ کر — رہ گئے ہیں مثل نشتر پاؤں میں
رشتۂ تہذیب کو تو آج کل — باندھے پھرتے ہیں مچھندر پاؤں میں
بدگمانی تو ہے جب باندھے پھریں — چور دل کا اپنے ہو ہر پاؤں میں
عشق میں اک آسمان رفتار کے — آگیا ہے سر کا چکر پاؤں میں
ہجر میں ان کے ستم ہیں اور یہ — کاٹتے ہیں شب کو پتھر پاؤں میں

بابو صاحب وطن کا پاس اچھا ہے — بنات اچھا ہے ماشلی کا ماش اچھا ہے

مطلب نہ زین سے نہ لیٹے سے غرض — گاڑھا دہوتر ہی لباس اچھا ہے

ہم دور اندیش لاکھ سمجھاتے گئے — آپ ایسے گئو کہ اپنی ہی گاتے گئے

کچھ لاج رہی نہ پت رہی اور نہ ساے — جب مانڈلے لالہ لاجپت لے گئے

واعظ پیر مغاں تو کنجوس نہیں — لیکن تجھسا بھی کو منحوس نہیں

لٹیا ہی ڈبوئی پینکے میکش دیکھا — بادہ ہے تو شراب معکوس نہیں

رات اپنا جس مقام پر قضا پر تھا گزر — تذکرہ کچھ مختصر ہمکو وہاں کے یاد ہیں

یعنی یہ دیکھا ہے کہ اک بوستان بے خزاں — قید غم سے جس جگہ سرو چمن آزاد ہیں

ناگہاں وہ شوخ آکر مجھے یہ کہنے لگا — آپ کسکو پوچھتے ہیں کسلئے ناشاد ہیں

انتظام مملکت کہتے ہیں مجھکو تھا جو عام — پوچھئے اُن سے کہ یہ لالہ بڑے استاد ہیں

پھر بقول مومن اس کافر نے لالہ سے کہا — آپ کہتے پھرتے ہیں ہم مورد بیداد ہیں

اور سوا اسکے سنی ہے آپ کی اسپیچ بھی — ہم کہیں ظالم کہیں قاتل کہیں جلاد ہیں

جی میں آتا ہے کہ اک دن ذبح کر ڈالوں تجھے — کیوں قضا آئی ہے تیری کیونکے ہم جلاد ہیں

کل مجھسے بکڈپو کے منیجر نے یوں کہا — کچھ ملک و قوم کی بھی مدارات چاہیئے

دلچسپ ناولوں کی ضرورت ہے ملک کو — کثافات چاہیئے نہ اشارات چاہیئے

اک جی حضور خان بہادر کا ہے یہ قول — صاحب کے اردلی سے ملاقات چاہیئے

غالب کی پوچھیئے تو مقولہ ہے انکا یہ — اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

مجھسے جو پوچھیئے مے و معشوق کے سوا — امید سب سے ترک ملاقات چاہیئے

انشا - سید انشاء اللہ خاں نام تھا - حکیم میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے دلی کے رہنے والے تھے - گو جائے ولادت مرشد آباد تھی - ان کے والد خود بھی پختہ مشق شاعر تھے - انشا جب سیانے ہوئے تو ان کی تعلیم و تربیت اس زمانہ کے شرفا کی طرح کی گئی - اور عربی فارسی وغیرہ میں نہایت زبردست استعداد پیدا کرائی گئی -

انشا کی شاعرانہ طبیعت چند روز میں اپنے اصلی رنگ پر آ گئی مشق شعر و سخن شروع کی ابتدا میں اپنے والد بزرگوار کو اپنا کلام دکھایا - انشا کی شاعری کا سرسبز پودا مرشد آباد ہی میں پھلا پھولا - مگر چونکہ اس زمانہ میں ہندوستان میں ہر طرف تباہی کا طوفان اٹھا ہوا تھا اسی لئے ان کو بھی مرشد آباد چھوڑ کر دلی آنا پڑا - مگر آج کل دلی کا دربار ایک خانقاہ درویشانہ تھا نہ وہ شاہانہ عظمت اور جبروت باقی تھا نہ وہ اقتدار تھا دلی کو بڈھا تاجدار شاہ عالم بادشاہ عماد الملک وزیر کے ہاتھوں شاہ شطرنج بنا ہوا تھا - بے بسی اور بے کسی کی زندگی بسر ہو رہی تھی - مگر تاہم ابھی وہ غریب نوازی اور بندہ پروری کی روایات قدیمہ زندہ تھیں - یہی سبب تھا کہ ہر ذی کمال اہل ہنر کی پہلی تمنا یہی ہوتی تھی کہ وہ دربار شاہی میں داخل ہو - اسی بنا پر انشا کو بھی داخلہ کا شوق چرایا - چونکہ اہل کمال بھی تھے اور ساتھ ان کی لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کی چار طرف دھوم تھی اسی لئے آسانی کے ساتھ دربار میں داخل ہو گئے مگر وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں - دربار نام کا دربار ہے باقی اللہ کا نام ہے - پھر بھی سنگ آمد و سخت آمد کا معاملہ تھا ؎ زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز کی مشہور ضرب المثل پر عمل کرکے چار و ناچار چند روز نباہی - اور اپنی خوش بیانیوں اور خوش مذاقیوں - گل افشانیوں سے اس وادی خزاں رسیدہ کو گل و گلزار بنائے رکھا مگر کب تک آخر گھبرا گئے جی اکتا گیا - اور لکھنؤ کی طرف رخ کیا - لکھنؤ اس وقت آج کا لکھنؤ نہ تھا - گوشہ گوشہ قدر دانوں سے آباد تھا - ذرہ ذرہ میں فیض رسانی مہمان نوازی کی صلائے

موجود تھی - جیسے ہی یہ لکھنؤ پہونچے مرزا سلیمان شکوہ کے دربار میں ان کو جگہ مل گئی - مرزا سلیمان شکوہ شاہ عالم بادشاہ کے بیٹے تھے - انھوں نے کچھ انشا کے علم وفضل اور رنگین مزاجی کی قدر کی - کچھ اپنے باپ کے درباری ہونے کا لحاظ کیا - غرض کسی نہ کسی صورت سے یہ ان کے شاگرد ہو گئے - انشا کو تمام تر تو نہیں مگر کچھ نہ کچھ اطمینان ہو گیا اور غربت کے آنسو پونچھ گئے - چند روز انھیں کے یہاں رہتے سہتے رہے مگر آخر الامر علامہ تفضل حسین خاں کے توسل سے نواب سعادت علیخاں کے دربار میں پہونچے - اور اسقدر مقرب بارگاہ ہوے کہ نواب کو ان کے بغیر کسی وقت چین ہی نہ آتا تھا - انشا کی رنگین مزاجی نے کچھ نہ کچھ نواب کو بھی رنگین کر دیا تھا - مگر فطرتاً نواب نہایت ہی سادہ مزاج - خاموش - متین - اور سنجیدہ تھے اب یہ عالم تھا کہ خلوت اور جلوت میں دم بھر کے واسطے بھی سید انشا جدا نہ ہوتے تھے - ایک غیر مطبوعہ کتاب جو مشہور بھی نہیں ہے لطائف السعادت کے نام سے مجھے ملی تھی - یہ انشا کی تصنیف تھی اور اسمیں نواب کے حکم سے انشا نے وہ دلچسپ لطائف اور باتیں جمع کی ہیں جو نواب میں اور ان میں خاص خاص مجلسوں میں ہوا کرتی تھیں یہ کتاب مدتوں میرے کتبخانہ میں رہی اب سید جالب صاحب ایڈیٹر ہمدم کے یہاں ہے - اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ نواب سے اور ان سے اتنی بے تکلفی تھی کہ اس سے زیادہ محال تھی - مگر ہم لکھ چکے ہیں کہ نواب کے مزاج میں یہ رنگینی جو انشا کی صحبت سے پیدا ہوگئی تھی - وہ فی الاصل متین تھے اور انشا ضرورت سے زیادہ بہت شوخ مزاج - رند لاابالی چنانچہ اسی افراط و تفریط کی بدولت یہ نوبت پہونچی کہ نواب کو کچھ رنجش پیدا ہوئی اور اسی کی پاداش میں ان کو ۱۲۲۵ھ میں دربار سے الگ ہونا پڑا - نواب نے اسکے بعد ان کو یہ بھی حکم دیا کہ ہمارے دربار کے سوا اور کہیں نہ جایا کرو - اسکے بعد یہ ستم کیا کہ تنخواہ بھی بند کر دی - ایک آفت یہ آئی کہ تعال اللہ خاں جوان بیٹا مر گیا - اور انشا کی اسی غم میں بہت ہی زار و نزار حالت ہو گئی -

آزاد نے اسی واقعہ کو اپنی رنگین بیانی سے آبحیات میں اتنا چمکایا ہے کہ پڑھنے والے کی آنسو نکل آتے ہیں ۔ لکھا ہے کہ مجنون ہوئے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرے ۔ مگر دراصل یہ واقعہ بالکل غلط ہے ۔ آزاد لکھتے ہیں کہ میاں رنگین بیان کرتے ہیں کہ میں سوداگری کے لئے گھوڑے لیکر لکھنؤ گیا اور سرا میں اترا ۔ شام ہوئی تو معلوم ہوا کہ قریب ہی کوئی مشاعرہ ہوتا ہے ۔ کھانا کھا کر میں بھی جلسہ میں پہونچا ابھی دو تین سو آدمی آئے تھے لوگ بیٹھے باتیں کرتے تھے ۔ حقے پی رہے تھے ۔ میں بھی بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص میلی کچیلی روئی دار مرزئی پہنے سر پہ ایک میلا سا پھینٹا ۔ گھٹنا پاؤں میں ۔ پیکوں کا توبڑا ڈالے ایک کگڑ کا حقہ ہاتھ میں لئے آیا اور سلام علیکم کہکر بیٹھ گیا ۔ کسی کسی نے اس سے مزاج پرسی بھی کی ۔ اسنے اپنے توبڑے میں ہاتھ ڈالکر تنباکو نکالا اور اپنی چلم پر سلفہ جما کر کہا کہ بھئی ذرا سی آگ ہو تو اسپر رکھ دینا ۔ اسیوقت آوازیں بلند ہوئیں ۔ اور گڑگڑی سٹک پیچوان سے لوگ تواضع کرنے لگے ۔ وہ بے دماغ ہو کر بولا کہ صاحب ہمیں ہمارے حال پر رہنے دو ۔ نہیں تو ہم جاتے ہیں ۔ سب نے اسکی بات مانی ۔ دم بھر کے بعد پھر بولا کہ کیوں صاحب ابھی مشاعرہ شروع نہیں ہوا ۔ لوگوں نے کہا کہ جناب یہ لوگ جمع ہوتے جاتے ہیں ۔ سب صاحب آ جائیں تو شروع ہو ۔ وہ بولا کہ صاحب ہم تو اپنی غزل پڑھ دیتے ہیں یہ کہکر توبڑے میں سے ایک کاغذ نکالا ۔ اور غزل پڑھنی شروع کر دی "غزل یہ تھی" کمر باندھے ہوئے چلنے کو یہاں سب یار بیٹھے ہیں ۔

مولوی عبدالحی صاحب مرحوم اپنے تذکرہ گل رعنا میں لکھتے ہیں ۔ کہ یہ غزل انشا کی اس زمانے کی تصنیف نہیں ہے جو اُن کے جنون اور بیچارگی کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے ۔ میں نے اس غزل کے چند اشعار تذکرہ مصحفی میں پڑھے ہیں ۔ جو اس زمانہ میں لکھا گیا ہے جسوقت انشا لکھنؤ پہونچے بھی نہ تھے ۔ مصحفی نے تذکرہ میں وہاں تک کا حال لکھا ہے کہ وہ مرشد آباد سے دلی میں آچکے ہیں ۔ اور مرزا عظیم وغیرہ شعرائے دہلی سے معرکے پیش تھے

خود میں نے ایک غیر مطبوعہ نسخہ انیس الاحبا، مصنفہ موہن لال انیس میں دیکھا ہی کہ وہ آخر وقت تک مشاعروں وغیرہ میں شریک ہوتے تھے - اور جنون وغیرہ کا اس میں کہیں ذکر نہیں - یہ تذکرہ انشا کی حیات میں لکھا گیا یا اُن کی وفات کے دو چار برس بعد مصنف تذکرہ اُن کے دوستوں میں تھے - افسوس کہ اسوقت وہ تذکرہ میرے پاس نہیں ہے ورنہ مفصل لکھتا - بہرصورت اسمیں کلام نہیں کہ انشا کی زندگی کا آخری زمانہ تکلیف میں گزرا - اور انھیں مصیبتوں میں ۱۲۳۳ھ میں وہ ہمیشہ کے لیے دنیا سے رخصت ہو گئے

انشا کی تصانیف بہت سی ہیں جنمیں سے دریائے لطافت سب سے زیادہ مشہور و معروف ہے - دیوان بھی کئی ہیں جو ایک کلیات میں شامل ہیں - کئی سے میری یہ مراد ہے کہ ایک فارسی - ایک بے نقط - ایک اُردو کا دیوان ہے - مثنویاں قصیدے رباعیاں بہت سی ہیں - ان کی شاعری کی نسبت یہاں کوئی رائے دینا بے ضرورت ہے - البتہ ظرافت کے متعلق یہ کہنا ضروری ہے کہ وہ خلقتاً نہایت ظریف - ہشاش بشاش واقع ہوئے تھے - اکثر تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ درباری شاعر - یا نوابی دربار کی مصاحبت کیوجہ سے انھیں ظرافت کی ضرورت پڑتی تھی - مگر میں اس کے خلاف ہوں حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ درباری مصاحب اور شاعر کبھی نہ ہوتے تب بھی ویسے ہی ظریف ہوتے - اب بھی دیوان کو دیکھیے تو ضرورت اور بے ضرورت - جا اور بیجا سب جگہ ان کے تمسخر اور مزاح کی شان موجود ہے تذکرہ گلشن بے خار کا وہ جملہ جو آزاد کے سینہ پر کٹار کا کام دیتا ہے - اگر میرے خیال سے ہے تو صرف اسی لئے ہے کہ شیفتہ مرحوم کو یہ لکھنا تھا کہ بجز ظرافت ہیچ صنعت را بطریقہ راستہ شعرا نگفتہ - حقیقت یہ ہے کہ انشا ظرافت ہی کے لئے پیدا ہوے تھے اور اگر وہ صرف ظرافت ہی کہتے تب بھی اُن کا علم و فضل اتنا ہی مسلم ہوتا جتنا آج ہے -

ان کی ظرافت کے اقسام گنانا ایک قسم کی دانستہ غلطی کرنا ہے - جو شخص بات بات میں ظرافت کے دریا بہاتا ہے - کوئی کہاں تک اسکا اندازہ کر سکتا ہے - پھر بھی ایک اُنکی

اُن کے ظریفانہ انداز کا سب سے بڑا نمونہ سمجھئے - بعدازاں اڑواڑی وغیرہ کا نمبر آتا ہے۔ بہرصورت ہم اُن کی ہر قسم کی ظریفانہ شوخیوں میں سے کچھ نمونے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں، مگر قبل اس کے کہ نظم کا حصہ شروع کریں - اُن کے کچھ لطائف لکھے دیتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ جو کچھ کہتے تھے ازراہ تکلف و تصنع نہ تھا بلکہ ان کی فطرت یہی تھی - ان کا وجود اُن کی ہستی محض ہنسنے ہنسانے کے لیئے پیدا ہوئی تھی - لطف یہ ہے کہ جس رنگ میں کوئی شعر کہتے ہیں - یا جس قسم کی ظرافت سے کام لیتے ہیں اسمیں کسر باقی نہیں رکھتے - کیا مجال کہ کہیں اعتراض کیسا نظر بھر کر دیکھنے کی بھی گنجائش نکل آسکے کوئی غلطی سرزد ہو معاذاللہ - بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر بھر انھوں نے اسی رنگ میں مشق کی ہے - اور یہی رنگ عمر بھر رہا ہے - وہ انتہا کے شوخ حاضر جواب تھے - چنانچہ چند لطیفے درج کرتا ہوں -

ایکدن نواب کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے - اور گرمی کیوجہ سے صافا - یا پگڑی علیحدہ رکھدی سر گھٹا ہوا تھا نواب کے دل میں جو ترنگ اٹھی - ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے ایک ٹیپ دی - آپنے جلدی ٹوپی سر پر رکھکر کہا - بزرگوں کی نصیحت پر عمل نہ کرنا بڑی بری بات ہے - نواب نے کہا کیا - انھوں نے جواب دیا کہ سنا تھا ننگے سر کھانا کھانے سے شیطان دھولیں لگاتا ہے -

ایک مرتبہ نواب نے دفتر والوں کو حکم دیا کہ بھئی سب خوشخط لکھو اور جو کوئی غلطی کرے گا فی غلطی ایک روپیہ جرمانہ کیا جائے گا - اتفاق کی بات ایک بڑے قابل مولوی صاحب نے فرد حساب میں اجناس کا سین بھولکر اجنا لکھدیا - نواب صاحب نے کہیں دیکھ لیا - مولوی صاحب نے اسکے معنی بتانا شروع کئے اور تاویلوں کے انبار لگا دیئے نواب نے انشا کو اشارہ کر دیا - انشا نے یہ رباعیاں نظم کر کے پڑھیں - اور غریب مولوی کو دیوانہ کر دیا -

اجناس کی فرد پر یہ اجنا کیسا   یہاں اہر لغات کا گر جنا کیسا

گو ہوں اجنا کے معنے جو جیز آگے　　لیکن یہ نئی اپج اچپنا کیسا

ترخیم کے قاعدے سے سجنا لکھئے　　اور لفظ خرد خبا کو تجنا لکھئے
گر ہمکو اجی نہ لکھنے ہوئے لکھنا　　تو کرکے رخم اس کو اخبا لکھئے

اجناس کے بدلے لکھئے اجنا کیا خوب　　قاموس کے رعد کا گرجنا کیا خوب
از روے لغت نئی اپج نے لی ہے　　اس تان کے پیچ کا اچنبا کیا خوب

اجناس کے موقعن پہ اجنا آیا　　سلماے علوم کا یہ سجنا آیا
اجنا چیزے ست کال بردیدہ زنہیا　　یہ تخم لغت کا لو اچیتا آیا

نواب نے کہیں روزہ رکھا تھا اور یہ حکم دیدیا تھا کہ کوئی نہ آسے - پہرہ لگوادیا تھا مگر انشا کو کوئی ضروری کام تھا - آخر عورتوں کا لباس بدل ناک پر انگلی رکھ نواب کے سامنے جا کھڑے ہوئے - نواب نے چونکہ حکم دے رکھا تھا کہ کوئی نہ آسے - اب یہ پوچھئے ذرا چوری پر بل آسے - انھوں نے فوراً یہ شعر پڑھا -

میں تو کبھی تھی نہ رکھا ای مرے پیارے روزہ　　بندی رکھو لیگی ترے بدلے ہزاری روزہ

ایک مرتبہ لب دریا چلے جا رہے تھے ایک حویلی نظر آئی جسپر یہ تاریخ لکھی تھی ع

حویلی علی نقی خاں بہادر کی

کسی نے کہا کہ انشا دیکھو کیا تاریخ کہی ہے ذرا اسے رباعی تو کردو تو انھوں سے فی البدیہہ کہا -

نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی　　نہ سم کی نہ تال کی نہ سُر کی

یہ تاریخ کہی ہے کسی زٹل کی — جو بنی علی نقی خاں بہادر کی

فائق جو ان کے معاصر تھے انھوں نے انشا کی ہجو کہی انشا نے صلہ میں پانچ روپیہ دیئے اور کہا۔

فائق بے حیا چو ہجوم گفت — دل من سوخت سوختہ بہ

صلہ اش پنج روپیہ دادم — دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

انھیں فائق نے جنکا بیان ہو چکا ایک مرتبہ بید کو بہ تشدید لکھا۔ انشا کو ایک سامانِ تمسخر مل گیا ایک قطعہ لکھ مارا۔

چہ خوش گفت فائق شاعر غرّا — کہ چون ذہن او ذہن رسا نباشد

یکے شعر نادر کہ در چند روزن — شود خواندہ و شک بجنے نباشد

دران لفظ بید را بہ دال مشدد — نوشت است و این غلط اصلا نباشد

شنید این سخن راچو گرد سخن — ز انشا کہ ہمسرش اصلا نباشد

بگفتا کہ من شاعر خوش فکرم — چو من ہیچ مقبل گویا نباشد

تو گلستاں را ندانی درست — ترا ہیچ شعور و ذکا نباشد

سند یاد از استاد است ما را — بہ کلام ما ہیچ خطا نباشد

چو تشدید در شعر فخر درست افتد — تشدید صحیح چسرا نباشد

گیان چند ساہوکار کی ماتہ واڑی میں ایسی ہجو لکھی ہے کہ تلوار تیغ تیز معلوم ہوتی ہے - جس سے اسکی عزت تک کا خون بہا دیا گیا ہے - بھڑوں کھٹملوں وغیرہ کی ہجو دنیا میں پوری پوری مثنویاں نظم کر دیں - مصحفی سے الجھے تو ایسے ہی الجھے وہ دو ادکھیاں کہیں کہ توبہ ہی توبہ ہے جیسے شیخ مصحفی کے ذکر میں لکھیں گے - انشا کے لئے کوئی بھی فرد ثمر نہ تھا کہ وہ جیب ہزل - یا ظرافت یا ہجو کا ارادہ کرتے تبھی ایسے شعر کہتے نہیں غزل کہتے اسوقت بھی یہی عالم تھا - قصیدہ لکھتے تو بھی یہی رنگ غالب رہتا وہ چار شعر

چشم بد دور شیخ جی صاحب کیا ازار آپ کی اٹنگی ہے

خیال کیجیے کہ کیا آج کام میں نے کیا سبب اُن نے دی مجھے گالی سلام میں نے کیا

دیوار پھاندنے میں دیکھوگے کام میرا جب دھم سے آکہونگا صاحب سلام میرا

ہیں روز حسن سے وہ بناتِ گھمنڈ پر نامِ خدا نگاہ پڑے کیوں نہ ٹُنڈ پر
تعویذ لال ہی کے تیرے گھمنڈ پر اک نیلا ڈورا باندھئے اس گورے ڈُنڈ پر
یارب سدا سہاگ کی مہندی رچا کرے پنچے بچے کبھیں رہے آفت ا رنڈ پر
دو تین دن تو ہو چکے اب پھر چلو دہیں فیروز شاہ کی لاٹ کے اس چپچے کُنڈ پر
وہ پہلوان سادہ لب جوئیہ ڈنڈ پیل بولا کہ کوئی عشق تو ہو ایسے مسنڈ پر
انشا بدل کے قافیے رکھو چھیر چھاڑ کے چڑھ بیٹھ ایک اور بھبیرے اکنڈ پر

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں راجہ کے کنڈ پر شنکر مہنت گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر
راجہ جی ایک جوگی کے چیلے پہ عشق ہیں آپ عاشق ہوئے ہیں واہ عجب لنڈ منڈ پر

جو چاہے تو مجھے ہنسوڑے کی خیر تو یوں دیکھ اس گھوٹے جوڑے کی خیر
کہا دے نشے کے مرے رخش کو میاں ساقی اس سلفے گوڑے کی خیر
ہنسایا جو میں نے تو بولے نہیں نظر آئی کچھ اس نگوڑے کی خیر
لگا بیٹھ انشا کو ٹھوکر تو ایک ارے اپنے سونٹے کی تورٹے کی خیر

غرضکہ اسی طرح بات بات میں ظرافت اور ہنسوڑپن کرتے تھے - ریختی ان کا کوئی

خاص رنگ نہ تھا بلکہ اپنے دوست میاں رنگین دہلوی کے اتباع میں تفنن طبع کے طریق پر یہ بھی لکھ ڈالی۔ اور لکھی تو ایسی اور اتنی لکھی کہ آج پورا ایک دیوان موجود ہے۔ ان کی ریختی میں خصوصیت سے یہ بات دیکھنے کے قابل ہے کہ جان صاحب کی طرح تصنع اور آورد سے سراسر پاک ہے۔ خاص دلی کی بیگمات کا روزمرہ ہے۔ اکثر اشعار ایسے ذو معنی ہیں جو ریختی اور ہزالی دونوں رنگوں کا نمونہ ہیں جنہیں دیکھنے والے خود سمجھ سکیں گے۔

میں کیا کہوں دوگانا اس کل کے دوڑنے سے — جو حال ہوگیا ہے اس پاؤں کی تلی کا
مجھ سے نہ آڑ زناخی تورات کو کہیں تھی — چھپتا ہے رنگ کوئی ایسی ملی دلی کا
ہاتھوں سے تیرے میں تو کمبخت عاجز آئی — جو کام ہے بگڑا تیرا سو ہلسلی کا
انشا سوائے اپنے اللہ کے جہاں میں — ہے کون کھونے والا اس دل کی بیکلی کا

بات جو کہنی نہ تھی سو وہ دوا نے کہی — منہ دکھاوے نہ خدا آپ کے نادان کا
تیری تو انشا کبھی بات نہ باور کرے — جامہ میں گر آ گرا دے تو قرآں کا

اللہ کرے سلامت جم جم رہے یہ بیڑا — ہے جس کے دم قدم سے دنیا کا سب کھیڑا
کیوں گیلی انگلیوں سے تو مجھ کو ہے لپیٹتی — ہے ہے تری نگھری کیا مانگتی ہے پیڑا
بندی کی دشمنی میں ناحق جو ہوں لگی — لگ جائے آنکے منہ پر اِن غیب کا تھپیڑا
باجی سے اپنی ہنس کر کل وہ پری یہ بولی — کیوں لگتہ میرے انشا اللہ خاں کا کھیڑا

کروں بکھار کیا اپنی دوگانہ کی رکھائی کا — دماغ آکر انھیں میں تھنس رہا ساری خدائی کا
نیا یہ موہلا سینہ لگا ہے اُوہ میں میری — ہوا دریاں کا لڑکا ملیدہ و مچھلے بھائی کا
وہی جانے کہ کیونکر یا بات جیت اس کا پچ تجیج — دوا کا آسرا ہے یاں بھروسہ ہے نہ نائی کا

ہمسایہ میں کو خجل ہوئی کل رات کو انشا
گھس اُسکے دوتانہ میں گیا چور نگوڑا

تو قیامت ہے مسری ہے حد جبرا تیرا گلا
خوش نہیں آتا ہمیں بی فاختہ تیرا گلا

کیوں پڑا تھلکے نہ دل میرے کلیجے میں بھلا
ہے تمھارا روپ ایسا جیسے سوتے میں ٹڈ لا

دل میں اک انشا کے چٹکی لی پرے کو ہٹ گئیں
واچھڑی معقول یہ کیا تھا بھلا صاحب بھلا

آگ لینے کو جو آئیں تو کہیں لاگ لگا
بی بی ہمسائی نے دی جیبیں مرے آگ لگا

نہ برا مانے تو لوں تیج کوئی مٹھی بھر
بیگما تیری کیاری میں تیا ساگ لگا

شوق سے سونگھو لے انشا مرے یہ بالوں کی
دے تیل خور کے ہونٹوں میں تو آگ لگا

کمبخت ہے وہ کام جو لگانا بہت برا
صدقہ گئی کتی ہے یہ زمانا بہت برا

دلسوز ہے وہ امری پر اُس کا ہر گھڑی
لگتا ہے انگلیوں کا نچانا بہت برا

تو تو آتی نہیں حیا بیگی مرے عیبوں سے
اری میں عیب بھری ہوں تو بھلا تجھکو کیا

نئی ڈھاکوں کی سی کھیتی کیطرح سے انشا
ڈہڈہی اور ہری ہوں تو بھلا تجھکو کیا

مشک کی طرح سے گال اپنے پھلاتا کیوں ہے
ارے او سقے کے لونڈے تو نہ پانی چھلکا

کاپ رہی ہے جو یہ کھچڑی سی تھوڑی جس سے
اسکی ابتک نہ گلی دال نہ چاول کسکا

ہاتھ آیا سو ہتھیلی سے ہتیلی ملتا
چولھے اور بھاڑ میں جاوے یہ نگوڑا چسکا

میں ترے صدقے گئی اے مری پیاری مت چیخ — مت جگا نیند بھرے لوگوں کو واری مت چیخ
لگتی ہے چوٹ تو لگنے دے مسوسا در زری — ایک دم کے لئے خاطر سے ہماری مت چیخ
چیخ چنگھاڑ مچاتی ہوئی انشا سے نہ مل — بڑو اب منتیں کرکے تری ہاری مت چیخ

جاڑا لگے ہے کھینچ لے مجھکو لحاف میں — پاجامہ کج ہے برف پڑا اولا ازاربند
تقصیر کیا ہوئی تھی کہ انشا پہ رات کو — وہ گچھے دار آپ نے تو لا ازاربند
کیا بھر گیا ہے آج کہ جسکے سبب ترا — ہے سخت جیسے لکڑی کا چھیلا ازاربند
انشا کو اور اپنی نشانی نہ دیجئے — دیجئے تو اپنا میلا کچیلا ازاربند

ہے تو سہی اچھا یہ نکیلا ازاربند — لیکن کسی کا توچ ہو ڈھیلا ازاربند

اے دگانا مجھسے کشتی کھیلنے کا ہے گھمنڈ — تو کیا کر آج سے تو بھی بیس اک کیں ڈنڈ
جو پری مہندی لگا دے اسکے باندھے ہاتھ پاؤں — لوٹتی کیا کیا مزے ہے یہ موئی ششتل ارنڈ

جو تجھے لوکے سو الٹی کرے — ہو تنے سوتے کو اپنے کھا دے پچھاڑ
ٹوٹ جاوے کہیں یہ تیری چول — ارے او لے سرے نگوڑے کواڑ
لے چل انشا مجھے کچھو رستے — یہ تو ہے مرد نام اسکا ہے تاڑ

بیگما نے جو کیا جھک کے سلام آ تو کو — آغا مینا نے سنائی اسے یوں ہی آواز
پوتوں پھلنا تجھے اور دودھوں نہانا ہو نصیب — بیاہ ہو سوتیکے سہرے سے تری عمر دراز
بیگما جان بڑی شرم کی ہے یہ بات — کہہ گئیں ٹھٹھے سے انشا کی تمہاری ہی تو ناز

بھیجدی اُن نے انگوٹھی مجھے فیروزہ کی　　اسکے یہ معنی کہ ہیں تو وہیں خواجہ فیروز

گود پھولوں سے بھری میری دگانا شاباش　　تیری کھیتی ہو ہری میرے دگانا شاباش
اوٹ میں اپنی دکھا دے مجھے اُس شخص کو آج　　میں ترے صدقے اری میری دگانا شاباش
میری خاطر سے جو دکھ ہو تو پڑا ہو سہ لے　　اور بھی ایک ذری میری دگانا شاباش

اوئی رابیل ہو گئی میں آج　　گورے گورے ترے بدن پر غش
یونہی میں غش ہوئی دگانا پر　　راجہ نل جیسے تھا دمن پر غش

باجی تم چاہتی ہو بندی سے جیسا اخلاص　　اجی وہ کواریوں میں تو رچ ہوا ایسا اخلاص
نہ بتولے مجھے وہاں سے اوڑ کچھو ہو جاؤ　　کس کو کہتے ہیں محبت اجی کیسا اخلاص

کب زناخی مرے پاس آئی تھی کل رات غلط　　مجھے اُس سے ہوئی کسطرح ملاقات غلط

شرط ہے رکھنا لحاظ اتنی کبھی مت ہو بے لحاظ　　سانس مت بھر او دگانا چپ اری او بے لحاظ
ہوتے سوتوں سے کہو اینچے چہ خوش لے وا سے چھڑے　　دال سفے ہو یہاں سیلا کہتے ہو کس کو بے لحاظ

نہیں جاتی کہیں جہان مرے دل کا شوق　　تمکو کیا اس سے وہ اجان مرے دل کا شوق
بات چیت ایسی طرح کی مجھے آتی ہی نہیں　　نہیں اسکا مجھے ارمان مرے دل کا شوق
طعنے مت دے مجھے ہاں ہاں اجی ہو جاتی ہوں سا　　جان اور پوچھکے انجان مرے دل کا شوق
منتیں مت کرو انشا کی طرف سے اوسپر　　میں نہیں کرنے کی احسان مرے دل کا شوق

بڑائی میرے ٹھینگے پر خدائی رات میں میں نے پڑے ایسے بہت سارے کڑہائی بیچ تل ڈالے
مجھے ڈر ہے بچھیڑا اک جو ہے تا کند سا پھرتا مبادا اسے دداجی وہ کہیں تمکو کہندل ڈالے
تھلیلہ پھر اسے گھڑیال کا کیونکر نہ ٹھکرا دیں نگوڑی بادلی چڑہا مزے میں جو خلل ڈالے
دوگانا مدھ میں جوبن کے بھری وہ وقت آپہونچا کہ کوئی پھول اسکی گود میں کوئی لاکے پھل ڈالے
اری تو ایسی ہی پڑتی ہے مارے جھل کے اور نڈھی خدا ایسی کبھی دیدہ دہنیں کیسے نہ نوچ جھل ڈالے

ہزاروں دیو ونکو یا نکی پریوں نے پچھاڑا ہے نہیں یہ لکھنؤ راجہ اندر کا اکھاڑا ہے
رضائی شال کی اوڑہو چلو ہم تم چھپر کھٹ میں ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی آرہی ہیں خوب جاڑا ہے

میں نے جو سچ کہا کہ کل اُن کی رات کاٹی تو اُن نے کس مزے سے میری بات کاٹی

یوں جھکا مجھپہ کوئی رات کا جاگا جیسے تم تو وہ چاہتے ہو سوئیں میں دھاگا جیسے
یونہی ہر بات میں بولا کرو سسکر سُردا ابھی آغا کو بہک کر کہا آگا جیسے
ڈھال تلوار لئے لانگ چڑھاسے انشا مجھسے یوں رات ملا ہو کوئی تاگا جیسے

اسے قربان کردوں جو مجھے چھیڑے انشا میری چھاتی جو چھیڑے اسکی ہتھیلی جل جاے

پڑ گیا نیل مرے گال پہ کیسا قہر ہوا ارے کمبخت نگوڑے پڑے تجھپر چٹکی
ہو گئی رات تو سُستی لو لہان لے انشا دیکھیو میں ابھی چیخ پڑونگی نہ مرے لے چٹکی

چھیکے دیتی کہیں کونڈی لینا انشا کو بلا ڈر کہ بلا کیا چاہیئے دربان لو یکا تجھے

رات بھر اپنا ترستا ہی رہا جی باجی
ابتو نوبت بھی اکھوا ہی بائی باجی
اے لو اس کوٹھڑی میں ہے پڑے رانے کیلئے
اک عصیا او پہ مصر کے بن بیٹھی ہے جاجی باجی

چبھتی ہے یہ نگوڑی مسلسل کی اوڑھنی
لاوے وہی دوا مجھے ململ کی اوڑھنی
بن سر ڈھپے ہوئے تجھے کیا چاہئے بھلا
بوٹے سے قد پہ اس بڑے آنچل کی اوڑھنی
کوکا جی دیکھو میرے دوگانا پہ کیا پھبی
پشواز اودی اور جلا گلبل کی اوڑھنی
انشاء کے سو نکھنے کے لئے ان نے بھیجدی
جالی کی کرتی اور وہی ہلکی اوڑھنی

رباعیات

اے بی بی میں جاں نثار بھائی تیرے
صدقے قربان جائے دائی تیرے
وہ چال نہ چل کہ نام رکھے کوئی
بے ڈول یہ ہیں دیدے ہوائی تیرے

ناحق ناحق مجھے جلاتی کیوں ہے
گھر میں مرے آگ لینے آتی کیوں ہے
آتی تو نہیں ٹھہرتی یہ رنجش ہے
بے فائدہ یاں تو آتی جاتی کیوں ہے

چھا تکا تو نکر عبث فضیحت ہوگی
آ تو سنے گی تو قیامت ہوگی
جالین تجھے چھوڑدے نہیں تو ناحق
اک روز بڑی بڑی فضیحت ہوگی

انعام ۔ یعنی جناب مولانا انعام صاحب گنگوہ شریف ضلع سارن کے رہنے والے ہیں ۔ حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں ۔ منشی فاضل کا امتحان پاس کیا ہے ۔ عربی فارسی میں کافی دسترس ہے ظرافت نہایت خوب

فرماتے ہیں اور اسمیں اکبر کے رنگ کا اتباع کرتے ہیں اور اس میں نہایت کامیاب ہیں آپ کے چند شعر دستیاب ہوئے جن میں آپ نے سندھیوں کی مقروضیت کا خاکہ کھینچا ہے ملاحظہ ہو۔

سندھیئے شلوار زر ہم سکۂ زر تار داشت — باوجودش نالہ ہائے زار در اخبار داشت
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست — گفت مارا قرضۂ بقال بر این کار داشت

سیٹھ اگر نشست با مانیست جائے اعتراض — مالک ہمیان زر بود از گدایان عار داشت
بنگرید این تنگیٔ حال مسلمانان سندھ — شیخ سندھی خرقۂ خود رہن ساہوکار داشت

حدیث از قرضۂ خود گو و راز کھٹی کمتر جو — کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را
من از آں سود روز افزون کہ قرضہ داشت دانستم — کہ قرض از کیسۂ سندھی برآرد پیسہ پیسہ را
فغاں کیں بنیا ہائے شوخ دھوتی پوش شہر آشوب — چناں بردند سود از ما کہ ترکاں خوان یغما را
سمن دادی و خورسندم جزاک اللہ نکو کردی — ہمیں زیبد بہ رہن و قرضہ ہر بقال و بنیاں را

غلام دھوتیٔ بقال تا جیدا ر ز انند — خراب کھاتہ و بہی تو ہوشیار انند
گزار کن چو صبا در دیار ہند بہ بیں — کہ از تطاول بنیا چہ سوگوار انند
ترا بیاج ومر آب دیدہ شد غماز — دگرنہ قارض و مقروض راز دار انند

انوری۔ محمد اوحد الدین نام تھا۔ ایران میں علاقہ ابیورد میں بدنہ ایک گاؤں ہے جو مہنہ کے مقابل واقع ہے وہی اسکا مولد و مسکن تھا۔ اس علاقہ کو خاوران بھی کہتے ہیں اسی مناسبت سے اوائل حال میں خاوری تخلص رکھا تھا۔ پھر اپنے اوستاد کی فرمائش سے

یہ تخلص بدل کر انوری تخلص اختیار کیا۔ مدرسہ منصوریہ طوس میں علوم کی تکمیل کی اور خصوصیت کے ساتھ علم ریاضی میں کمال حاصل کیا۔ اسکا پایۂ فضل وکمال اتنا بلند ہے کہ تذکرہ آتشکدۂ آذر کے مصنف نے لکھا ہے کہ چار شخص ہیں جنکا جواب شعراء میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ انوری۔ فردوسی۔ طوسی۔ نظامی گنجوی۔ شیخ سعدی۔ انوری ابتدا میں نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ مگر تقدیر نے یاوری کی تو سنجر کے دربار میں رسائی ہوئی عرصہ تک وہاں رہا۔ اور ۵۲۳ھ میں سلطان احمد پیروز شاہ نے اسکو بلا لیا۔ اسکے بعد مختلف درباروں میں رہا۔ اور آخر کار بلخ میں پہونچا۔ چونکہ اسکی طبیعت میں قدیم سے ہجوگوئی کا مادہ تھا۔ اور اسی عادت کی وجہ سے اس نے ایک زمانہ کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ لہذا جب یہ بلخ میں پہونچا تو وہاں بھی لوگوں کی اور اس شہر کی ہجو کہی لوگ اس سے نہایت برہم ہوئے۔ بلکہ اصل میں مشہور یہ ہے کہ یہ اسکے دشمنوں کی کارروائی تھی تو بھی ایک شاعر تھا جس نے اسکے نام سے وہ ہجو کہکر مشہور کر دی تھی۔ مگر پھر بھی اسکا خمیازہ انوری ہی کو اٹھانا پڑا۔ اہل شہر اس قدر بگڑے اسقدر برہم ہوئے کہ انوری کو تختہ کلاہ کیا، اور اوڑھنی اوڑھا کر گلی کوچوں میں تشہیر کیا۔ بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ نوبت پہونچی۔ سچ ہے بد اچھا بدنام برا۔ لیکن قاضی حمید الدین مصنف مقامات حمیدی کی سعی وکوشش سے ان کی جان بچ گئی۔ اگرچہ انوری کچھ ایسا متاثر ہوا کہ اس نے تمام لغویات اور شعر وشاعری سے پرہیز کر لیا۔ اور آخر کار ۵۸۷ھ میں بمقام بلخ وفات پائی۔

انوری شعر وشاعری میں شہرۂ آفاق تھا۔ اسکے معاصرین میں کوئی اسکا مد مقابل نہ تھا۔ خصوصیت سے ہجوگوئی میں اپنے اقران وامثال میں سب سے زیادہ تھا۔ اسی وجہ سے ہزالی۔ اور ظرافت کی طرف بھی اسکا میلان طبع تھا۔ اور اس میں بھی اس نے وہ کمال حاصل کیا تھا کہ سوزنی۔ اور سعدی وغیرہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسکی ظرافت، ہزالی۔ اور ہزالی فحش گوئی تک پہونچی ہے [۱]۔ مگر کمال بہر صورت اور ہر رنگ

میں ہے۔ ملاحظہ کیجئے کسی طویل القامت آدمی کی شان میں فرماتے ہیں۔

اے خواجہ درازیت رسیدہ است بجائے | کز اہل سماوات بگوشت برسد صوت
گر عمر تو چوں قد تو یابد بدرازی | تو زندہ بمانے و بمیرے ملک الموت

روزے از بہر تماشا سوئے دشت | چند زن بیروں شدند از مہتراں
چوں بصحرا ساعتے ماندند دیر | چند خر دیدند در صحرا چراں
نرخرے بر مادہ خر رغبت نمود | بر مثال عاشقاں با دلبراں
با عمودے یک گز و نیم آبنوس | گادنی میکرد بر رسم خراں
کہ فرو می برد گہ بر می کشید | تیز می افگند و میکرد عاں عاں
زاں زناں یک زن آں گادن بدید | بر کشید آہے و گفت اے شوہراں
گر جماع اینست کایں خر میکند | بر کس ما می رسید ایں شوہراں

زعیم غیرہ را ریشے است بر گرد ہیچ ناں | کہ گوئی عنکبوتے بر کس گاوے تنیدستے
سرے دارد کل و ہر جائے موئے رستہ دو در ہم | کس گوئی بر اطراف کدوئے خشک پیدستے
بجائے ناف چوں نایہ درادل سر بر پیشش | دریغا گر بجائے ناف او رگ آں دریدستے

آنکس کہ جگر خوردہ و مردمی ہنر آموخت | در دور قمر گوید نشیں خون جگر خور
پیغام زناں می برد و بیابے بزر پوش | یا مسخرگی می کن و حلوائے شکر خور

اوج۔ تخلص تھا عبد اللہ خاں نام تھا۔ دلی کے قدیمی باشندہ تھے۔ اور یہیں کی گلیوں میں پوری عمر گزاری تھی نہایت ہی کہنہ مشق بزرگ تھے۔ مگر خرابی اتنی تھی

کہ چاہتے تھے دنیا بھر سے نیا مضمون کہوں ۔ اس میں ایسے الجھتے تھے کہ ایک مصرع کہنے کیلئے گھنٹوں پہروں منہمک اور سر بگریباں رہتے تھے ۔ پھر بھی وہ مضمون قابو میں نہ آتا تھا اور کچھ کا کچھ کہہ جاتے تھے ۔ جب شعر کہہ لیتے تو شہر کے باکمالوں کو جا کر سناتے ۔ اسوقت کے لوگ مہذب تھے کیونکہ آجکل کے بدتمیزوں کی طرح یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ منہ پر ایک لفظ بھی ایسا کہہ دیتے ۔ جس سے توہین ہوتی ۔ سنتے اور خوب واہ سبحان اللہ کا غل مچاتے رہ جاتے ۔ ذوق غالب وغیرہ سے پہلے کہنے والے تھے ۔ اس واسطے ان لوگوں کو وہ اپنے سامنے کا بچہ ہی سمجھتے تھے ۔ ادھر ان کا بھی یہ خیال تھا کہ اگر ایک کہنہ مشق بڈھا خوش رہا تو ہمارا کیا نقصان ہے ۔ اسی لئے ان کی مشیخت مآبی کی باتیں سنکر یا یہ لوگ چپ ہو جاتے اور یا برابر داد دیتے ۔ مرزا غالب نے جب اردو کا دیوان تمام کر دیا ۔ تو آزاد مرحوم نے یہ شعر کہا اور مرزا غالب کو سنایا ۔

دیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب ۔۔۔ غالب آساں نہیں صاحب دیواں ہونا

مگر مرزا نے کہا کہ واللہ کافر ہیں یہ لوگ جو آپ کو استاد کہتے ہیں ۔ تم تو شعر کے خدا ہو ۔
ایسے ہی ایک مرتبہ کنور اجیت سنگھ نے حکیم مومن خاں کو ایک ہتھنی انعام دی ۔
چونکہ مومن مرحوم نجومی بھی تھے لہذا اسی کو خیال میں رکھتے ہوئے انھوں نے شعر کہا ۔

نجومی بنکے جو ہتھنی کا دان لیتا ہے ۔۔۔ جہنموں میں وہ مومن مکان لیتا ہے

دلی میں شیریں ایک بڑی نامی رنڈی تھی ۔ خدا نے توفیق جو دی تو گناہوں سے تائب ہو کر حج کو چلی ۔ ادیچ کے استہزا کے لئے ایک مسالہ ہاتھ آیا یہ شعر کہا ۔

بجا ہے شیریں اگر چھوڑ دلی حج کو چلی ۔۔۔ مثل ہے نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی

ان کے کلام میں ظرافت کا چٹخارہ اسی سے پیدا ہو گیا ہے کہ جو کچھ یہ کہنا چاہتے ہیں وہ کہا نہیں جاتا ۔ چنانچہ نمونہ کے شعروں میں آپ یہی بات پائیں گے ۔

ہیں چھیلیاں بہو ونکی جبین پر شکن کے اندر ۔۔۔ الٹی ہے بہتی گنگا بھی بہون کے اندر
دنیا کے منقلب کا الٹا ہے کارخانا ۔۔۔ ہے مہر شمع واڑوں اس انجمن کے اندر

میں وہ ہوں نخل جو ہے سلسبیل دریائی ۔۔۔ مری ہے کشتی گل تار جبل دریائی

مجھے اترتی ہے گرد آسماں سے وحی ۔۔۔ ہے راہبر خضر جبرئیل دریائی

میں کالا پانی پڑا اتا چنا ہوں ہر شب و روز ۔۔۔ زمین کا گز ہے مرا کلک میل دریائی

بنا ہے کنگرۂ خار میرا دشت حصار ۔۔۔ مرا ہے آبلہ برج فصیل دریائی

چڑھا ہے مرا اک تار لنگر دم پر ۔۔۔ مرے عمل میں ہے جر ثقیل دریائی

میں اپنے کو بچ کی ہوں موج میں بہا جاتا ۔۔۔ حباب وار ہوں کوس رحیل دریائی

ہماری موج تلاطم سے آشنائی ہے ۔۔۔ یہ آب شور ہے دیتا زفیل دریائی

ہے اوج مردمک دیدۂ مردم آبی ۔۔۔ نکال دیدۂ تر سے سبیل دریائی

وحشت مجھے زنجیر پنہاتی ہی تھی اکثر ۔۔۔ طفلی میں بھی ہنسلی مری جاتی ہی تھی اکثر

جب تھا دل گل کبھی غنچہ کی گرہ میں ۔۔۔ بلبل پڑی گلچھرے اڑاتی ہی تھی اکثر

دم کا جو دمدمہ ہے باندھے خیال اپنا ۔۔۔ ہے پل صراط اترا یہ ہے کمان اپنا

طفلی ہی سے ہے مجھکو وحشت سرائے الفت ۔۔۔ سم میں گڑا ہوا ہے آہو کے نال اپنا

کسب شہادت اپنا ہے کس کو یاد قاتل ۔۔۔ بنا بچے ہیں تیغ کے سر لیتے ہیں ڈھال اپنا

بھاتا ہے جوش عشق شیریں یاد شوں میں رونا ۔۔۔ ہے آب شور گریہ آب زلال اپنا

اوحدی - مولانا اوحدی کرمانی کے علاوہ یہ ایک دوسرا ایرانی شاعر ہے جو علم و فضل کے لحاظ سے اپنے زمانہ میں طاق تھا - زیادہ حال معلوم نہیں - اس لئے تھوڑے سے اشعار ظریفانہ جن میں اخلاق و نصائح بھی شامل ہیں پیش کرتا ہوں -

عارفے شد بخواب در فکرے ۔۔۔ دید دنیا چو دختر بکرے

کرد از وے سوال کاے دختر — بکر چونی یا بنهمه شوہر
گفت ویا کر یا تو گویم راست — کہ مرا ہر کہ مرد بود نخواست
ہر کہ نامرد بود خواست مرا — ایں بکارت ازاں بجاست مرا

پسرے باپدر بزاری گفت — کہ مرا یار شو بہ ہمسر و جفت
گفت بابا زنا کن و زن نہ — پند گیر از خلائق از من نہ
در زنا گر بگیردت عسسے — بہ بلا کو گرفت چوں تو بسے
زن بخواہی ترا رہا نکند — گر تو بہ گزاریش حیا نکند
از من و مادرت نہ گیری پند — چند بینی و بار بینی چند
آں رہا کن کر آب و ہیمہ نماند — ریش بابا نگر کہ نیمہ نماند

فرج گور است اندراں لحدے — صحبت او عذاب ہر احدے
آلت شہوت تو کور افتاد — زندہ زاں بے کفن بگور افتاد

ایم آر بیگ - اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ظریف تھے - جنکا تھوڑا سا کلام تو دستیاب ہو گیا - لیکن افسوس ہے کہ پورا حال نہ معلوم ہو سکا مجبوراً ایک غزل ہی پر اکتفا کی جاتی ہے - ملاحظہ ہو -

اٹھنے لگے جہنا سے بخارات سودیشی — وہ ہونے لگی ہند میں برسات سودیشی
کیوں اُنکی حرارت سے نہ تغیر ہو پیدا — تا چرخ چمکنے لگے ذرات سودیشی
جب بھونکدیں یا دل میں لگی پانی میں — ایجاد ہم ایسے کریں آلات سودیشی
یورپ کی نہ ملکی ہو نہ امریکہ کے گیہوں — بنیوں کی دکانوں پہ ہوں غلات سودیشی

چوپایہ نہ لینگے کوئی یورپ سے کبھی ہم — ناگور کا ہو بیل تو ہو شان سودیشی

غلے کی بساط ایسی بچھے ہند میں گھر گھر — اک کشت سے یورپ کو کرے مات سودیشی
(بکری)

سوڈا ہو کہ منگنیشیا سب چولھے میں جائیں — اب بیچیں گے عطار نباتات سودیشی

برسات بلا لیں گے ہم اشکوں کی جھڑی سے — آہوں سے اٹھائیں گے بخارات سودیشی

طاعون کا کھٹکا ہے نہ ڈر قحط کا اے پنچ — ہاں فکر رہا کرتی ہے دن رات سودیشی

باب بائے موحدہ

باپ - مادھو رام نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں - مکرمی قمر بدایونی - اور جناب حکیم حافظ عبد الرحمٰن صاحب لکھنوی سے آپ کا کلام مل گیا - لیکن افسوس ہے کہ حالات کچھ زیادہ نہ معلوم ہو سکے - قمر صاحب ہی سے یہ لطیفہ سنا کہ باپ جب بدایوں کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے - تو اکثر لوگوں سے نوک جھونک ہو جاتی تھی - ایک مرتبہ مستقل حریف پیدا ہوئے اور اپنے ایک شاگرد کا دادا تخلص رکھا - مشاعرہ میں جب اس شخص نے غزل پڑھی تو باپ کو بہت کھری کھوٹی سنائیں - باپ ایک حاضر جواب آدمی تھے رہا نہ گیا یہ شعر موزوں کرکے اسی مشاعرہ میں سنایا - روئے سخن اپنے خاص حریف کی طرف تھا ؎

وہ تیرے باپ ہوں دادا ہوں پردادا ہوں کوئی ہوں — مگر سب باپ کو تو باپ ہی اے یار کہتے ہیں

حریف پر ایک اوس سی پڑ گئی - اور عرق شرم میں نہا گئے -

باپ کا کلام محض ظرافت کی حد میں ہے - نہ اسمیں اخلاقی نکات کے حل کرنے کی کوشش کی ہے اور نہ سیاسیات کا دخل ہے - دیوان کا انتخاب کرکے یہ چند شعر درج کئے جاتے ہیں

ہر اک بات میں ادہی نے مار ڈالا — کوئی تم سے بڑھ کر نہ نانا نہ دیکھا

چرائیں بھی ہم گھاس بھی ہم چلائیں | ہمیں یار تیری گدھیا نے مارا
غضب ہائے اس جیت کا دوڑ کے گھنا | مجھے آج چور کے بھیا نے مارا

چھڑا اگر کمربند کھنا کسی کا | تو کیا پھاڑ ڈالوگے لہنگا کسی کا
بہت آزمایا زمانے میں ہم نے | نہ رنڈی کسی کی نہ بھڑوا کسی کا

نہیں ہے ساتھ اسے ہمراز میرا اور دشمن کا | میں اک اندھی پہ عاشق ہوں وہ شیدائی ہے کوڑھی کا

دیکھو دل ڈر رہے مجھے اب یہ مری جاں دل کا | حال پوچھے نہ کہیں مجھسے مری ماں دل کا

مری جاں قتل کے ملزم ہو تم محشر کا موقع ہو | ضمانت ہو نہیں سکتی مچلکا ہو نہیں سکتا
وہ کہتے ہیں مٹھائی دو تو وعدہ وصل کا کرلیں | چنے خالی کھلا دینے سے ایسا ہو نہیں سکتا
اسی ہفتہ میں سنتا ہوں کہ بچہ ہونیوالا ہے | کہا نکاح ان سے صرف مجرا ہو نہیں سکتا

پوچھتے کیا ہو شب وصل میں کیا کیا ہوگا | آج تو کچھ بھی نہیں بعد کو جب ہوگا
گر چنے کھائے ہیں میرے یہ ذرا یاد رہے | آج وعدے پہ نہ آؤگے تو بیٹھنا ہوگا
شیخ کا جیب کہیں باپ ہوا ہے دھوکا | میرا سالا تو نہ ہوگا مرا سسرا ہوگا

جوتا نیا ادھوڑی کا پہنے ہے یار آج | شاید کہ ہوگیا کوئی عاشق نیا آج
جاتے ہیں میکدے کو تماشا سہنے ہوئے | پیچھے ہے شیخ جی کے لگی لونڈیا آج

وہ آدھی رات سے ہی شب وصل چلدیئے اس کا عذاب شہر کے مرغوں کی جان پر
دوزخ میں ہم پولس میں پڑا شب یہ جیل میں کچھ تو کہو ملوگے مجھے کس مقام پر

ہے اُن کے وصل کا وعدہ تو کب روز قیامت پہ جگہ بجو تجویز کیا کی بانس پر یا بے بٹی چھت پر

جو دشمن ہیں ہمارے جنکو ہم اغیار کہتے ہیں انھیں سب کو وہ اپنی ماں کا رشتہ دار کہتے ہیں

رقیب روسیہ کی کاٹ لینگے ناک جوتے سے بلا سے ایک دو ہفتہ رہینگے گر پڑے گھر میں

عدو بکری کا بچہ ہے یہ آخر کھل گیا سب پر کہا کم بخت نے جب بزدلی سے زیر خنجر میں
غلط خیال تھا میرا کہ وہ مری جان ہیں نہیں ہیں جان مرے دشمنوں کی امان ہیں
تخت کی رات مری چھیڑ یہ جو ردستے مری مجھکو یہ کہکے ڈرایا کہ خصم مارہول ہیں
ان کی منت یہ شب وصل انھیں چھوڑ تو دوں وہ کہیں یہ نہ سمجھ جائیں کہ بیکار ہوں میں

اغیار ترے ماں ہیں بتا ہیں کہ چچا ہیں کیا حق ہے انھیں کیوں ترا سر باندھ رہے ہیں

غیر کے وصل کو اب ہوتے ہیں کمرے خالی غسل خانہ ترا لکھا تھا مری قسمت میں

جز میرے ترا بوسۂ لب جسنے لیا ہو اللہ کرے چار مہینے کی سزا ہو
کسواسطے اُس سے مجھے ملنے نہیں دیتے تم حضرت ناصح کوئی رنڈی کے چچا ہو

سینے دیکھا جو لنگوٹا مجھکو — دخت رز نے کہا لہنگا مجھکو
وصل کی بات پہ ہوکر کیونکر خواہش — یارب کتنا ہے بھیا مجھکو

گھٹتی ہے دشمنوں سے صبح و مسا تمہاری — یہ دیکھنا دیکھے اسے دریا تمہاری
رندوں کی تم مذمت کرتو رہے ہو واعظ — اٹھکر خبر نہ لے لیں یہ سب چچا تمہاری

ہم بھی تیرے صحن میں اغیار بھی ہیں آج — یہ دیکھنا ہے اب تری کھٹیا کدھر رہے
کہتے ہیں آج تیرے یہاں سو رہیں تو پھر — اماں سے کیا کہیں گے کہ کل کسکے گھر رہے

خدا کے لئے سر منڈا دو مری جان — بہت بڑھ گئی ہے حجامت تمہاری

تا لکہ مجھپہ فدا اور میں رنڈی پہ نثار — ایک کے گھر میں رہوں ایک مرے گھر میں رہے
پھر اگر غیر کھٹک جائے تو اسکا ذمہ — باپ کو حکم وہ دیدیں کہ مرے گھر میں رہے

ظریف
وہ جوتوں سے کی ہے مرمت کسی کی — کہ بن بن گئی ہے حجامت کسی کی
کوئی نیچری سانڈ پالے پڑے گا — علیگڈھ میں ٹھہری ہے نسبت کسی کی

سنا ہے دختر رز آپ کی ہمشیر ہوتی ہے — جبھی تو شیخ کی رندوں میں یہ توقیر ہوتی ہے

گر باپ میں نہیں ہے تو ماں میں قصور ہے — نطفے میں تیرے فرق مری جاں ضرور ہے

کہاں جا سکتے ہو اب میرے گھر سے   تمہاری تاک میں تھا سال بھر سے
ملا جو آنسے اُس نے قید کا دی   ملا ہے جیل خانہ ان کے گھر سے
پھر آخر مجھ سے تم کیونکر ملوگے   خوشامد سے کہ جوتے سے کہ زر سے
عدو کیا مار ڈالے گا مری جان   خطا پیشاب کیوں ہوتا ہے ڈر سے

رنڈیاں طائر دل پھانس رہی ہیں چڑیاں   بیٹیاں ہونگی یہ دوزخ کے چڑیماروں کی
ہاتھ میں نیم کی سُٹنی ہے بغل میں جوتا   یہی پہچان ہے باپ انکے خریداروں کی

بزم عدو میں ہوں کہ جہنم میں جائیں آپ   جب میرے گھر نہیں ہیں تو چاہے جہاں رہیں

سیکڑوں کو وہ ٹانگ دیتے ہیں   ان کو پھانسی مگر نہیں ہوتی

کیا مزا آئے جو اغیار کے اوپر سر بزم   دھار پیشاب کی وہ ٹانگ اٹھا کر مارے

کل سنا تھا یار کا جلاب ہے   آج سنتا ہوں کہ رحلت ہو گئی

نیند کیسی سننے والے مر گئے   اے میں قربان ڈھول کی سی تھاپ کے
نیم کی سُٹنی لئے پھرتا ہے دوست   یہ نتیجے ہیں پڑا اسنے باپ کے

تاثیر دیکھئے درستی بخت سیاہ کی   معشوق بھی ملا ہے تو الٹا توا مجھے
کوہ ستم اٹھاؤں سہوں بار عاشقی   کیا اپنے جی میں جانتے ہو تم گدھا مجھے

جلائے بے خطا ہم کو تو اسکے آتشک نکلے ۔۔۔ رولائے جو ہمیں ناحق تو بیاری ہو رقت کی

ترا دادا بزاخفش تھا باپ الو کا پٹھا تھا ۔۔۔ پرانا خبطی ہے بو نہ کیوں ہو تجھ میں وحشت کی

تضمین بر شعرِ شہیدی

فضول مجھ سے تو بدظن ہے اے بتِ گلفام ۔۔۔ تری قسم نہیں کرتا ہوں میں کسی سے حرام
کھلا کھلا کے مجھے سیر سیر بھر بادام ۔۔۔ پری اٹھی مرے پہلو سے یار با ناکام
فریفتہ ہوں ترے طرزِ دلربائی کا

براق - فرضی تخلص ہے مرے ایک دوست کا جو ضلع شاہجہاں پور کے ایک معزز رئیس اور کہنہ مشق شاعر ہیں اسوقت سن شریف تقریبًا ۴۵ برس کا ہوگا نہایت باخلاق زندہ دل یار باش اور وضعدار منکسر المزاج ہیں مجھسے کافی مراسم ہیں - لیکن باوجود اصرار بھی آپ نے اپنا صحیح نام لکھنے سے مجھے منع کر دیا — واقعہ بھی یہی ہے کہ آپ کے دیگر کمالات شاعرانہ کے سامنے ظریفانہ شاعری کا ذکر آپ کے لئے کچھ موزوں اور مناسب نہیں معلوم ہوتا - مگر میں جانتا ہوں کہ آپ کا ظریفانہ کلام بھی بہت کچھ ہے - اور اگر مجھکو وہ سب کلام ملجاتا جو آپ نے مختلف اوقات میں کیا ہے تو شاید ایک بڑے ظریف کا اس تذکرہ میں اضافہ ہو جاتا - مگر کیا کیا جائے - کہ ان چند اشعار کے سوا جو میں نے آپ کی زبان سے سنکر اپنی نوٹ بک میں درج کر لیے تھے اور کچھ بھی نہ ل سکا - شعر یہ ہیں -

محو دید ادہر اک طرف دیکھنے والا ہوتا ۔۔۔ کتنے لینگے میں کمر بند نہ ڈالا ہوتا

کل شب عجب خیال دل نا صبور تھا ۔۔۔ لنگا کسی حسین کا آغوشِ حور تھا

اس طفل خشت پخت کی تھی خشمگیں نگاہ — ایسی لگی تھی اینٹ کہ دل چور چور تھا
دشمن لپٹ کے بھول گیا مثل نان جو — شاید شکم شریف تمہارا تنور تھا
نارنگیوں سے بڑھکے کچوں کی بہار تھی — سینہ کسی کا باغچہ ناگپور تھا

جگنو کی چمک جالی کی انگیا میں نہیں ہے — مرغ دل سوزاں ہے یہ دام ہمارا

برق — اسم گرامی منشی جوالا پرشاد تھا قصبہ محمدی ضلع سیتاپور میں ۲۱ اکتوبر ۱۸۶۲ء کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے وطن محمدی ہی میں پائی ۱۸۷۷ء میں ضلع کھیری میں انٹرنس کا درجہ اول میں امتحان پاس کیا اور وظیفہ مقرر ہو گیا یہاں تک کہ ۱۸۷۹ء سے کیننگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پاکر ۱۸۸۲ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۸۳ء میں وکالت کا امتحان پاس کرکے وکالت شروع کی ۔ ۱۸۸۵ء میں بعہدۂ منصفی مامور ہوئے اور اسمیں بہت کافی شہرت اور ناموری حاصل کی آخر ۲۶ مارچ ۱۹۱۱ء کو بعارضہ طاعون لکھنؤ میں جب کہ عہدہ جج خفیفہ پر متعین تھے انتقال کیا۔

گو کہ آپ اسم باسمی اور قدرتی نہایت ذہین اور ذکی واقع ہوئے تھے مگر پھر بھی آپ نے لکھنؤ کی زبان حاصل کرنے میں کافی کتب بینی کی تھی ۔ اور خصوصیت کے ساتھ یہاں کے بڑے بڑے زباندانوں کے ساتھ ملتے جلتے رہے ۔ منشی سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ سابق پنڈت تربھون ناتھ ہجر ۔ مرزا مچھو بیگ ستم ظریف ۔ منشی احمد علی شوق وغیرہ حضرات آپ کے احباب خاص میں تھے ۔ جب آپ لکھنؤ میں تشریف لائے اسی وقت سے اودھ پنچ میں نامہ نگاری شروع کی ۔ اسی سلسلہ میں متعدد ظریفانہ نظمیں لکھیں ۔ اکثر انگریزی ناولوں کے لفظ بلفظ ترجمے اس خوبی سے کئے کہ باید وشاید ۔ بنگلہ سے چار یا پانچ ناولوں کا ایسا

ترجمہ کیا کہ میرے خیال میں ہر ناول ان کے واسطے ایک شاہکار ہے۔ رد ہنی۔ پرتاپ بنگالی دلہن۔ مار استین۔ مرنالنی۔ سب کے سب سنجیدہ دلچسپ سلیس اردو کے ناول وہی بنگلہ ناولوں کے تراجم ہیں۔ میں نے ان سب کو از اول تا آخر پڑھا۔ ہر ایک لاجواب ہے۔ مثنوی بہار آپ کی شاعرانہ مشاقی کی ایک زبردست سند ہے۔ ظریفانہ رنگ نظم و نثر میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ ہم نثر کو بوجہ طوالت نظر انداز کر کے صرف بعض بعض نظموں پر اکتفا کرتے ہیں۔ پہلے ایک مخمس ملاحظہ کیجئے جو فارسی کے اس پرانے اور فرسودہ مصرع پر کہا گیا ؎ اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند۔

کلاہ سرخ ترکی وا بگیا بر سر نمی ماند   ہمیشہ کوٹ و جاکٹ زیب تن بر نمی ماند
زمانہ بر یکے آئین اے تیجر نمی ماند   عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند
اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

براندی ہوا بگیا در بوتل و ساغر نمی ماند   چنیں بید و چرٹ در دست دلبر نمی ماند
بیا ایں بوٹ انگریزی و فرید سر نمی ماند   عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند
اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

چنیں اسپ دمر میدان تا کجا تازی   ہمیشہ گیند و کرکٹ ہمچو طفلاں تا کجا بازی
مزمیا در بدن تا کے جنیں پتلون بگہ سازی   عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند
اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

براندی تا کے از ما بگو اے تیجری نوشی   لباس جاکٹ و پتلون بے کشتکی چشم پوشی
براہ کج کردہ ایں رسم لندن تا کجا کوشی   عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند
اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

کند گمراہ عالم را بہ ایں پیچ زبوں تا کے   بہ سر قرمزی لندن آنچہ خط جنوں تا کے
منور دن بدل استادہ مثل سنگ گندن تا کے   عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر مانند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

خوری تا چند مرغ سر بریده را بدین غیبت　　چراے رانمائی از دلیل خویش بیجا حالت

خرومی نالہ اے تیجر بدین عقل و برین ہمت　　عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر مانند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

بجاے سنگ اسود دیئے بیلی را بہ بوسیدن　　بوقت گیند کرکٹ بید ہرک بیتاب گردیدن

چو قرآن و حدیثا می تیجری انجیل را دیدن　　عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر مانند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

تو گوئی ذکر ایزد را کہ ہست آن خالق بیچون　　کبوتر چون بکا یک قتہ می سازد تصور غول

بنہ سیل زدا و دارا و تو بہ کن ازین اکنون　　عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر مانند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

نظر پڑا ایک پیر نیچر نرالی سج دہج تھی ادا کا　　جو عمر دیکھو تو سو برس کی یہ تھہر و آفت غضب خدا کا

سفید داڑھی پہ کالا جوتا اور اسپر طرہ وہ سرخ ٹوپی　　بدن پہ دیکھا گلے میں پٹی سی عالم اسپر ہے اک بلا کا

ہیں باتیں اسکی وہ سحر افسوں کہ سن لیں جسنے ہو وہ مفتون　　غضب کے فقرے ستم کے جملے اور اسپہ طرز بیاں بلا کا

بہت دنوں تک کئے کرشمے طرح طرح کے دکھائے نخرے　　خدا کے بندونکے دین و دنیا کو خوب لوٹا غضب تھا اسکا

ایک مرتبہ دکن کے قحط پر ایک مرثیہ عجیب طرح کا لکھا تھا جس کے دو تین بند لکھتا ہوں۔

ملکِ دکن پہ قحط کی یار و چڑھائی ہے　　چاروں طرف سے فوج تبہ کار آئی ہے

محتاج خانوں میں بھی خدا کی دہائی ہے　　کالی گھٹا سی بھوک ہر اک سمت چھائی ہے

بھرتی امیدوار ہوں خواہش ہے کام کی

آدھ سبیل رکھی ہے کنگلوں کے نام کی

آئی گھٹا سی ریل بھرے تھے امیدوار　　اتری بلا کی فوج کہ منہ چیکے چار چار

پورے تھے یار اور علی گڈھ کے سب سوار　　آتی تھی ہر طرف سے صدا بس بیا بیار

چہروں پہ جھریاں تھیں وہ پلکیں اڑی ہوئی
سمت جنوب سب کی تھیں باگیں مڑی ہوئی

اک دو کھیپ آئی کہ اللہ کی پناہ — او بچے وہ انگریز کہ بھئی واہ واہ
بھورے آشکار کہ پیونیٹ ہے نگاہ — اسے نہ کچھ خیال کبھی گو خلق ہو تباہ

بگڑے ہوؤں کو اور بگاڑیں یہ زور تھا
مارا بدہ بدہ کا ہر اک سمت شور تھا

بحر طویل کہنے پر آئے ہیں تو انشا اور مصحفی کو مات کر دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے

دوش رفتم سوئے بازار۔ کسے یافتم عیار۔ نہ ہر قید سبکبار۔ نہ بہ تزویر گرفتار۔ نہ خود رفتہ و سرشار۔ سبک خیز چو رہوار۔ تنش چوں تن زنبور۔ سیہ خال رخ حور۔ مثال شب دیجور۔ سیہ کوٹ پتلون۔ بدن شستہ ز صابون۔ رخش زرد۔ دلش سرد۔ تن و جان ہمہ گرد۔ نہ او صاحب ایمان۔ ولے بندۂ شیطان۔ نہ ہندو نہ مسلمان۔ نہ از قوم نصاریٰ۔ دَوَدُ ہر سمت بقصد شوق گہے تحت گہے فوق۔ گہے استاد و شاشید۔ گہے جست و سرائید۔ گہے ٹھوکر دیتی گہے بار گہے کاف۔ وشمپین و برانڈی۔ گہے بیر و کلارٹ گہے پاکٹ گہے جاکٹ۔ گہے شیرے و گہے رم۔ گہے گہی گہے تم ہمیں فکر بہر دم۔ کشتہ حرص و ہوا را۔ گفتم اے ہمسر فرعون۔ چرا می شدی مفتون۔ کسے نیست چو یارت۔ چہ بود آخر کارت۔ ایں وضع کدام است کہ داری۔ چوں شدی ز خرد عاری۔ شیشۂ تنگ شکستی۔ در دانش بچہ بستی۔ تو ئی دیوانہ و مدہوش۔ رہ عقل فراموش۔ بشر علم و ادب دور۔ بہ سے گمرہی مخمور۔ بگو نام و نشانت۔ شوم آگاہ بجانت۔ مکن دیر خدا را۔ گفتہ عدوئے ناموس۔ برو ڈام بگر لوس۔ تم آدمی ہے کالا۔ یو ہو کالا لالا۔ سن صاحب لوگیم۔ فدائی لبسر میم۔ صاحب پلیلی نام۔ بجہاں شہرۂ عالم۔ زرموزم تو چہ دانی۔ کہ نا قابل آنی۔ بزنم ٹھوکر و تھپڑ۔ اٹھو گڈا میر شکم روسے شما زشت۔ گفتم اے صاحب اوصاف۔ مزن بیہدہ بمن لاف۔ بہ بیں روئے سیہ خویش

بندۂ آئینہ درپیش ۔ مشو طائر نقال بزن مفت پر و بال ۔ بجز ابیکٹ وہم کلیک ۔ یکن ترک رہ نیک ۔ بشو پیرو حسنات ۔ برست از مزخرفات بہ بیں صدق و صفا را ۔

بزمی ۔ مرزا محمد اشرف صاحب بی ۔ اے خلف جناب محمود اشرف گورگانی کا تخلص ہے ۔ آپ نہایت قابل اور نیک مزاج ہیں مرزا ارشد دہلوی گورگانی کے شاگرد ہیں ۔ بے حد شوخ اور بلا کے ذہین ہیں ۔ آپ کی ظرافت شعر میں اس درجہ تک ہوتی ہے ۔ جسے انبساطی شاعری کا انتہائی رنگ کہہ سکتے ہیں ۔ صرف ہزالی اور محض ظرافت کہیں نہیں ہے ۔ بلکہ اس رنگ انبساطی میں یہ بھی خیال رکھتے ہیں کہ کہیں تغزل سے علیحدہ نہ ہو جائے چنانچہ چند اشعار درج کئے جاتے ہیں ۔ مگر یہ کلام ابتدائی ہے ۔ اسوقت کا کلام موجود نہیں ۔

شیخ نے جانے کیوں کی توبہ — مے سے اچھی کب تھی توبہ
کعبہ گر یا اور بتخانہ — گھر گھر جھانکی میری توبہ
واعظ کر لو گرمی گرمی — ساون آیا ٹوٹی توبہ
آخر زاہد کی بیٹی تھی — رند دل میں کیا ٹکتی توبہ
میری صورت دیکھی آئی — سیرت دیکھی بھاگی توبہ
مولوی صاحب کیوں کہ کرتے — ادن کی روٹی تھی بی توبہ
میں اور ایسا کام کروں گا — توبہ توبہ کیسی توبہ
واعظ اب تو جاڑا آیا — کسکی توبہ کیسی توبہ
ادری بندے نے جو ٹھہرے — آگئی دل میں کرلی توبہ
واعظ اپنا دل تو دیکھو — یونہی خالی خولی توبہ
دیکھو بزمی اب بھی کرلو — کام وہاں پر دیگی توبہ

بسمل ۔ میرحسن نے اپنے تذکرہ میں ان کا نام گدا علی لکھا ہے اور ایک دیگر نام نقل کرکے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے زیادہ بلند شعر ان کے اور نہیں دیکھے گئے ۔ میرتقی نے لکھا ہے کہ بسمل تخلص ایک شخص کا شہرہ پہلے سنا تھا اس وقت تک میں نے یہ تذکرہ نہیں لکھا تھا ۔ اب خدا معلوم کہاں گیا ۔ بہرصورت میرحسن نے جو شعر لکھے ہیں انھیں میں سے دو ایک شعر منتخب کرکے لکھتا ہوں ۔ میرا قیاس ہے کہ میرحسن نے جس کے ان شعروں کو بلند لکھا ہے اس کے وہ پست شعر جنکا انھوں نے ذکر نہیں کیا خدا معلوم کیسے ہوں گے ۔ کاش ہوتے تو لکھتا ۔

جب کہ دیمک کی فوج چلتی ہے ۔۔۔ زلزلے سے زمیں دہلتی ہے

دیکھ لو تم بھی کرکے سراغ ۔۔۔ مرے سینے میں دیمکوں کا داغ

ذرے کے دام میں نہیں خورشید ۔۔۔ دیمکوں نے اسے کیا ہے چھید

ڈرے دیمک سے وہ جو پہنے شال ۔۔۔ یاں تو اب کے کھیو غریب بال

لنگے زیر د لنگلے بال ۔۔۔ نے غم دزد و نے غم کالا

بسمل ۔ ایک رسالہ میں آپ کی ایک غزل نظر سے گزری تھی ۔ نام و مقام بھی لکھا تھا مگر حافظہ نے صرف تین چار شعر یاد رکھنے پر اکتفا کی نام وام سب بھول گیا شعر یہ ہیں ۔

طبیب را اگر علاج میخواہی ۔۔۔ طلب وصل مہ ستانی کن

در شب وصل می پڑد جانا ۔۔۔ یک لحاف است ایچاتانی کن

بنیں کم ششیر مید ہد بسمل ۔۔۔ از کھلی و بنولہ سانی کن

بسمل ۔ تخلص ہے مولوی فتح الدین صاحب مرحوم کا ۔ آپ پنجابی اخبار نویسوں میں ایک امتیازی درجہ رکھتے تھے ۔ اور نہایت ذکی و ذہین تھے ۔ نویسندگی

پنجاب پنچ لاہور کے ایڈیٹر رہے۔ اور برابر ظرافت کے نظم و نثر مضامین لکھتے رہے۔ ظرافت میں آپ کو درجہ کمال حاصل تھا۔ ۱۸۸۱ء میں بعارضہ تپ انتقال کیا۔ کلام تلف ہو گیا صرف ایک ظریفانہ سیاسی نظم مل سکی جو درج کیجاتی ہے۔ غالباً سابق جنگ افغانستان کے وقت لکھی ہے۔

کابلی بر سر بیکار رہا ہیں لو اور سنو	اُن کے اب موت کے آثار ہیں لو اور سنو
جن کے صدقے سے پلے اور ہوئے اتنے بڑے	اُن سے بھی لڑنے کو تیار ہیں لو اور سنو
شاہ بخشیا نہ تو اور کہ نہ مصالح موجود	سونٹھ کی گانٹھ پہ عطار ہیں لو اور سنو
دو قدم گو نہیں چل سکتے مگر اسپر بھی	جنگ میں چلنے کو تیار ہیں لو اور سنو
ہم ترے مولوی تھے آج طفیل سرکار	شیخ جی صاحب اخبار ہیں لو اور سنو
جیب میں نافے پڑے ہنستے ہیں تیکی کے بلام	آج ہم غیرت تاتار ہیں لو اور سنو

بقا۔ شیخ بقاء اللہ خاں نام تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے۔ حافظ لطف اللہ خاں خوشنویس کے بیٹے تھے میر۔ اور سودا کے معاصر تھے۔ مگر دونوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اردو میں شاہ حاتم اور فارسی میں مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے۔ مولوی عبدالغفور نساخ مرحوم نے اپنے تذکرہ سخن شعرا میں انھیں غلطی سے میر درد کا شاگرد لکھا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ پہلے ان کا بقا تخلص نہ تھا بلکہ غمگین لکھتے تھے پھر نہ معلوم کیا یک کیا جی میں آئی کہ اس تخلص کو چھوڑ کر بقا بن گئے۔ آخر میں ترک وطن کر کے لکھنؤ آ گئے تھے۔ یہیں میر اور سودا سے معرکے ہوتے تھے۔ اسی بنا پر انھیں ہجو کہنے کی ضرورت پڑ گئی تھی چونکہ خوشمذاق ظریف الطبع تھے۔ اس لئے انہیں ظرافت کا رنگ چڑھا کر سکتے تھے روح پھونک دیتے تھے۔ میں بہت مہذب ہجووں کے دو چار شعر لکھتا ہوں۔

ایک مرتبہ میر تقی میر نے یہ شعر لکھا۔

دے دن گئے کہ آنکھیں ندیاں سی بہتیاں تھیں　　سوکھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دوآبا

بقا نے بھی یہ شعر سنا گمان پیدا ہوا کہ میر صاحب نے سرقہ کیا اور میرے ان
دونوں شعروں سے یہ دوآبہ کا مضمون اڑا لیا۔

ان آنکھوں کا نت گریہ دستور ہے　　دوآبہ جہاں میں یہ مشہور ہے

سیلاب سے آنکھوں کے رہتے ہیں خرابی میں　　ٹکڑے جو مرے دل کے بستے ہیں دوآبے میں

بس پھر کیا تھا بگڑ گئے اور ایسے بگڑے کہ یہ قطعہ لکھ ڈالا۔

میر نے گر ترا مضمون دوآبے کا لیا　　اے بقا تو بھی دعا دے جو دعا دینی ہو
ایجدا میر کی آنکھوں کو دوآبہ کر دے　　اور بینی کا یہ عالم ہو کہ تربینی ہو

اس کے بعد غالباً میر صاحب سے اور ان سے چل گئی ایک اور قطعہ کہا۔

میر صاحب پھر اس سے کیا بہتر　　اسمیں ہو دے جو نام شاعر کا
لیکے دیوان پکارتے پھریے　　ہر گلی کوچے کام شاعر کا

ایک جگہ میر اور مرزا دونوں کو لے ڈالا ہے فرماتے ہیں

میر و مرزا کی شعر خوانی نے　　بسکہ عالم میں دھوم ڈالی تھی
کھول دیوان دونوں صاحب کے　　اے بقا جبکہ ہم نے زیارت کی
کچھ نہ پایا سوا اسکے سخن　　ایک تو تو کہے ہے ایک ہی ہی

تھے ہم استادہ ترے در پہ سو لے بیٹھ گئے　　تو نے پایا بقا اٹھنے لے دشت بیٹھ سکے
آئینہ دیکھ کے کہتا ہے کہ اللہ رے میں　　اسکا میں دیکھنے والا ہوں بقا واہ رے میں

ان اشعار کے سوا اور ظریفانہ شعر دستیاب نہ ہو سکے۔

مبکائی - اودھ پنچ سابق کے کوئی نامہ نگار ہیں - ۶ - اپریل ۱۹۱۶ء کے
اودھ پنچ میں آپ کا یہ نوحہ - اس مختصر دیباچہ کے ساتھ درج ہوا تھا -
نوحہ رقت و خجالت افزا حسن اتفاق سے نوحوں - سوز دل - مرثیوں کی
فصل - رونے رلانے کی بہار ہے چنانچہ بالفعل اپنی مسرتوں آرزوؤں کے قتل
وکشتہ ہونے بلکہ مرے دل سے پوچھیے تو شہادت پر ایک نوحہ حسب حال عرض کیا ہے
کیا عجب لوکل سلف گورنمنٹ اور اس محرم کے اجتماع میں یہ نوحہ ہند وستانیوں
کے بیت سے دلوں میں رقت پیدا کرے -

چنگی کا میں حاکم تھا بااطاناگی - ہے ہے مری شاہی
کرتا تھا میں ہنوں کی بڑی پشت پناہی - ہے ہے مری شاہی

افسوس عجب طرح کی آئی یہ مصیبت - ذلت ہوئی ذلت
چنگی کی حکومت گئی آپہونچی تباہی - ہے ہے مری شاہی

کرتا نہیں اب و صفائی مری عزت - یہ کیا ہے بغاوت
مہری یہ حکومت ہے تنالی بیا آئی - ہے ہے مری شاہی

پارٹی سے ہوا نام مرا بورڈ سے خارج - اب ہے دیا چارج
بیکار ہی بیکار لگی منھ کو سیاہی - ہے ہے مری شاہی

یہ سچ کیا غضب تو تپ آگئی مجھکو - اے میرے مجو
خون تھو کا جو بھائی نے تو وحشت آگئی - ہے ہے مری شاہی

اک بھائی کے دلبر تھے لگے تیر سے چلنے - لگا تیل سا دہلنے
جب بورڈ میں جا نکلی ہوئی میری منادی - ہے ہے مری شاہی

کمبخت مجھے تحمل ذرا راس نہ آیا - غیرت کو گھٹایا
کالا ہوا منھ بٹہ لگی قسمت کی سیاہی - ہے ہے مری شاہی

سنے تو بہت چاہا رہے ممبری قائم - ہو بلکہ وہ دائم
قسمت ہی بری تھی کہ خدا نے نہیں چاہی - ہے ہے مری شاہی

میٹنگ میں تو سب ووٹ مخالف مرے آئے - غیر ہیں کے سکھائے
دیکھا جو یہ چپکے سے ہوا گھر کو میں راہی - ہے ہے مری شاہی

سب ایک ہوئے اور اکیلا مجھے رکھا - فریاد خدایا
رو رو کے میں دیتا رہا گو بتری دہائی - ہے ہے مری شاہی

وقت آیا جو اسکا کریں میری اعانت باقی رہے عزت
منھ پھیر لیا یاروں نے الفت نہ نباہی - ہے ہے مری شاہی

تیجا [illegible] ہمیشہ ہی ہوا ہے - آخر کو جھٹکا سے
لی دو ٹکی میں نے تو لگی منھ پر سیاہی - ہے ہے مری شاہی

بلیغ - محمد نثار الحسن نام ہے - مین پوری کے رہنے والے ہیں - زمانۂ حال کے ایک

خوش فکر ظریف شاعر ہیں۔ اردو و فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں۔ مجھے اردو کا کلام نہیں مل سکا فارسی کے کچھ شعر رنگ ظرافت میں ملے جو نمونہ کلام میں درج کرتا ہوں۔

ہزاراں حسرت تا قرحام براین ہمت عالی — کہ من مرغوبہ خود را در آغوش دگر دارم
چو دستم شد حمائل گفت آں نازک مزاج من — بترس از من کہ یک خونخوار خنجر در کمر دارم
خوشا روزے کہ آں پر خور آید در کنار من — بسا خربوزہ و تربوز دارم نیشکر دارم
بلیغ بالغ بلیغو بلاغت صرف کن اینجا — کہ ہر اہل بلیغ گوید کہ من سوئے نظر دارم

بلبلی:- یہ مافوق العادت والفطرت تخلص پنڈت رام نرائن صاحب شیدا کا ہے۔ آپ فرخ آباد کے رہنے والے اور زمانہ حال کے ظریفوں میں ہیں۔ علمی قابلیت کی بابت اتنا ہی معلوم ہے کہ اردو لکھ پڑھ بھی نہیں سکتے۔ ہندی خط میں غزل لکھتے اور پڑھتے ہیں۔ بعض بعض شعر اچھے کہتے ہیں۔ بد قسمتی سے مجھے صرف ایک ہی غزل مل سکی جو انتخاب کرکے درج کرتا ہوں۔

یار کے گھر دعوت شیراز کی تدبیر ہے — دیگ میں دیکھا تو بس کفگیر ہی کفگیر ہے
وائے قسمت میرے نسخہ میں اک قم انجیر ہے — چارہ گر اتنا نہ سمجھا عشق کی تخیر ہے
[illegible] ہمیشہ [illegible] — دخت رز ہے نور چشمی یا تری ہمشیر ہے
ہو ازل سے ہی یہ دیوانوں کے رہنے کا مقام — تجھ کو کیا اے قیس تیرے باپ کی جاگیر ہے
ایک مکتب میں پڑھے اور ایک ہی استاد سے — سیرا ہی رشتہ سے لیلیٰ قیس کی ہمشیر ہے
اے بلبلی مر اپنے فن پہ کیوں نازاں نہ ہو — مضحکہ انگیز شہرت میری عالمگیر ہے

بھنڈریہ:- عجیب و غریب تخلص ہے کسی نامہ نگار اودھ پنچ سابق کا جس کے

لفظ لفظ سے شوخی ٹپکی پڑتی ہے - ایک نظم جو ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے - وہ لکھکر حضرت بندریہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ چند شعر حضرت سعدی کے تتبع میں کہے ہیں - گویا طرح یہ قرار دیا گیا ہے - ہمچناں از طویلۂ خر بہ -

دست خالی ز کیسہ پر زر بہ　　بد نمائی بحال خوشتر بہ
از ہمہ ارزلاں بور وبین　　پایۂ ہندیاں فراتر بہ
من بہ کعبہ روم ز ترکستان　　از رہ مستقیم چکر بہ
ایلچے ہم بکار می آید　　خر عیسی بحال خود خر بہ
وضع خوشش اختیار باید کرد　　ریش کوتاہ را کلاں سر بہ
تا نہ گردن کنند پیا لیشں　　خاکساری شما را احقر بہ
ہیچ‌کل خواب را نمود نیست　　تو بود خواہ کہنہ چھپر بہ
قند زنگی نہ نیشکر آید　　چوں شکر سید ہر چقندر بہ
مفلسانیم در بساط حیات　　اسپ اگر نیست مہرۂ خر بہ
خرس روسی و شیر جاپانی　　جانا یل چون غزال اصغر بہ
ایشیا فتح کرد یورپ را　　ایسا چنیں ذکر عیش اکثر بہ
چیست مردی زمانۂ انگریزی　　تیغہا در نیام خنجر بہ
چوں یکے اہل فارس شعر شنید　　ہنسکے گفتا کہ اور خوشتر بہ

بواسحاق اطعمہ ایک نہایت مشہور و معروف ہزال اور ظریف تھے جنکی نسبت معلوم ہوا ہے کہ عہد محمد شاہی کے اوائل میں دہلی میں تھے - اور اس زمانہ کے دستور کے موافق ایک بہت بڑا مکتب قائم کر رکھا تھا - جس میں اُس وقت کے بڑے بڑے شرفا کے بچے تعلیم پاتے تھے - چنانچہ میر جعفر زٹل بھی انھیں کے ایک ہونہار

شاگرد ہیں۔ میر صاحب اور ابو اسحاق کے متعلق چند لطائف بھی مشہور ہیں جو بجنسہ درج کرتا ہوں۔

ابو اسحاق چونکہ خود بدرجۂ اتم شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ اس لئے جب شاگردوں کا رجحان اس طرف دیکھتے تو بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ ایکدن اپنے شاگردوں کو کچھ شعر سنائے۔ میر جعفر زٹل نے غور سے اُن اشعار کو سنا اور جی چاہا کہ خود بھی کچھ کہیں۔ مگر ابتدائی رکاوٹیں اس شوق کے پورا ہونے میں مانع آئیں خاموش ہو کر بیٹھ رہے پھر کچھ جوش پیدا ہوا تو کچھ شعر کہے استاد نے دیکھا کہ ان سے تو اور ندمت ہوتی ہے میر صاحب کو بہت ڈانٹا۔ چونکہ شعر قابل اندراج نہیں ہیں اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ ابو اسحاق کی بیوی کو شامت اعمال سے بخار آ گیا۔ مولویوں کا دستور ہے کہ جب کوئی پریشانی ہو تو چڑچڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ جناب اس عالم پریشانی سے بہت ہی چڑچڑے ہو رہے تھے شاگردوں کو بات بات پر مارنا شروع کیا لڑکوں میں صلاح ہوئی اور جعفر زٹل سے کہا کہ آج مولوی صاحب کی شان میں کچھ لکھو۔ جعفر کو یہ فرمائش پوری کرنا پڑی اور بہوت بڑا ارا نامہ جو ابتک انکی کلیات میں ہے لکھ ڈالا جس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

درد پڑھ تا دعلی راکش و بیتال کو باندھ ‏ درد پڑھ نا دعلی جن و گر ولال کو باندھ
درد پڑھ نا دعلی پھیروں گھڑیال کو باندھ ‏ درد پڑھ نا دعلی پھوڑوں کے سر بال کو باندھ
درد پڑھ نا دعلی بے خرد جال کو باندھ

ہو بیدے باہر تو اسے چھوڑ کے چل جا ‏ باندھ کے نکا تپسٹ بھاگ کے آگے سٹر ل جا
کر اور کسو آدم و حیوان پہ عمل جا ‏ آ تو بھی کہا مان شتابی سے نکل جا
بسم اللہ و الحمد کی برکت سے نکل جا
یا شیشہ میں ہو بند و یا آگ میں جل جا

چونکہ ابو اسحاق اکثر اپنی ظرافت میں صرف مزے دار طرح طرح کے کھانوں کا

زیادہ ذکر کیا کرتے تھے اس واسطے ان کے نام کے ساتھ اطعمہ بھی شامل ہو گیا تھا
ان کا کلام بہت تھا مگر اب کمیاب ہے۔

من آن نیم که ز حلوا عنان بگردانم — که ترک صحبت شیرین نه کار فرهاد است
کسے بجوہر یکدانہ نخود نہ رسد — که قفل حقهٔ کیسا بیاچه کشاد است
دگر مگوے که نان نو عروس سفرهٔ ماست — که این عجوزه عروس هزار داماد است
نوشته است ز روغن بچهرهٔ حبشی — که این سیاه زبال زعفر آزاد است
چه می بری لبے کاسه لیس بر سنجاق — بسنج زرد و عسل روزی خداداد است

به پشم در سحرگاهان گر آری صحن نهر را — ببوے نیکوش بخشم سمرقند و بخارا را
کباب آهوے فربه گر آری غنیمت‌ها — کنار آب رکناباد و گلگشت مصلا را
جمال برهٔ بریان و حسن دنبهٔ فربه — چنان بردند صبر از دل که ترکان خوان یغما را
چه آرائی بمشک و زعفران رخسار فالوده — برنگ و بوے و خال و خط چه حاجت روے زیبا را
بگو سنجاق وصف خوشهٔ انگور مشقالے — که بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

نمی گردم ز ذکر قلیه حسنالی — بچشکر بو رقم فی کل حال
سحر برخیزم از بهر هریسه — و من طلب العلی سهر اللیال
درون رشتهٔ آن خورشید شلغم — کان الشمس فی جوف اللیال
چو از هم میدرم مرغ مسلم — فما ادری یمینا عن شمال

بوبک ایک بیاض قلمی میں بوبک بڑھانوی کے نام سے چند شعر گزرے۔ اور نام و حالات وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ میں اپنے قیاس کی بنا پر کہتا ہوں کہ یہ شاید بوڑھانہ

ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہوں گے - ان کے جسقدر شعر ہیں بڑھاپے کی مذمت میں ہیں یا بیوی کی شکایت ہے جو سننے والے کو ہنساتی بھی ہے اور رولاتی بھی ہے - اغلب کہ بوبک نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں شادی کی ہے اور اس کا خمیازہ اٹھانا پڑا ہے - ظلم و ستم سے چیخ اُٹھے ہیں - وہی شور وہی ہائے واویلا پیدا کرکے موزوں بنی ہے اور شاعری بنکر رہ گئی ہے - اگر یہی بات ہے تو بوبک تخلص بہت ہی موزوں ہے - کریما کے بعض بعض مصرعوں پر مصرع لگائے ہیں بعض کو تضمین کیا ہے - ان کے اکثر اشعار متانت اور سنجیدگی سے دور ہیں - اسی لیئے اُن کو نظر انداز کرکے ہم چند ظریفانہ شعر نقل کرتے ہیں -

جب دانت گرے اور بڑھی بالوں کی سپیدی ... شوہر کی جگہ کہتی ہے جورو مجھے گیدی

ہوئی پیری کے ہاتھوں ہمت پست ... گرتے پڑتے ہیں جیسے کوئی مست
کبھی نزلہ کبھی زکام اور دست ... خوے بد در طبیعتے کہ نشست
نرود جز بوقت مرگ از دست

بڑھاپے میں کیوں بیاہ ہم نے کیا ... کریما بہ بخشا بے بر حال ما
کہا کر یہ جورو سے اے بوالہوس ... نداریم غیر از تو فریاد رس
یہ کہتی ہے جورو ہمیں برملا ... کہ ہستی اسیر کمند ہوا
وہ بولی جو ہم نے اشارا کیا ... نگہدار مارا ز راہ خطا
میں کہتا ہوں اس سے کہ اے فاحشا ... خطا درگزار و صوابم نما

لڑیں وہ عروسی کی شب رات بھر ... کبھی مارے گھونسے کبھی ٹیکا سر
بنایا کبھی مجھکو اپنا پدر ... تو میں نے کہا اس سے تنگ آن کر
تکبر مکن زینہار اے پسر ... کہ روزے زمستش درآئی بسر

بوم ۔ شبیر محمد خاں نام ہے۔ ہاپوڑ ضلع میرٹھ کی تحصیل میں چپراسی ہیں۔ متین کلام میں فوق تخلص کرتے ہیں اور ظرافت میں بوم۔ چودہ پندرہ برس پہلے میں بھی ان سے ملا تھا اسوقت کچھ زیادہ مشہور و معروف نہ تھے۔ مگر اس زمانہ میں ظرافت کی بدولت اچھا خاصہ نام پیدا کر لیا۔ اکثر ان کی ظرافت فواحشات کی حد تک پہونچ جاتی ہے۔ چونکہ خود بھی اسی قسم کے آدمی ہیں اس لئے زیادہ تر کلام کی بنا بھی اسی طرح کے انداز کلام پر رکھتے ہیں۔ اب سنا ہے کہ میخواری اور عیاشی میں پھنسکر کچھ غبن وغیرہ کیا اور اُس کی بدولت زندانِ فرنگ کی ہوا کھا رہے ہیں۔ ان کے شعر جو ظرافت کی حد میں ہوتے ہیں نہایت دلچسپ اور قابل انتخاب ہوتے ہیں۔ مگر افسوس کہ میرے پاس ان کا کلام نہ پہونچ سکا۔ اگرچہ تلاش میں میں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا مگر کسی طرح کامیابی نہ ہو سکی۔ اس زمانہ میں جب تذکرہ لکھ رہا ہوں ہاپوڑ کے کئی احباب کو لکھا مگر جواب نفی میں آیا۔ چند شعر مل سکے وہی درج کرتا ہوں۔ اسوقت ان کی عمر تخمیناً چالیس برس کی ہو گی۔

جس زمانہ میں مہاتما گاندھی کھدر کا پرچار کر رہے تھے۔ اُسوقت گاڑھے کی قیمت اچھے اچھے کپڑوں سے بھی بڑھ گئی تھی۔ اور جولاہوں نے ہر ایک کپڑے سے زیادہ نرخ بڑھا دیا تھا اُسی سے متاثر ہو کر بوم نے یہ نظم اور اسی قسم کے اور بہت سے شعر لکھے تھے چند اشعار جو ہمکو مل سکے لکھے جاتے ہیں۔

پہلے سے نہیں مفلس و محتاج جلاہے ۔۔۔ اب بھرنے لگے کوٹھیوں میں ناج جلاہے
لیڈر تو گئے قید میں اک راج کی خاطر ۔۔۔ بیٹھے ہیں دبائے ہوئے سوراج جلاہے

جب کہ دنیا میں خلافت کی دہائی ہو گئی ۔۔۔ اچھی خاصی ان جلاہوں کی کمائی ہو گئی
ہو تو ہی کس طرح ملبوس کھدر کو بھلا ۔۔۔ چودہ آنے سیر گاڑھے کی کمائی ہو گئی

کیا کہوں شوق ہوس نے مجھکو اندھا کر دیا
کیا خبر ہے بیخودی میں میں نے کیا کیا کر دیا

کیا ذرا سی بات تھی جسکا فسانہ کر دیا
میں نے اک بوسہ لیا اور تم نے دعوی کر دیا

خود ہوے بدنام اور مجھکو بھی رسوا کر دیا

کہہ دیا دامن پکڑ کر صاف میں نے اُنسے آج
کس لیئے رکھا ہے سر پر یہ مسیحائی کا تاج

پوچھنے کے واسطے آے نہ تم میرا مزاج
ہو نہیں سکتا جو تمسے درد فرقت کا علاج

تمکو کس الو کے پٹھے نے مسیحا کر دیا

رہگیا تھا میں ہی کیا پٹنے پٹانے کیلیئے
کوئی بھی آیا نہیں میرے بچانے کیلیئے

اور تو ایجان تھا سب گھر میں کھانے کیلیئے
صرف ترکاری نہ لایا تھا پکانے کیلیئے

مارے گھونسوں کے مری بیوی نے بھرتا کر دیا

ٹھہرنے دیتا نہیں یکجا اُسے دوران سر
یہ کبھی اس شاخ پر بیٹھا کبھی اس شاخ پر

دیکھ لو خالی نہیں جاتا تخلص کا اثر
بوم کو کچھ بھی نہیں اپنے سر و پا کی خبر

شاعری نے آپ اُسے الو کا پٹھا کر دیا

نہ مل رنڈی سے تو یہ قوم ہے بد
ہوا ہے تجربہ یہ مجھکو بیحد

اگر جوتے اُسے گارو کا گارد
زمین شور سنبل بر نیارد

درو تخم عمل ضایع مگردال

....

بھسنڈ ایک شاعر کا مجہول الاسم کا تخلص ہے۔ صرف کلام مل سکا درج کرتا ہوں۔

دل مرا مجھ سے چھین کر بھاگا
ہست تری دُم میں سوت کا دھاگا

جب ناچ دیکھنا ہوا منظور یار کو — فوراً مجھے مداری کا بکرا بنا دیا

خطاؤں پہ مرے اکثر عطا کرتی ہی جاتی ہے — مری بیوی برابر مامتا کرتی ہی جاتی ہے

دنیا بدل گئی ہے کھلاڑن بناؤں گا — اب اپنی بیوی کو میں تنبولن بناؤں گا

کھاتے کھاتے راتدن کمبخت عادت ہوگئی — کوئی ترکاری نہیں بھاتی ہے بینگن کے سوا
والدہ نے یہ شرافت کی مری تدبیر کی — سیدوں کے پاس رہ کر مجھکو سید کردیا

پوچھتے ہیں نام ہسبنڈ تمسے لوگ — کہہ بھی دو الّو کا پٹھا نام ہے

دی ایک چپت ایسی گالوں سے لہو نکلا — وہ بھوتنی والا تو بیرا بھی گرو نکلا

....

اپنی ٹوپی پہ نام لکھتا ہوں — کھوپڑی کا فقط بچا نا ہے
جسمیں گئے ہم عدم میں اے ہسبنڈ — اک بڑا وہ بھی کارخانا ہے

وہ مری قطع دیکھکر بولے — یہ تو مسجد کا کوئی ملّا ہے

جام جم میں نے بارہا دیکھا — کھوپڑی سے مری نہیں ملتا

چوٹیں کرتا ہوں خوب لوگوں پر — پھر بھی جوتا کبھی نہیں ملتا

نہ کوئی ڈاکو ہوں نہیں اور نہ کوئی چور ہوں میں — حرام خور نہیں ہوں حلال خور ہوں میں

کان اکثر کھڑے ہی رکھتا ہوں — جب سے دنیا نے گوشمالی کی

میری بیوی بچہ کش ہے — میں مہینہ میں نکالوں اور وہ نو ماہ میں

بیڈھب۔ ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں مشفقی قمر بدایونی کے
شاگرد ہیں نوجوان زندہ کلام سے نومشقی کا عالم نمایاں ہے اگر کہتے رہے
تو شاید کسی وقت اچھا کہ مجموعہ تحفۂ ظریف کے نام سے چھپ گیا ہے جس میں
زیادہ تر بیڈھب کا اور با دیہاتیوں کا کلام ہے۔ پورے مجموعہ کو پڑھکر
چند شعر انتخاب کیے گئے ہیں دلی سے زیادہ نہیں ہیں۔

حمد خدا میں بیڈھب زور قلم دکھانا — ایسا ہے جیسے چھپر افلاک پر چڑھانا

اک آدھ آتشیں ہیں ڈبل کام ہو گیا — اُن کو بخار غیر کو سرسام ہو گیا
دو سیر باجرے کا ملیدہ اڑا گئے — لالہ کا پیٹ کیا ہوا گودام ہو گیا

بہن سے ڈروں گا نہ ماں سے ڈروں گا — جو والدہ کہیگی وہ بیشک کروں گا
نہ ہوگا اگر تم سے میرا مداوا — تو میں ساتھ اپنے تمہیں لے مروں گا
اگر آپ دل مجھکو واپس نہ دینگے — تو میں آج سرقے کا دعوی کروں گا
اگر سخت جانی مری کام آئی — تو قاتل کو بھی مار کر ہی مروں گا

گدھا ہوں تو لوں گا نہ بوسہ تمھارا — بس اب آج سے خط کا سبزہ چروں گا
اگر ساس نے مان لی میری بنتی صاحب — تو میں اپنا بے قبل گونا کروں گا

ہمارے بس میں نہ ہو سکے وہ عیار ہو جاتا — کہ مکتا نہ پڑا رسم ہوتے وہ جو کہیدا رہو جاتا

ڈھولک بجا بجا کر گاتا تھا اک نہ نا نا — اب کے جنم میں یارب جو رکھیں بنانا
اس راگ پر ہو لعنت یہ بھی کوئی گانا — تا دیم دیم ورنا تا دارے دیم تانا

کیا وہ مرجائی مجھے ڈھونڈھے لیگا جو کبھی — ایک سو دس میں گرفتار نہ ہونے پایا
بار ہا بیٹھ گئے ہار کے جھنگی والے — راستہ عشق کا ہموار نہ ہونے پایا
عمر چالیس برس کی ہوئی ان کی لیکن — آج تک سبزہ نمودار نہ ہونے پایا
کوئی انسان سبب مرگ طاعون تھا تو — کبھی جانبر ترا بیمار نہ ہونے پایا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا — سائیکل اللہ نے دی تھی مگر پیڈل نہ تھا
وارڈ ول کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے — گیس کا ہنڈا اٹھا بیٹھ مہاراج ادھر تھا

قحط کی عید بھی ہے موت کا ساماں ہونا — ضعف آنتوں کو سکھاتا ہے دو تاں ہونا
آخر وقت ہر اک چیز مزا دیتی ہے — قابل قدر ہے آموں کا بھیتاں ہونا
یہ بھی مذہب ہے کہ ناگاہ میں تو رہنا پنڈت — اور کچھ روزے کے دن آئیں تو مسلماں ہونا

قحط میں کیسا جھمیلا عید کا — پھنس گیا دلدل میں ٹھیلا عید کا

مفلسی اسپر یہ برخورداریاں — عرس افطار اور میلا عید کا
ہیں یہ جبے اور یہ لندن کا بوٹ — شیخ جی ہیں یا بھنڈیلا عید کا
عیش کا ٹٹو تو لدکر چلدیا — رہگیا خالی طویلا عید کا

دل میں اتراتے ہو کیا غیر کو اپنا کہکر — ہوش میں آؤ کریلا کہیں میٹھا ہوگا
دل لگانے کی مزا اب مجھے کیا دینگے — قید ہوگی کہ ضمانت کہ مچلکا ہوگا
سود پیری کا بڑھا جب عمر کی نقدی کیساتھ — ہوگیا نیلام اُن کے حسن کی دوکان کا
تنگدستی کا یہی عالم رہا بیڈھب اگر — عید کے دن بھی مزا آجائیگا رمضان کا
رات یہ اندھیر کیا بزم بتاں پرفن میں تھا — غیر تو دالان میں رہتے تھے اور میں آنگن میں تھا

ترقی کے زمانے میں بھلا ایسی گھٹی کیوں ہو — خدا نا خواستہ جورو ہماری بے پڑھی کیوں ہو

جو نہ شوقین ہوا ایسا نہیں دلبر کوئی — پالتا ہے کوئی بلبل تو کبوتر کوئی
جذبۂ دل نے جو انھیں ٹانگ پکڑ کر کھینچا — وہ یہ سمجھے کہ ہے پتلون کے اندر کوئی
پہلے معشوق انھیں لوگ کہا کرتے تھے — اینٹو جیب پسٹ کوئی کہتا ہے مچھندر کوئی
بیسیوں چاہنے والوں کی ضرورت کیا ہے — ناز اٹھواؤگے تم اُس سے کہ چھپر کوئی ✓

بیکس مرزا محمد نام تھا عظیم آباد کے باشندے تھے ہجو گوئی اور ظرافت میں ید طولی حاصل تھا مگر آج دستبرد زمانہ سے کچھ بھی نہیں بچا صرف ایک یہ رباعی ہے جو غالباً میر ماشاء اللہ اور میر انشاء اللہ کی ہجو میں کہی ہے اس سے اُن کے زمانہ کا اندازہ کیجیے

ظاہر میں تو ایسے ہیں کہ ماشاء اللہ — سب کہتے ہیں یادہ ہونگے انشاء اللہ

باطن میں جو دیکھا انھیں اتنے ہیں پوچ — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

بیگم — تذکرہ چمن انداز اور ماہ درخشاں میں لکھا ہے کہ ان کا نام رشک محل تھا پنجابن تھیں جو واجد علیشاہ آخری تاجدار اودھ کے متاع میں آئیں۔ اور پھر انتزاع سلطنت کے بعد بادشاہ کے ہمراہ کلکتے چلی گئیں وہیں انتقال کیا۔ ریختی کہتی تھیں چند شعر جو تذکروں میں ملتے ہیں درج کئے جاتے ہیں۔

بھیجوں گی سسرال میں تمکو حشا نم — نہیں مجھکو دوبھر ہے کھانا تمھارا
میری کنگھی چوٹی کی لیتی خبر ہو — یہ احساں ہے سر پر دگانا تمھارا
ہوا بال بیکا جو مرزا ہمارا — تو پھر ننگ ہے اور شانا تمھارا

گھر سے گانہ سکے دگانا مری مہمان گئی — میں یہ انگاروں پہ لوٹی کہ مری جان گئی

حرف پائے فارسی

لالہ پاگل داس اودھ پنچ کے ایک ظریف نامہ نگار تھے جن کی ۱۹۱۶ء کی لکھی ہوئی ایک قصیدہ چی مجھے بھی مل گئی زبان وہی جو ہر شخص سمجھ سکے گا۔ چندہ کی مذمت میں غالباً یہ شعر کہنے کی زحمت فرمائی ہے۔

ہمنے دیکھے بچے گدایانِ مسلمانے چند — چشمِ دل سے جو نگہ کی بھی بر دانے چند
شاغل و زندہ دل و راہ حقیقت آگاہ — بس وہی عاشقِ اللہ تھے شاہانے چند
خدمتِ قوم میں مصروف سدا رہتے ہیں — ہیچ شبلی ہوں و یا مہدی لبنانے چند
رات دن اُن کے لیے شغل عبادت ہے یہی — زرد پڑ جا کے اُن کو نہیں یارانے چند
ایک چمن ماں وہ فقیر ونکو بنادے ہیں شاہ — آسمانِ پر بھی نہیں اُن کے سے پاگلانے چند
گو کہ چھوٹی کیطرح سے ہے یہ بندہ لاثانی ضعیف — اس کے رتبے کو کہاں پہونچے سلیمانے چند
دلِ احقر میں یہ آوت ہے شب و روز مدام — ترک اکرم سے کروں دنیا والوانے چند

پرسی چھمن نامے ایک شخص دہلی کے باشندے کا تخلص تھا۔ جو ریختی کہنے پر مشاق تھا شاہزادہ مرزا رحیم الدین حیا (جو دہلی کے ایک مشہور شاعر تھے) سے اصلاح لیتا تھا۔ تذکرہ گلستانِ سخن میں لکھا ہے کہ نوجوان ہے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ چالیس پچاس برس ادھر اُن کی شاعری کا دور دورہ ہوگا۔ کلام کہیں یکجائی صورت میں نہیں مل سکا تین شعر گلستانِ سخن میں ملے۔ اور دو سخن شعرا میں۔

دنیا کے مردو سے مرے اُوپر فدا ہوئے ۔۔۔ مجھ آشنا مزاج کے سب آشنا ہوئے

اب کے تو مردوے ہی نہ تھا یا نہ ہوتا ۔۔۔ اگلے تماشبین خدا جانے کیا ہوئے

دن کو ہی آنا تھا تجھے ماہ صیام میں ۔۔۔ در گور مردوئے مرے روزے قضا ہوئے

شاہ چھچھا ۔ ایک آزاد لاابالی فقیر منش آدمی تھا ۔ دہلی میں قیام تھا ۔ وضع یہ تھی کہ کاغذ قلم دوات ہر وقت ساتھ رہتا تھا ۔ جہاں بیٹھتا تھا ۔ وہیں کچھ نہ کچھ کہہ لیا کرتا تھا ظاہر ہے کہ اس آوارہ گردی میں کلام کیا جمع ہوتا ۔ میر حسن چونکہ ان کے معاصر تھے صرف ایک شعر اُن کا نقل کرتے ہیں ۔

دل مرا گر دلبر یار کے منڈلاتا ہے ۔۔۔ پر فکر شور دُنکو چھو کہاں جاتا ہے

سٹیشنٹ سابق اودھ پنچ کے ایک نامہ نگار ظریف بذلہ سنج کا تخلص ہے جو غزل ذیل کی سب وہ لکھی جاتی ہے اس غزل کے لکھنے کی علت غائی خود مصنف کی زبان سے سناتا ہوں ۔ ملاحظہ ہو ۔ اودھ پنچ مرحوم کے نام لکھتے ہیں ۔

ڈیر پنچ ۔ آجکل آپ کے اخبار میں اُردو شاعری پر بحث ہو رہی ہے چونکہ اینجانب بھی قدرے پہلے شاعر تھے اور پھر کبھی بوقت ضرورت باز آمد بندہ مگر پختہ شاعر ہو سکتے ہیں لہذا اپنی رائے زریں سے آپ کو محروم رکھنا سخت احسان فراموشی ہے ۔ سنئے جناب بندہ اور ذرا گوش ہوش سے سنئے اردو شاعری پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ شاعر لکیر کے فقیر ہیں جدت کا مادہ نہیں ۔ اعتراض کسیقدر صحیح معلوم ہوتا ہے ۔ ہم صرف ایک شق پر بحث کریں گے شعرا نے صرف چند اعضاے انسانی لے لئے ہیں ۔ جن کا فراق اور وصال میں ذکر ٹھہرا دیا جاتا ہے ۔ ہم کہتے ہیں کیا خدا نے کوئی عضو بیکار بنایا ہے ۔ یا کوئی عضو ایسا بنایا ہے جو اس عشق کو حس نہ کرے جو سر سے پیر تک مخلوط ہو جاتا ہے ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ صرف دل جگر

آنکھ سینہ پہلو کا لگاتار سلسلہ ہے اور باقی اعضا جو شاید مادۂ عشق کے قبول کرنے اور متاثر ہونے میں اُن سے زیادہ قابلیت رکھتے ہوں چھوڑ دیئے جائیں۔ ہماری رائے میں سب کو درجہ بدرجہ اور رتبہ برتبہ یاد کرنا چاہئے۔ اس عمل درآمد کے بعد نیچرل شاعری کے اسکول والوں سے بھی صلح ہو جائے گی۔ بہر صورت ایک نئی غزل اس نئی طرز میں نذر ہے۔ یہ مشتے نمونہ از خروارے سمجھنا چاہئے۔ راستہ ہم نے بتا دیا ہے اب شاعران رنگین بیان طبع آزمائیاں کریں اور اس طرز جدید کو آسمان پر اڑا لیجائیں۔ حق ایجاد بنام موجد پیٹنٹ ہے تتبع اور تقلید کی اجازت عام ہے۔

اب میں وہ غزل جو واقعی طرز جدید ہے نقل کرتا ہوں ملاحظہ ہو۔

معدہ میں آگ عشق بدستور جلتی ہے
پھیپھڑوں کی دھونکنی مرے سینہ میں چلتی ہے

گردوں نے درد عشق میں آفت مچائی ہے
تلی غم فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے

چھینک آئی ہم نے شکر خدا کا ادا کیا
اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے

کروٹ بدل رہے ہیں شب ہجر یار میں
آنتوں میں زور شور سے بندوق چلتی ہے

تارے گنا کیا ہوں پڑا چیت شب فراق
اتنی دبی کہ ریڑھ کی ہڈی اچھلتی ہے

دانتوں کا دسترس نہ ہوا گوش یار تک
سچ ہے کہ بدنصیب کی کب دال گلتی ہے

شیر و شکر نقیص عشق میں یہ بھی بلا ہوئیں
لو آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے

تصویر یار ہم نے لگائی دماغ میں
کچھ کچھ شب فراق طبیعت بہلتی ہے

برسات آئی پھر وہی گڑبڑ مزاج ہے
پھر پیٹ میں فساد ہے پھر ناف ٹلتی ہے

پیام۔ نام شرف الدین علی خاں تھا۔ پیام تخلص تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے سراج الدین علی خاں آرزو کے شاگرد تھے مقتضائے طبع اور زمانہ کے دستور کے مطابق زیادہ تر فکر سخن فارسی میں کرتے تھے۔ کبھی کبھی اردو کے شعر بھی

کہہ لیتے تھے۔ اُن میں کہیں کہیں ظریفانہ اور نہایت شوخ مضامین قلم سے نکل جاتے تھے۔ اِن کے بیٹے سے میر تقی میر کی بڑی دوستی تھی۔ پیام عہد محمد شاہی کے ایک نامور اور ذی وقار شاعر تھے۔ ایک دیوان اِن سے یادگار رہے مگر نایاب ہے۔

دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے ۔۔۔ کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا ۔۔۔ ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

حرف تا، ٹ، ث

تبسم - مرزا عالیقدر نام ہے خاندان شاہی سے ہیں حضرت ظریف لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ لکھنؤ کے رہنے والے ہیں مگر فی الحال کلکتہ میں مقیم ہیں اور وہیں فوٹوگرافی کی دکان ہے۔ چند شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں۔ راقم نے ان کو ایک دو مرتبہ دیکھا ہے مگر باہمی کوئی تعارف نہیں ہے۔

مرگیا جو وہ کوئی عاشق فرضی ہوگا — جس پہ مرتا تھا وہ معشوق خیالی ہوگا

آ دبوچا جو مرے طائر دل کو اسنے — ناز اس شوخ کا شاید کوئی بلی ہوگا

کچھ قرابت تو زمانہ میں ہر اک سے ہوگی — کوئی سسرا کوئی سالا کوئی سمدھی ہوگا

خال رخسار اڑا دیتا ہے گر ہوش ہوا — عارض اس شوخ کا بارود کی کاتی ہوگا

در غلطاں شعرا دانت کو جب کہتے ہیں — تو یقیناً دہن یار بھی سیپی ہوگا

غل مچائے جو کسی کوچہ میں شب کو ہر روز — سچ تو یہ ہے کہ وہ عاشق نہیں پاجی ہوگا

بیگناہوں کو دیا کرتا ہے جو قتل کا حکم — یار کا ہے کو جو تیور کا قاضی ہوگا

جسکو لے لے کے مزے کھاتے ہیں ہر عاشق — غم نہ کہئے اسے وہ آم کی چٹنی ہوگا

کوہکن سے یہ کہا کرتی تھی آکر شیریں — دب گیا گر کہیں پتھر سے تو چٹنی ہوگا

تجھ پہ ہو جائیگا ظاہر وہ کسی روز ضرور — عشق کچھ چور نہیں ہے کہ جو مخفی ہوگا

جس میں تہذیب نہو ہو وہ ظرافت مہمل — حد سے بڑھ جائے تبسم تو وہ ہی ہی ہوگا

یاں یہ حالت ہے کہ ہم ہیں تا جسد داغ نہیں — وہاں سوال وصل کا پر کہتے ہیں وہ بھی ہم نہیں

ساقی گریز کرتے ہیں پانی سے بھنگیڑ پیے — گر لڑکھڑا گیا تو ہمیں گر پڑے ہوں

پردہ سسٹم کے مخالف ہو جو لیڈر صاحب — پہلے اپنی بیگموں کو لیڈیاں ہونے تو دو
پاک ہو جائیگی سب آب و ہوائے راہ عشق — صاف تم اپنی گلی کی نالیاں ہونے تو دو
انڈے بچے گھر پہ جا کر دیں گے کیا فخر ہما — آشیانِ شرق سے جاناں اڑان ہونے تو دو
آنکھوں میں ان ترک آنکھوں دور از انصاف ہے — اپنے عاشق کو ذرا نوشیرواں ہونے تو دو
اے تبسم خون پانی ایک ہو جائیگا پھر — شیرخوار ہے ابھی قاتل جواں ہونے تو دو

تپش تخلص تھا مرزا محمد اسمٰعیل نام تھا مرزا جان کے نام سے معروف و مشہور تھے۔ گو انکے آبا و اجداد بخارا کے رہنے والے تھے۔ مگر ان کی ولادت خاص شاہجہان آباد دہلی میں ہوئی۔ کبھی کبھی شستہ ظرافت کی طرف بھی توجہ کر لیتے تھے۔ میر درد کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ۱۸۱۴ء تک بخیر و عافیت کلکتہ میں موجود تھے اُردو کی متعدد کتابیں۔ بہار دانش شمس البیان ضرب الامثال انکی تصنیف ہیں۔ اگرچہ ان کی ظرافت اُس حد پر نہیں ہے کہ اس کو محض ظرافت کہا جاسکے مگر شستہ مذاقوں کے لیے ایک اچھی چیز ہے۔

سرک سرک کے پلنگ پر مچل مچل جانا — یہی ادا تو ہمیں بھا گئی تمھاری رات
نہ تیغ چل سکی مجھ پر تو منفعل ہو کر — لگا یہ کہنے کوئی اسکے ہے بندھا تعویذ
میں نے کہا کہ رکھتا ہوں کچھ تم سے التماس — کہنے لگا کہ سمجھے ہیں جو التماس ہے
غصہ اٹھا اٹھا کے یونہی بار بار کا — اے دل مزاج تو نے بگاڑا ہے یار کا

تجلی منشی سید منتخب الدین دہلوی۔ آپ کا ظریفانہ ایک شعر مل سکا۔

شیخ کل میکدے میں بیٹھا تھا — آدمی کیا تھا اک تماشا تھا

تجلی تخلص تھا۔ میر محمد حسین نام تھا حاجی کے عرف سے معروف تھے۔ میر تقی کے بھانجے تھے۔ بیگم کے باغ واقع چاندنی چوک دہلی میں سکونت رکھتے تھے۔ مصنف سخن شعرا اور گلشن بیخار۔ خمخانۂ جاوید سب اسبات پر متفق ہیں کہ یہ نہایت ظریف نکتہ سنج تھے مگر افسوس کہ کسی نے وہ کلام نقل نہیں کیا۔ جو افسردہ دلوں کے لئے کشت زعفران اور نقل محفل بنجاتا پھر بھی جو کلام تذکروں میں ملتا ہے اس میں سے جب انتخاب کیا جاتا ہے تو کچھ کلام ایسا ملجاتا ہے جس سے ہلکی ہلکی ظرافت کا پتہ چلتا ہے۔ وہی درج کرتا ہوں سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ میر تقی نے اپنے تذکرہ نکات الشعراء میں ان کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ انتخاب کلام یہ ہے۔

مجھے کہتے ہیں کیوں رسے تو وہ ہے جو رو دکھتا تھا | الٹی اسکے پاؤں تک سر لے آرزو پہونچا
ہوا گستاخ اب ایسا کہ کچھ خطرہ نہیں کرتا | کبھو چھاتی پکڑتا ہے کبھو بانہہ کبھو پہونچا

کر گلے شکوہ کو موقوف میاں بس چپ رہ | میں بھی بولوں گا تو ناحق تو خفا ہووے گا
آنکھیں خدا نے دیکھنے کو دی ہیں میری جان | دیکھا تری طرف کو کسی نے تو کیا ہوا

تصوّر۔ ذکی الدولہ میر تصور علی داروغہ خلف میر صفدر علی خاں باشندۂ بنارس کا تخلص تھا۔ آپ عرصہ تک لکھنؤ میں بھی مقیم رہے ترتیب تذکرہ سخن شعراء کے وقت میں زندہ تھے۔ مولوی عبدالغفور صاحب نساخ نے لکھا ہے کہ ان کا ایک دیوان ریختی میں ہے۔ مگر افسوس ہے کہ باوجود تلاش مجھے نہ مل سکا اسی لئے کلام کے لکھنے سے معذوری ہے۔

تمکین۔ مولوی غلام بتول خاں صدر امین ضلع بیر بھوم خلف مولوی غلام رسول خاں

متخلص بہ تحسین کا تخلص تھا۔ مولوی عبدالغفور نساخ مصنف تذکرہ سخن شعرا کے دوست تھے
مولانائے مرحوم نے لکھا ہے کہ بیشتر ریختی کہتے تھے مگر افسوس ہے کہ کچھ نمونتاً بھی کچھ کلام ریختی اور نقل
نہیں کیا۔ مجھے صرف ایک شعر مل سکا ۱۲۸۸ھ میں دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

بوا کتنے ہرجائی یہ مردوے ہیں　　کوئی نوچ لیوں ان کے نخرے اٹھائے

تونی ایران کی ایک مخدرہ عصمت مآب کا تخلص ہے۔ مرزا کمال الدین سنجر قزوینی
کی شاگرد تھی۔ ظریفہ تھی اور کبھی کبھی تفنن طبع کے طریق پر کچھ ظریفانہ شعر کہہ لیتی تھی۔ اگرچہ
کلام مل نہیں سکا۔ مگر تذکرۂ اختر تاباں سے ایک رباعی جو واقعہ طلب ہے نقل کرتا ہوں۔
واقعہ یہ ہے کہ ان کے شوہر ایک ایرانی مذاق کے بزرگ تھے۔ تونی بیچاری ان کی اس
غیر فطری حرکت سے باخبر تھی بہت کچھ سمجھاتی تھی مگر انپر کوئی اثر نہ ہوا آخر عاجز ہو کر ان کو یہ
رباعی لکھ بھیجی۔

آن شوخ کہ ہست حسن عالمگیرش　　یارب چہ شود شبے بخوابم زیرش
اے خواجہ بیا تا من و تو صلح کنیم　　تو با کونش بساز و من با کیرش

تونی آتون۔ ملا بقائی کی جو ایک مشہور و معروف شاعر تھی بیوی تھی ———
میر نظام الدین علی شیر کے زمانہ میں زندہ تھے۔ نہایت خوش مزاج تھی شوہر اور بیوی میں
اکثر مطارحہ ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے شوہر نے یہ رباعی کہی۔

یاران ستم پیرہ زنے کشت مرا　　کاواک شدہ چونے از و پشت مرا
گر پشت بسوے او وقت خواب کنم　　بیدار کند بضرب انگشت مرا

تونی آتون نے جواب میں یہ لکھا۔

ہم خوابگی شست رگ گشت مرا　　رونے نبود از و بجز پشت مرا

قوت نہ چنانکہ پا تواند برداشت   بہتر بود از پشت دو صد مشت مرا

جواہر العجائب میں بجاے اس کے یہ رباعی ہے۔

ملا ہمہ ناز و غمزہ ات کشت مرا   تا چند زنی طعنہ بانگشت مرا

شبہا ہمہ پشت سوے من خواب کنی   بگذار کہ واگرفت از پشت مرا

حرف تائے ہندی

ٹٹیری۔ کوئی ظرافت مآب شاعر ہیں جنکا نام اور حال معلوم نہیں یہ تین شعر اُن کی طبع وقاد کے دریائے ناپیدا کنار سے نکلے ہیں جو ہدیۃً پیش کرتا ہوں۔

جب وہ آتے ہیں میں رو دیتا ہوں　　جب وہ جاتے ہیں میں ہنس پڑتا ہوں
غیر سے رہتی ہے الفت مجھکو　　اور اپنوں سے سدا ڈرتا ہوں

تری فرقت میں او ظالم مری نکسیر چلتی ہے　　مگر خوں میں نہانے کی یہی تدبیر چلتی ہے

ٹریڈ مارک۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار کا فرضی اور عارضی تخلص ہے۔ موجد پٹینٹ کی غزل پر خمسہ لکھا ہے۔ اور خمسہ کی پیشانی پر یہ دلچسپ عبارت درج کی ہے۔

پنچ۔ آداب عرض جناب من۔ دنیا اور اُسکی مضافاتی بکھیڑیا دھسان اُلٹی کھوپڑی کی مخلوق نے ناک کھاتے کھاتے کان ہیں دم کر دیا ہے۔ جب ہمیں خدا نظر موزوں طبع بصیر دے گا۔ تو شعر کا مذاق تا بقائے حیات کیوں چھوٹنے گا۔ رہا یہ جھگڑا کہ اُردو سے اصلی میں شاعری کیجا دے یا حال و مستقبل میں۔ ہم ہانکے پکارے کہتے ہیں کہ کئی پشت سے ہم اس کے دلدادہ ہیں اور شعر کہتے ہیں۔ یہ مثل مشہور ہے کہ کہنے والے کی زبان نہیں رکتی دور کیوں جائیے ہمارے عنایت فرما موجد پٹینٹ کو ملاحظہ کریجیے کیا غزل بے بدل لکھی ہے جسکا ایک ایک شعر اوندھی کھوپڑی کے خیالات کے لوگوں کے واسطے نہایت لطیف

ارمغان سمجھنا چاہئے ۔ ماضی کی شاعری سے تجاوز کرکے ....

حال کی شاعری میں حضرت موجد موصوف نے ثابت کردیا کہ ہمیں شعر کہنا آتا ہے ۔ اور اس سے بھی اگر اُن صاحبوں کی تسلی نہ ہو تو بشرط درخواست مستقبل شاعری بھی ہم کرسکتے ہیں ۔ اگر صحت و سلامتی د مساعد ہے تو کسی آئندہ نمبر میں بے درخواست بھی شاید کوئی حصہ نظم نذر ناظرین کردیں ۔ میں موجد پٹنیٹ کے کلام کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں اور تائید میں حاشیہ لگاکر دوبارہ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ۔ دوسری حیثیت سے یقین ہے کہ آتش حسد سے کوئلہ کی طرح جلکر خاک ہوجائیں گے غزل بے بدل پر حاشیہ لاجواب یعنی خمسہ دندان شکن یہ ہے ۔

شہرگ پہ دمبدم مری گردن سلتی ہے ۔۔۔ دیوانگی کی نہر شب روز ابلتی ہے

گھٹی میں جو پڑی وہ محبت نکلتی ہے ۔۔۔ معدے میں آگ عشق کی بدتر جلتی ہے

پھیپڑوں کی دھونکنی رہے سینہ میں چلتی ہو

تخنوں میں درد ہوگیا وہ خاک اڑائی ہے ۔۔۔ ایڑی ہے پاش پاش یہ ٹھوکر کھائی ہو

ہوں نہ حیزوں میں یہ ماتم کہ حلق میں ہائی ہے ۔۔۔ گردوں نے درد عشق میں آفت مچائی ہے

تلی غم فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے

انگڑائی لیکے توڑ دیا ہے حریاں کا آسرا ۔۔۔ بخت سیہ کا لیکے جماہی کیا گلا

اچھو ہوا تو سمجھے کہ نازل ہوئی بلا ۔۔۔ چھینک آئی ہے شکر خدا کا ادا کیا

اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے

سمجھ شب فراق میں اللہ کی مار میں ۔۔۔ ہے دوپہر تو لوٹ رہے ہیں بخار میں

المدعا کہ شام ہوئی انتظار میں ۔۔۔ کروٹ بدل رہے ہیں شب تار میں

آنتوں میں زور شور سے بندوق چلتی ہے

بیان غم کا حال ہوا سوکہ ساکہ قاق ۔۔۔ یہ حسن اتفاق ہے یا سوء اتفاق

آیا جو چارہ گر تو بتایا مجھے مراق — مارے گنا کیا ہوں پڑا پیٹ پھٹ قاق

اتنی دبی کہ ریڑھ کی ہڈی اُچھلتی ہے

خط کا شمار کیا کہ دئے ہمنے تار تک — قرم بھی بھیجے ایک سے سو تک ہزار تک

ملنا نہ تھا ملا نہ اُنھیں گھر میں یار تک — دانتوں کا دسترس نہوا گوشِ یار تک

سچ ہے کہ بد نصیب کی کب دال گلتی ہے

بیمار غم کی حالتیں کیا کیا تھیں کیا ہوئیں — وہ رونقیں جو پہلے تھیں ساری ہوا ہوئیں

جل جل کے ہڈیاں مری جنگ آزما ہوئیں — شیر و شکر تھیں عشق میں یہ بھی بلا ہوئیں

لو آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے

زلفوں میں جو سیاہی ہے ساری ایاغ ہیں — جو رنگ تیرے مسے میں وہ دلکے داغ ہیں

یہ اچھی سوجھی عقل کے روشن چراغ ہیں — تصویر یار ہمنے لگائی دماغ میں

کچھ کچھ شبِ فراق طبیعت بہلتی ہے

سردی سے ہے زکام برابر علاج ہے — گرمی میں ہے بخار خنک احتیاج ہے

اچھا تو اپنا حال نہ کل تھا نہ آج ہے — برسات آئی پھر وہی گڑبڑ مزاج ہے

پھر پیٹ میں فساد ہے پھر ناف ٹلتی ہے

ٹیسو پرشاد - اودھ پنچ سابق کے کوئی ظریف شاعر ہیں جن کی ایک نظم (ہندوستان کا بھک منگا ٹیسو) کے عنوان سے مل سکی چونکہ نہایت ظریفانہ رنگ میں لکھی گئی ہے لہذا نقل کرتا ہوں۔ ہندوستان کی مفلسی اور ضرورت کی زبردستیوں کی ایک تصویر ہے۔

بازاری لڑکے — آئے آئے چھم چھم آئے — پنچ دوارے ٹیسو آئے

پنچ بہادر کہاں ہیں آئیں — ہمری الچ گرج سن جائیں

پنچ
اتنا کیوں چلاتے ہیں — لٹتے ہیں بھی آتے ہیں

ٹیسو
آج بات یہ ہم نے ٹھانی — لا بہ ہوئی ہمکا پانی
تنک تنک سا ہم بات ٹھی ہے — رتی رتی حال سنی ہے

ہندوستان
ٹیسو سارا بہت ستائیں — گھر ہمیں بھیک منگائیں
بھٹکنگی ہاں عمر گنوا وا — آدھی دمڑی جو ہم پاوا
ایسی بجوگ پڑا کچھ آن — چند دھیلینا اس جاپان
کہو کہاں سے اب ہم لائی — دوسرے کی جو لگی بجھائی
جنہیں کوڑی گھر یاں ناہیں — کہو کہ کہہ کی کھیر سنائیں

ضرورت
کہہ دو بہت نہ شور مچائیں — اور کسی کے دوارے جائیں
اور کسی سے بات بنائیں — جا نسے پنہ وہاں سے پائیں

ہندوستان
پنچ بہادر سنتے ہو — سنتے ہو بھی سنتے ہو

بازاری لڑکے
پنچ بہادر چیختے ہیں — دیتے ہیں بھی دیتے ہیں

ٹیسو
جھنجھیا بھری ٹیڑی بکھانی — جہا بیٹی بی بی رانی
رانی نخرہ کرتی ہے — بن مارے وہ مرتی ہے
جو کوئی دوارے جاتا ہے — ٹیسو کو دہ سمجھاتا ہے

راجہ سب کی سنتا ہے — روتا ہے اور کہتا ہے
عقل گیان سبھی کچھ ہری — کہو تو جھوٹے کچھ کچھ کری

بازاری لڑکے کھیلو کودو یا سے دو — مرتی ہے مرجانے دو

ضرورت پنچ دوار سے کا لالو — سچ سچ کہو کا پایو

ہندوستان ہم کا ملی نہیں اک پائی — کا جھوٹے لیکھا سمجھائی

ضرورت اچھا اچھا دیکھیں گے — دیکھیں گے پھر دیکھیں گے

ہندوستان اسے بدھنا ہم کا گن گینا — ہمرے کرم مال کا لکھ دینا
پا ہی دیکھا کرم کا لیکھا — جا سے بھینٹ بھئی دکھ دیکھا

حرف ثائے مثلثہ

ثریا۔ جمعیت علی نام تھا۔ جھجر ضلع رہتک کے رہنے والے تھے۔ غدر سے پہلے زندہ تھے۔ مرد خوش وضع سپاہی پیشہ تھے۔ جس زمانہ میں جان صاحب کے کلام کا شہرہ اکناف ہند میں پھیلا اسی زمانہ میں ان کو شعر گوئی کا شوق ہوا رفتہ رفتہ طبیعت کا میلان ریختی گوئی کی طرف ہوگیا اور چند ہی روز میں بہت کچھ کہہ ڈالا۔ اب کلام نایاب ہے۔ یہ چند شعر مل سکے جو درج کئے جاتے ہیں۔

کنگھی چوٹی مسی اور سرمے کی کس کو دھن نہیں
اے بوا اب کنواریوں میں کنواریوں کے گن نہیں

مجھ نصیبی کو جلاتی ہے سدا وہ جیسے
میری سوتن کے کبھی پڑ گئی آگے آئے

دن گزارا تھا جہاں شب کو بھی تم جاویں
ہانپتے کانپتے کیوں رات کو کھا کے آئے

شام سے سوتے ہیں منہ پھیر کے مردوں کی طرح
آتے تو گھر میں کبھی رات کے جاگے آئے

دل میں یہ سوچا لاڈو تو نہ رہنا کہیں
کنواریاں خود تو بساتی نہیں گھر بار کہیں

ان کو آنا ہو تو آجائیں وہ گھر ہے ان کا
مجھ کو کیا کام ہے جا سر پہ پڑا رکھیں

آجکل کنواریاں بیگم بڑی چھچھلتی ہیں
شوخی ہوتے ہی کہیں کرتی ہیں اترا کہیں

دن کو ہر کام میں کیوں دل کو بھی تو گھیر رہا
رات بھر جاگی نہیں ہے جو یہ مردا کہیں

ماما کا ہے کوٹھے کٹنی ہے یہ اچھی خاصی مجھکو کر ڈالے گی اک روز گرفتار کہیں
تیری چوٹی سے ثریا جو دو پہر جاتی ہے ڈھونڈھ ڈالے تو کبھی کوئی اور طرحدار کہیں

عمر بھر سسرال میں جلنا پڑا ناشاد کو ابا جی کو مرے موت آئے اس داماد کو

سوتنیں جو مرا غم کرتی ہیں مرے چونڈے پہ کرم کرتی ہیں

جان - میر یار علی نام تھا۔ میر امن لکھنوی کے بیٹے تھے اور نواب ناشور علی خاں لکھنوی کے شاگرد تھے۔ اگرچہ وطن لکھنؤ تھا۔ مگر بسبب فکر معاش آخر میں بتوسلین درباری میں ملازم ہو کر رام پور میں جا رہے تھے نہایت خلیق زندہ دل خندہ پیشانی۔ مرنجاں مرنج آدمی تھے جب تک لکھنؤ میں رہے فکر معاش میں مبتلا رہے آخر سنہ ۱۲۴۳ھ میں مجبوراً ترک وطن کر کے روزگار کی فکر میں دلی گئے۔ مگر یہاں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ پھر بھوپال گئے مگر یہاں بھی بدنصیبی ساتھ رہی۔ آخر آب و دانہ کی کشش اور نواب کلب علیخاں مرحوم کی قدردانی رام پور میں لے آئی اور یہیں مستقلاً رہنے لگے۔ تا اینکہ سنہ ۱۲۹۰ھ میں ۹۳ برس کی عمر پاکر پیوند خاک ہو گئے۔

جان مرحوم نے ابتدا ہی سے ریختی گوئی کی مشق کی تھی بجز اس صنف خاص کے اُن سے کسی دوسری صنف سخن میں کوئی شعر نہیں پایا جاتا۔

آزاد مرحوم نے آبحیات میں لکھا ہے کہ رنگین اور انشا اس کے موجد تھے۔ یہ قول کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے کہ ریختی کا پتہ اس سے بہت پہلے زمانہ میں چلتا ہے۔ ہاشمی جو دکن کا رہنے والا مادر زاد اندھا شاعر تھا۔ وہ اس کا موجد ہے اسکا انتقال سنہ ۱۱۰۹ھ میں ہوا۔ آصفی ملکاپوری نے دو شعر ریختی کے اپنے "تذکرہ شعرائے دکن" میں ہاشمی کے نام سے نقل کئے ہیں۔ مولانا آزاد نے غالباً تذکرہ مرزا قادر بخش صابر" میں یہ عبارت دیکھی" زبان اردو میں اول ریختی کا رواج انشاء اللہ خاں انشا نے دیا۔ اور اس کے بعد سعادت یار خاں رنگین نے خواہ اُس سبب سے کہ اُن کی طبیعت کو خود اس صنعت کلام کی طرف التفات تھا

خواہ انشاء اللہ خاں کے اثر صحبت سے اس نظم میں ایسی زبان آوری کی کہ گویا اس کو اپنا شعار کر لیا" اس کے بعد آں کو معلوم ہوا ہو گا کہ خود سید انشا نے دریائے لطافت میں سعادت یار خاں رنگین کو ریختی کا موجد قرار دیا ہے۔ لہٰذا بطریق مسامحت دونوں کو ریختی کا موجد قرار دیدیا۔ اسیطرح تذکرہ مہر جہانتاب میں بھی انشاہی کو ریختی کا موجد بتایا گیا ہے مگر یہ اقوال ایسے ہی ہیں جیسے ولی دکنی کو انھوں نے ریختہ کا موجد قرار دیا تھا اور اب پایۂ تحقیق اس سے بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ بہر حال ہاشمی سے ریختی کی ابتدا ہوئی اگرچہ مٹے مٹے نشانات اور جگہ بھی پائے جاتے ہیں چنانچہ خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم میں لکھا ہے کہ اس فن کا موجد رحیم معاصر رحمان دہلی ہے اور اس کے کچھ شعر بھی لکھے ہیں مگر میرے نزدیک وہ کچھ اوسط ہیں شعر یہ ہیں۔

اری ناداں تین اپنے سجن کو کیوں رُٹھایا ہے ۔۔۔ رُٹھا کر پیو کو جگ بیچ کسی نے ذوق پایا ہے

بہت پچھتائیگی میری نصیحت مان کہتی ہوں ۔۔۔ سکھی کر رات سوہی ہے پیارے کو جو بھایا ہے

بعض نے حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی موجد قرار دیا ہے۔ لیکن بجز ہاشمی کے ہماری رائے میں دوسروں کو ریختی گو لکھنا سراسر زیادتی ہے۔ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی نے شعر الہند میں اسکی بابت کافی تحقیق کی ہے ان کی بھی یہی رائے ہے۔ غرض ریختی ایک صنف سخن تھی جو عرصہ سے چلی آرہی تھی جان صاحب نے اس میں مشق کی اور بقول بعض تذکرہ نویسوں کے اسکو تکمیل کو پہونچایا۔ مگر ہمارے نزدیک اُن کی ریختی میں آورد سے بہت زیادہ کام لیا گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے رنگین اور انشا کی سی روانی اور بے تکلفی اسمیں باقی نہیں رہی۔ مراعات النظیر جس نے لکھنؤ کی شاعری کے دفتر کے بیکار کر دیئے ہیں ان کے یہاں بھی موجود ہیں۔ اور بعض جگہ اسقدر بے مزہ ہیں کہ پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ ان کے کلام میں فواحشات کا کلیۃً زور شور ہے یہی وجہ تھی کہ عرصہ تک ان کا دیوان چھپنا قانوناً بند ہو گیا تھا۔ مگر اب بعض لوگوں نے محنت کر کے اسکا انتخاب کر کے کانٹے نکال دیئے اور پھول چن لئے ہیں اور اس انتخاب کو چھپوا یا ہے سنا ہے کہ

جان صاحب محفل مشاعرہ میں بالکل زنانہ لباس پہنکر جاتے تھے اور اس انداز سے پڑھتے تھے کہ سننے والے ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے اس میں شک نہیں کہ باوجود آورد اور تکلف کے اُن کے یہاں بیگماتی زبان۔ لکھنؤ کے روزمرہ ، شستہ کلام عورتوں کے محاورات ، رسوم و رواج کا اسقدر ذکر ہے کہ متقدمین میں کسی کے یہاں بھی نہیں ۔ میں نے ان کے کلام کو اول سے آخر تک متعدد مرتبہ دیکھا اس مرتبہ بھی انتخاب کے لیئے پورا دیوان دیکھنا پڑا ۔

ہمسائی میرے سر کی قسم آئیو ضرور　　کونڈا کروں گی جمعہ کو سید جلال کا

چھپتی کہیں چراغ ہے بیٹے کی جو بُجھیں　　ٹھرم کی جب کٹوری میں جگنو نظر پڑا
یہ سات پیڑھیوں کے ہوا بعد اتفاق　　کہنے میں ہوگیا کے دوہا جو نظر پڑا
جس مردوے کے پیچھے مرا گھر ہوا خراب　　برسوں کے بعد پھر وہی آ تو نظر پڑا

لگا میٹھا برس جب سے یہ صورت نظر لگتی ہے　　کہیں مشاطہ کر پیغام اب مصری کی نسبت کا
وہ دل در گور جیتیاں سے کبھی جو نام الفت کا　　کسی دشمن کے دشمن کو نہ ہو آزار چاہت کا
وہ تھے استادان سے جان صاحب تجھکو کیا نسبت　　کیا بد نام روشن ریختی نے تیری نسبت کا
کلوا رنی پہ مرتا ہے تف اسکی ریش پہ　　قاضی کے گھر میں کیوں نہ ہو چرچا شراب کا
مستانی سوت پر پڑے خالق مرا وبال　　پڑ جاسے اس کے حلق میں پھندا شراب کا
سوم ہونیوں سے جلا ہونے جو چوسر کھیلے　　چال وہ مجھسے ٹکے گز کی ناہیو نکر چلتا
رہگیا کس سوم کا پیٹ جو جلتی نہیں　　تیر ہوا ں مہتاب کو یہ چاند ہے شوال کا
ساس نندوں کی محبت میں قربان گئی　　چاؤں بیکے مجھے منگوا دو سواری مرزا
تم سلامت رہو صدقے میں تمہارے صاحب　　کتنا پہنوں گی ابھی گوٹہ کناری مرزا
بچا نہ تھا کچا تھا وہ جن اسے پریجا تم　　کل سر چڑھا مرا آج نگوڑا اُتر آیا

نہ بھینکا ڈھیلا نہ کھنکارا چپ چلے آئے　　کسی کے گھر میں کوئی بے خطر نہیں آتا

خصم کا مال تو ہی یار کو کھلا رنڈی　　نہیں تو لاکھوں کا گھر خاک کر نہیں آتا

گرگٹ کی طرح کا لا کبھی لال ہو گیا　　غصہ سے مردوے کا عجب حال ہو گیا

بیگما اچھا نہیں بڑھنا نکمے بال کا　　راکھ مل کے نوچ یا لو دہ لگا ہڑتال کا

آرزو بندی کی خالق سے ہے اک دن میری سوت　　کھائے پھل تلوار کا اور پھول سنکھیے بال کا

خالی کے بھنور میں وہ خالا نہیں رہتا　　در گور مرے پاس رذالا نہیں رہتا

کھلتی ہے جبھی ٹھوکریں کھانے کی حقیقت　　سر پر جو کوئی چاہنے والا نہیں رہتا

کیا ڈرتی ہو ماموں سے محرم میں بھی رنڈی　　موباف تری چوٹی میں کالا نہیں رہتا

اک پیٹ رہے ہم کو تو سو خطرے ہوں پیدا　　مردوں پہ تو کوئی کبھی کسالا نہیں رہتا

حسن جاتا رہے پر چھاتیوں کا روپ رہے　　صدقے اس عقل کے جس نے یہ بنائی انگیا

اگر باور نہیں آتا ملا کر دیکھ لو صاحب　　مری نارنگیوں سے آپ کا بہتر نہیں کیلا

خدا دکھائے نہ پیڑو کی آنچ کا صدمہ　　یہ وہ جلاپا ہے ہرگز سہا نہیں جاتا

کیوں نہ جامے سے ہیں باہر ہوئی بھلا مغلانی　　ادھڑی دو بار مگر ٹھیک نہ آئی انگیا

کوڑھ دو ان چھاتیوں سے چپکے اسے جو پہنے　　میں تو کوسوں گی مری جس نے چرائی انگیا

اب بھلی مانسیں کیا پہنیں جو یہ پہنا ہیں　　اپنی جُہر دو تکو موئے کنجڑے قصائی انگیا

چپکے رہتے ہیں تھا حرام وہ کام　　ایک دو بولوں میں حلال ہوا

خدا نے پدمنی کو قوم میں ان کی کیا پیدا　　بڑا ہر ایک سے رتبہ نہ کیوں سمجھیں چمار اپنا

تف اس بہادری پہ بنا مردوا ہی کنولیا　　چھوڑا اڑا قدم میں نے ترا جی دہل گیا

تصویر ان کی دیکھ کے آنسو نکل پڑے　　بچہ ہی تھا کھلونے پہ آخر مچل گیا

باجی دنرات کا پھر وہ ہی بکھیڑا نکلا　　کوئی گل پھوٹے گا پھر سوت کا چرچا نکلا

ہو نہیں تل ہے مری مہتابی کے بیچ میں کہیں　　چاند کے بیچ میں خورشید کا تارا نکلا

جان صاحب تو ہے رات کو خانم کے گھر — مجھ نجنتی نے عبث عیش کا سامان کیا

کہے میں دیتی ہوں لڈو خانم قسم خدا کی دیکھ لینا — نکال لونگی میں دونو دیدے کیا کسی سے جواب اتارا

میں پاس تجھی تھی جو لطھا بیا گے گر وہ سنتے تو موتی نے — کیا غضب کیا یہ تینے مرزا جو نام لیکر مرا پکارا

رہونگی میکے میں اپنے جا کر سواری منگوا دو مجھکو صاحب — یہ پاس نندوں کی بوا ٹھولی کرونگی کب تک بھلا گوارا

کھانا چرا کے خوب نہیں بانسے پان کا — منہ کی کہیں کھلاسے نہ چسکا زبان کا

محرم نکیلی چھاتیوں پر کھینچی ہے نئی — انگیا غلاف جوڑا ہے یہ خاصدان کا

کسکو سمجھاؤں خرابی ہے مری دونو طرح — بھائی پر زور ہے چلتا نہ خصم پر اپنا

اے بوا پتھر کا دل ہے اس مجے بے پیر کا — تھا نکھٹو گھر میں خالق کے مری تقدیر کا

پیسا تھا پاس رہتے تھے ہر آن آشنا — یا دور دور کرتے ہیں اے جان آشنا

کرتا رہا وعدہ تو یونہی دھوکے دھڑی کا — مانوں گی نہ اقرار میں اب ایک گھڑی کا

چھوٹی مری کھائیگی ہری پان کا بیڑا — منجھلی کا نہ سنجھلی کا نہ ہے بیاہ بڑی کا

ناک کٹوا کے میں منڈوا دونگی بی سوت کا سر — دشمنوں کا سے بیکا اگر اک بال ہوا

نامرد ہے نہ جورو سے اب تک خبر ہوا — قربان اس حیا کے بوا سال بھر ہوا

سوکھا سوکھا گورا گورا — کملو کا گھر والا ہوگا

کھلا جنگل میں آکر حال ان چڑیوں کی چوں چوں کا — ہر اک عاشق کو دیتی ہیں یہ پرسا اپنے مجنوں کا

لگی ہے نہ کوسا کسی کل جیجی کا ظالم — ہونا ارے مشہور ہلاکو نہیں اچھا

جو خصم ہے لٹورا کہتی ہوں اسکے حق میں — چڑیا حلال کردے مجھکو ثواب ہوگا

دل جلی کو کھو جلی مانگ جلی دکھیا ہوں — ٹھنڈا رکھے گا تجھے او ہی جلانا میرا

تم اگر دو گے نہ تن پیٹ کو روٹی کپڑا — کیا خدا کے بھی نہیں گھر میں ٹھکانا میرا

بچی کے واسطے جو کھلونے منگائے ہیں — گھر والا گھر کو کتا ہے بخت نہ ہو گیا

مجھے نفرت ہے صورت سے نگوڑے جان صاحب کی — وہ اسکی شکل کیا ہے لے بوا قربان کی صورت

عجب طرح کی سختی دیکھے اس زمانے کے　　نگوڑے سوم کی پگڑی اتار لیتے ہیں

بجلی گرے الٰہی مہاجن کی جان پر　　کیا پڑگئیں کھٹائی میں کانوں کی بالیاں

سنتی ہوں ایک روز بلاتی ہیں مردوا　　کیا نیک بخت ہیں مرے ہمسائی والیاں

جیسے بھاتے ہیں مجھے باجی تمھارے ہاتھ پاؤں　　گورے گورے ننھے ننھے پیارے پیارے ہاتھ پاؤں

مردے کھاتی ہو جیسی تسیوں کلاموں کی قسم　　تیرے بن پوچھے گئی ہوئیں جو اک بار کہیں

جا کے سسرال میں دلواسے صنم خانم تو　　پہلے ہی روز نہ کر بیٹھیو اقرار کہیں

میری ماما نے نکالی ہے نئی مجھ سے چھیڑ　　بھیجتی ہوں کہیں جاتی ہے یہ مردار کہیں

اپنے گھر والے کی وہ جا کے خبر تو لیویں　　ان کے بہلانے زیادہ نہیں مکار کہیں

بیاہ خانم کا تو کر دینے کو تیار ہوئیں　　باجی کوڑی کا سہارا نہیں لاچار ہوئیں

میں پڑی کیا اسیر کے گھر میں　　پھنس گئی بوڑھی بھینس دلدل میں

اے جان لکھنؤ سے نکل جاؤنگی میں اب　　اوقات مجھ نحسی کی ہوتی بسر نہیں

سید الکل کہے ہیں جو اکائنات میں　　لیکن ہمائی سب کی ہیں چھچھوں کی ذات ہیں

مری ہی جاتی ہو تم جیسے عقلمند نہیں　　میں بات چیت میں لقمان کی بھی بند نہیں

نہ شوق گانے کا مجھکو نہ ہے بجانے کا　　اسی سے حسن مرا مرد وسے پسند نہیں

بڑھیا کے بوڑھے چو چلو نہر مرد کیا مرے　　اتری ہوئی کمان میں اب یہ کے تیر ہیں

آنسو نکل جب جھڑی لگتی ہے دم بھر ہے　　دل تنگ ڈرا بن گیا جھنگر برساتے ہیں

ڈھونڈھتی پھرتی ہیں ہمسائی کرایہ کا مکان　　چھپادنی کا گھر سنتی ہیں بیچ کر جاتے ہیں

خصم چھوڑا کے موے دل نے یار کروایا　　کیا اسی نے ہے پنے راہ دا دے مجھکو

نہ جاؤ تم پڑوس چھوڑ کے میں بھیجو مرے بھائی کو　　لگے ہیں درد مری جان بلا لائے وہ دائی کو

اتنی کو ڈھونڈ کے ایسی منادی کی بالکل نہیں　　کر کے کر دیا غارت مری انگیا کے بٹن کو

جان صاحب یہ بہو نے دو گی بچی کو سوا　　دن کو کیا سوتے تھے لائے ہو اری رات کو

سوت کی بھتی نہ کھائی بانج دنیا سے چلی
دل میں میرے رہ گئے افسوس ارمان دو

پھٹکار کے منہ پہ برستی ہے چل پرے
منہ اپنا دیکھ مردوے منگوا کر آئینہ

مسجد کا طاق بھرنے نگوڑی چلے گی کب
کیا فرض ہے دوگانے کو کرنا سنگھا بیچ

خوب گن سیکھے کنواری کھیل کر جیشن کے ساتھ
رات کو مسی ملی اندھیرے سوہن کے ساتھ

....

دوسری مجھ سی لٹے صدمہ میں چھاتی پھٹ چلے
میں بھی برباد ہوئی اس مجھے ناشاد کے ساتھ

شمع افروز کی بی چھاتیوں پر پھبتی کہوں
تیل پانی کے کنول آج ہیں دشمن دیکھے

ہے ورثہ کا جھگڑا ہے سو چھوٹی ممانی
دو چار بڑے اپنے ہوں دو چار کھٹائے

ڈر لگے کیونکر نہ ان دونوں کی مجھکو چال سے
چھوکری اندھی ہے بڑھیا کا کہیں پونچھال ہے

ریختی پڑھ کے بڑھاپے میں مٹکتی ہے بوا
جان صاحب کی اجی دیکھو حماقت نہ گئی

تانبے کا تار لانا نہ اک دن ہوا نصیب
سونے کا لے گئے مرا زیور اتار کے

حلوائی کی دکان کی پھبتی کیوں کہوں
دن رات آسمان مٹھائی کا تھال ہے

کیا ہوگا گل ہزار کھلا ہے ہوا بہار
میں پات پات ہو رہی ہوں اگر ڈال ڈال ہے

کھلوا نہ ٹھوکریں مجھے دل دے کے پر تجھے
رسوا نہ کر ذلیل نہ کر گھر پہ کہہ کے مجھے

باہمن یہ مجھ سے کہتا ہے تو بھی پیار کے
پھندے میں تم پھنسو گی اب تین چار کے

منگا دو مجھے ڈولی میکے کو جاؤں
تمہارے لئے کچھ برائی نہ ہوگی

جعفر — مرزا امن بیگ نام تھا۔ نواب عمدۃ الملک امیر خاں کے (جو عہد عالیجاہ کے ایک بڑے امیر تھے) متوسلین میں تھے رفتہ رفتہ تقرب شاہی حاصل کیا اور محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں منصب سہ ہزاری پر فائز ہوئے۔ نہایت ذکی الطبع اور ذہین تھے۔ طبیعت میں ظرافت کا جوہر خداداد تھا۔ والسنہ نہ کہتے تھے تب بھی وہ مذاق برتن سے جیسا شعر سے بھی آشکارا

ہو جاتا تھا۔ یہ تین شعر اسی قسم کے ہیں۔ جو نمونہ کلام کے طور پر درج کرتا ہوں زیادہ کلام نہ مل سکا مجبوراً انہی پر اکتفا کی گئی۔

بلبل کو باغباں سے رہے نت کھٹا پٹی — تا صبح کیوں نہ ہووے چمن بیچ چٹا پٹی

آنچھ نین میں بس کہ بنا ہے ترے لئے — یہ چشمہ سیاہ و سفید و پٹا پٹی

پڑتے ہیں کیوں ہر اک بات میں موتی وہ چھتیسی — صفا دانتوں کی روشن سب سی تیں بتیسی

جعفر زٹلی۔ میر جعفر نام تھا۔ اسمیں اختلاف ہے کہ دہلی کے باشندے تھے یا نارنول کے۔ بہرصورت عہد عالمگیر کے دور آخری کے نامی گرامی ہزال تھے۔ اور ہزال بھی اس زور کے تھے کہ اُس زمانہ کے بڑے بڑے جید اور مشہور شعرا بھی آپ سے کانپتے۔ آپ کی حالت یہ تھی کہ جس کسی امیر یا رئیس کے ہاں ملنے جاتے تو پہلے ہی سے ایک کاغذ پر میزبان کی مدح اور ایک پر ہجو لکھکر پاس کاٹھہ رکھ لیتے۔ منزل مقصود پر پہونچکر حسب دلخواہ خاطر تواضع ہوتی کچھ اُن کی نذر بھی کیا جاتا تو فہو المراد۔ ورنہ غصہ کے تھرمامیٹر کا پارہ چڑھ جاتا تھا۔ وہ ہجو کا پرچہ نکال کر پہلے اس شامت زدہ کو خود سناتے اور پھر اسکی اس زمانہ کی رسم کے مطابق اشاعت کرکے اس غریب کی اتنی رسوائی کرتے کہ منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔

ایک مرتبہ ملا عبد القادر بیدل سے ملنے گئے۔ وہ ایک قدیم وضع کے درویش نیک سیرت ساکت خوش مزاج شاعر خوش فکر تھے۔ آپ نے پہلے از راہ کرم نوازی پہلے تو کچھ بیدل کا کلام سنا۔ طبیعت محظوظ ہوئی تو خود بھی کچھ کہنا چاہا۔ بیدل نے اجازت دیدی۔ آپ نے کچھ مدح کرنے کا قصد ظاہر کیا۔ بھلا ان کو روک کون سکتا تھا کسکی شامت آئی تھی۔ بیدل نے اشارۃً یہ بھی بادل ناخواستہ منظور کر لیا۔ آپ نے کچھ مدحیہ شعر پڑھے جن میں کا ایک مصرع یہ بھی ہے

ع۔ چہ عرفی چہ فیضی بہ پیشِ تو پشم۔

بیدل ایک متین بزرگ تھے سنتے ہی عرق شرم میں نہا گئے اور کچھ دے دلا کر

اِن کو ٹال دیا۔

میر جعفر نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ چونکہ وہ بھی ایک پرانے ہزال تھے لہٰذا آپ نے وہیں سے یہ رنگ بھی اخذ کرلیا۔ اور اس میں ایسے کامل الفن ہوئے اور اُن کی شاعری اور ہزالی کا ایک خاص معیار قرار پاگیا۔ جسکے لئے بہت سے نقادوں کا خیال ہے کہ انھیں کے ساتھ ختم ہوگئی۔ کیونکہ جہاں اُس میں فحش اور لایعنی باتوں کا ہجوم ہے اور کانٹے کی طرح پڑھنے والے کی آنکھ میں کھٹکتی ہیں اسی طرح اسمیں بعض نظمیں ایسی ہیں جو ظرافت کے ساتھ اخلاق وانسانیت کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ ہیں مگر افسوس کہ ہزل گوئی کی شہرت نے اُن جواہرات کو ماند کردیا۔ اور صرف ہزل میر جعفر کے نام سے مخصوص ہوگئی۔ جیسا کہ بیان کیا گیا کہ انھوں نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم کی کتب پڑھیں۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ ابو اسحاق پہلے استادوں کے موافق ایک جابر استاد تھے۔ ہر وقت لڑکوں پر تشدد کرتے تھے۔ لڑکے اس روز کی نادر شاہی سے عاجز آگئے تھے ایک مرتبہ اپنے استاد بھائی میر جعفر زٹلی سے شکایت کی۔ یہ بھی استاد کے ستم دیدہ اور آفت کشیدہ تھے فوراً انتقامی کارروائیوں کے واسطے تیار ہوگئے۔ قلم کا چاقو نشتر پر سنبھالا۔ اور استاد کے دل پر وہ کاری زخم لگائے جنھیں کوئی مرہم کبھی نہ بھر سکا۔ یعنی پہلے تو ایک نظم "بھوت بڑا ارنامہ" کے عنوان سے لکھی پھر اورکچھ لکھا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مولوی صاحب کو خبر ہوئی۔ اور اچھی طرح تحقیقات کرنے کے بعد میاں جعفر کو بیک بینی و دو گوش اپنے مکتب سے نکال دیا۔ میر جعفر نکل تو گئے۔ مگر سمند نازک کو تازیانہ ہوا۔ گویا بارود میں آگ لگادی فوراً ایک ہجو نامہ لکھا۔ جسمیں مولوی صاحب کی جی کھول کر ہجو کی گئی تھی۔ اس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

کہتا ہوں ہجو سے نامے کو نادر سخن ستی ۔۔۔ سُن مرحبا کہوگے مجھے اس بچن ستی
مشہور ہے یہ بات کھوسے زمن ستی ۔۔۔ ہجو سے کو شیخ جی نے دغا دی لکھی فن ستی

تس کا کروں بیان تو جان و تن ستی

یہ ہجو اتنا مشہور ہوا کہ شہزادہ کام بخش کے کانوں تک پہونچا اور میر صاحب طلب ہوئے۔ چونکہ نظم میں ہجو کے ساتھ ہی ظرافت کی خوشگوار چاشنی بھی موجود تھی۔ اسی کے اثر سے خوش ہو کر شہزادہ نے مورچھل کی خدمت میر جعفر کو دیدی۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ جعفر زٹلی نہایت اچھے شاعر ہیں تو شہزادہ نے امتحاناً ان سے ایک غزل کی فرمائش کی انھوں نے تعمیل ارشاد کی اور غزل کہی جس میں کے ایک دو شعر یہ ہیں۔

از عاشق بیچارہ مکن نخرہ و گو نگھٹ ۔۔۔ تا کے بود ایں گرمی بازار جو ہے تو

تا چند کنی عشوہ بریں رنگ گلابی ۔۔۔ یہ رنگ پتنگے کا اڑن ہار جو ہے تو

شہزادہ نے غزل پسند کی اور اسکی بدولت میر صاحب کی شہرت ایک سے دو چند ہو گئی مگر خالی شہرت سے کام نہیں چلتا ضرورت تھی کہ نقد و جنس سے کچھ ان کی امداد کی جاتی مگر ایسا نہ ہوا۔ میر جعفر کا دل تنگ ہو گیا اور اب ان کو مورچھل کی خدمت بار ہو گئی انھوں نے فوراً اس خدمت کی ہجو لکھی جس کے چند شعر یہ ہیں۔

توبہ ازیں وسوسۂ مورچھل ۔۔۔ دمبدم از دمدمہ جاں در خلل

توبہ ازیں مسکن روزن فراخ ۔۔۔ روز و شب آوازۂ پھس پھوں پٹاخ

توبہ ازیں مسکن پر شور و شر ۔۔۔ مرحلہ پر خطر و خوف و ڈر

پر خس و خاشاک بہ سر ٹوکری ۔۔۔ نزد خرد بہتر ازیں نوکری

جعفر ازیں کوچہ دریں مورچھل ۔۔۔ شرم حضوری مکن و لوٹ چل

شہزادہ کو جب اس ہجو کا حال معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے۔ جب ان کو یہ خبر ہوئی تو انھوں نے شہزادہ کوئے ڈالا ہجو لکھی اور دل کھول کر لکھی ایک شعر یہ ہے۔

زہے شاہ والا گہر کام بخش ۔۔۔ کہ ہچی بزد کرد ہچی دبخش

اس کے بعد نوکری سے بیزار ہوئے اور دکن کی طرف چلدیے مگر بدقسمتی ہر جگہ ساتھ تھی یہاں بھی روزگار نہ ملا تو جھنجھلا کر یہ غزل کہی۔

تنہا شدی اندر سفر کہہ جعفرا بکیسے بنے
افتادی اندر بحر و بر کہہ جعفرا بکیسے بنے

در بیکسی تابودہ با درد و غم آلودہ
مفلس شدی و در بدر کہہ جعفرا بکیسے بنے

از ہجو آن سلطان خود کردی پریشاں حال خود
درماندہ بے بال و پر کہہ جعفرا بکیسے بنے

اسباب غم برداشتی تخم فلاکت کاشتی
اکنوں کجا آں سیم و زر کہہ جعفرا بکیسے بنے

اتفاق سے جس زمانہ میں یہ پریشان روزگار دکن کی خاک چھانتے ہل ہانکتے کودوں ہانکتے پھر رہے تھے اسی زمانہ میں نواب کوکلتاش خاں ستارہ کی مہم پر گئے۔ جعفر نے اس موقع کو غنیمت جانا اور نثر کا ایک رقعہ لکھا نواب پر بڑا اثر پڑا۔ اپنے یہاں ملازم رکھ لیا مگر صرف کھانا ملتا تھا۔ نہ کپڑا مقرر ہوا۔ اور نہ کپڑا بنانے کے لئے کوئی پیسہ ملا۔ مجبوراً ایک منظوم عرضداشت لکھی ہے

زخان جہاں شاہ گیتی پناہ
زبیداد جوّاں زطل داد خواہ

جوّاں پڑ گئیں در قبا و ازار
نپٹ آئی مشکل پہ دل فگار

رکت کی چوپیا میری پیاسی پھریں
کہ حیران و ہلکان مجھکو کریں

لہو میرا پی پی کے موٹی ہوئیں
بغل بیچ دشمن مری ہو رہیں

جوّاں مارتے مارتے شب گزشت
و لیکن جوئیں از میاں کم نگشت

خیر اتنا ہوا کہ یہ عرضی منظور ہوئی اور کپڑے بنوا دئے۔ مگر چند روز بعد ادبار اسباب پیش آئے اور یہ وہاں سے بھی جدا ہو گئے۔

میر صاحب کی زندگی نہایت مفلسی اور مفلوک الحالی پریشان روزگاری میں بسر ہوئی۔ مگر وہ زمانہ کی زبردستیوں سے عاجز آکر کبھی رنج نہ اٹھاتے تھے۔ بلکہ نہایت آزادی اور خوشدلی سے ان تمام سختیوں کو برداشت کرتے تھے۔ اسیطرح اُن کا مشغلہ شاعری خاص کسی کی مدح و ذم کا پابند نہ تھا۔ وہ ذاتی خصومت کی بنا پر کسی کی ہجو نہیں کرتے تھے بلکہ بالکل ہمیشہ اس سے تفریح و انبساط مقصود ہوتا تھا۔

ان کی ظرافت اگرچہ ہزل کے درجہ پر پہونچگئی ہے۔ اور خوش طبعی مسخرا پنا کا درجہ رکھتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مسخرا پنا ہو ظرافت ہو ہزل ہو کچھ ہو اس درجہ کی ہے جس کا جواب بڑے بڑے اہل کمال نہیں دے سکتے۔ اُنکے ایک لفظ میں ظرافت اور خوش طبعی کا ایک جہان پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ جیسے مزاج و خندہ روئی کے خوگر ہیں اتنے ہی اخلاق کے دلدادہ ہیں اور اخلاق کے نکات بھی کبھی مولویوں کی طرح بیان نہیں کرتے بلکہ اس میں بھی اپنا انداز خاص قائم رہتا ہے۔ جو کچھ کہتے ہیں ایسا کہتے ہیں کہ دلپر مسرت اور فرحت کی بارش ہونے لگتی ہے۔ اسکی وجہ خاص یہ ہے کہ گو وہ ایک مسخرے ہیں۔ رنگین مزاج ہیں۔ مگر علم و فضل و فنون سے ویسے ہی آشنا ہیں جیسے اس زمانہ کے باکمال ہوتے تھے۔ عربی اچھی طرح جانتے ہیں۔ فارسی کے ایسے ماہر ہوتے ہیں کہ اس کے ماہر کامل معلوم ہوتے ہیں اور اس بے تکلفی سے اس کو استعمال کرتے ہیں کہ یہی اُن کی زبان معلوم ہوتی ہے۔

میر جعفر کے ایسے واقعات جو ان کی بہت سی مایہ ناز نظموں کا دار و مدار ہے بے تعداد ہیں جن میں سے ہم چند لکھتے ہیں۔

لطیفہ جس زمانہ میں میر جعفر کوکلتاش کے یہاں رہتے تھے ایک روز یہ اتفاق پیش آیا کہ مرزا سلیمان کی اہلیہ مرزا سے ناراض ہوگئیں۔ میر جعفر کو خبر ہوئی۔ یہ جانتے تھے کہ مرزا کی بیوی اونچے گھرانے کی عورت ہے اور یہ ذلیل ہیں انھوں نے چند قطعے لکھ ڈالے جو ہجو بھی ہیں سامان تفریح بھی۔ پند و نصائح بھی۔ عبرت بھی۔

جعفرا در جہاں معاذ اللہ ہر کہ محتاج نان زن باشد
نتواند کہ ضبط بنشاند گرچہ عفریت و اہرمن باشد

جعفرا مفلسے کہ زن بہ کند آہ آں زن زنست مرد کہ خر
آرزوئے دلش بہ دل ماند خود پئے نان خراب و رسواتر

بزن کردن در افتادم بگرداب پریشانی　　دل و دین رفت و نسیان شد رہ در سمِ خنّدانی

بلے خوش گفتہ مصرع جعفر این از رہ فطرت　　چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

مرزا سلیمان کو جب یہ خبر ہوئی تو بہت بگڑے اور کوکلتاش خان کے پاس پہونچے۔ میر جعفر کی سخت سے سخت شکایت کی مگر انھوں نے معاملہ کو ہنسی میں ڈالدیا اور ٹالدیا۔

ایک موقع پر کوکلتاش خان نے غنیم کو سخت شکست دی۔ اور بہت کچھ مال غنیمت پایا۔ جب مال غنیمت تقسیم کیا تو آدھا مال خزانۂ شاہی میں بھیجدیا اور آدھا سپاہیوں میں تقسیم کردیا بیچارے سپاہی تو تھے نہیں کہ کچھ ان کو بھی ملتا۔ میر جعفر کو سخت رنج ہوا۔ نواب کے پاس پہونچ کر کہا کہ مجھکو بھی حصہ دیجئے۔ کہا تم سپاہی نہیں۔ مرد میدان نہیں پھر حصہ کیسا۔ خیر اُسوقت تو جعفر خاموش ہو گئے مگر دوسرے دن اپنا تصنیف کیا ہوا رستم نامہ لیکر پہونچے اور نواب کو سنایا۔ جو یہ ہے۔

من آں رستم وقت روئیں تنم　　کہ دہ پا بزاز مشت خود بشکنم

کنم روزن اندر چپاتی بہ تیر　　بر آرم دمار از سر مور تیر

کشم گردن پشہ را در کمند　　مگس چند را من در آرم بہ بند

بپوشم اگر جوشن جنگ را　　ہزیمت دہم پسوئے لنگ را

بہ صد حملہ بال مگس بر کنم　　قطار دو صد مور برہم زنم

اگر بر زنم پنجہ در وال ہا　　فتد ہیبت و خوف من در جہات

بدوزم بہ نوک سناں دود را　　شکافم بہ چنگال فالود را

دریں دور ثانی رستم منم　　بتا سا بہ گرز گراں بشکنم

بہ ہنگام خشم و ترد و تلاش　　کنم غرق انگشت در دال ماش

من آں شہسوارم کہ روز نبرد　　بر آرم بہ یکشت از پنبہ گرد

چناں بشکنم رشتۂ خام را　　کہ سازم خجل رستم و سام را

من آنم کہ گر اسپ جولاں کنم — چہل خانۂ موش ویراں کنم

چقر سازم از خنجر آب دار — بہ حلوا و جغرات ہنگام کار

اگر بر کشم تیغ تدبیر را — ببرّم سر شیر تصویر را

تہمتن منم گر کشم تیغ خشم — تراشم بہ دو ضرب یک موی پشم

نہ آنم کہ بگریزم از گوزخر — بگوزش کنم سینۂ خود سپر

بہ نام و نشاں جعفر دردمند — چو گوز خر آوازۂ من بلند

نلرزد ازمن در آرام شوم — کنم زیر پیوستہ درکام شوم

سر مسکاں بر سر دار بہ — نہ بر دار بہ بلکہ در غار بہ

بترسد دل شوم از شاعراں — چو از باز و شاہیں دل طائراں

چو بیند مرا شوم تکرار کند — چو از گربہ مرغے کہ کرکر کند

اگر بنگرد صورت نحیل — گریزد چو از گردگاں زاغ و فیل

بیا جعفر ایں قصہ کوتاہ کن — بہ سمت جناب سخی راہ کن

اتفاق کی بات ہے کہ میر صاحب جب یہ فخریہ رجز سنا رہے تھے اُسیوقت خبر آئی کہ شاہی فوج مغلوب ہوکر دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگئی کوکلتاش خاں کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور ایسے بگڑے کہ میر صاحب کو نکلوا دیا۔ اسطرح میر صاحب کو لینے کے دینے پڑگئے۔ دو نظمیں لکھیں جن میں سے ایک میں اپنی شان استغنا کا ذکر تھا۔ دوسری میں نوکری کی برائیاں تھیں چنانچہ دوسری نظم یہ ہے۔

سنتو بیاں نوکری جب لگا نٹھ ہوئے نوکری — تب کھول جاوے چوکڑی یہ نوکری کا خبط ہے

ہر روز مجرا نظر کریں دربار یکسو گڑپڑیں — بے شرم ایسے لڑ مریں یہ نوکری کا خبط ہے

دس بیس مجرے میں گئے دس بیس بخشی نے لیے — دس بیس میں جھگڑے کئے یہ نوکری کا خبط ہے

ایک مرتبہ میر صاحب کے یہاں چوری ہوگئی اور کچھ بھی باقی نہ رہا غصہ میں یہ نظم کہی۔

دلا در مفلسی سب سے اکڑ رہ　　یہ عالم بےکسی سب سے اکڑ رہ

چکن اور زر کا چیرہ پشم کر پوچھ　　پھٹی پگ باندھ کر سب سے اکڑ رہ

اگر شلوار نباشد کسکو غم ہے　　لنگوٹا باندھ کر سب سے اکڑ رہ

ایک دفعہ لوگوں نے صلاح دی کہ کوکلتاش خاں سے عفو جرائم کی درخواست کرو
انھوں نے ہرگز منظور نہ کیا اور یہ نظم لکھی۔

اے تو نگرایں تحمل آبشورہ تابکے　　شربت قند و گلاب کورہ کورہ تابکے

کج کلاہ و قرب شاہی عز و جاہ و سال و ماہ　　پاندان نقرہ و زریں کٹورہ تابکے

کل شیٔ ھالک جعفر زباں را بند کن　　ایں سخنہائے ز ٹل پھکڑ لبھکورہ تابکے

بادشاہ ذیجاہ اورنگزیب کو جب دکن میں فتح حاصل ہوئی تو آپ نے ایک ظفر نامہ لکھکر
قصد کیا کہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں مگر بہ تہ بیرکی کارگر نہ ہوئی اور دربار تک رسائی
نہ ہوسکی اسکے بعد یہ توکل کرکے بیٹھ رہے دو چار شعر ظفرنامہ کے یہ ہیں۔

زہے شاہ اورنگ دہا تک بلی　　کہ در ملک دکھن پڑی کھل بلی

برآورد شکر بعید دھوم دھام　　کہ ہل چل پڑی بر سر روم و شام

دریں پیر سالی و ضعف بدن　　مچائی دھا چوکڑی در دکن

زہے شاہ شاہاں کہ وقت وغا　　نہ ہلد نہ ٹلد نہ جنبد زجا

کمربستہ ہشیار میدان پہ　　شب و روز تیار گھمسان پہ

اورنگ زیب کی وفات پر میر صاحب نے دو مرثیے لکھے ایک نہایت متین ہے
دوسرا اُن کے رنگ کا ہے جسکے دو شعر یہ ہیں۔

اورنگ زیب مر گئے نیکی جگت میں کر گئے　　تخت اور چھپر کھٹ دھر گئے آخر فنا آخر فنا

تھا خدا کی یاد میں رکھا اورنگ کی یاد میں　　خبر نہیں کہ کس بلا دمیں آخر فنا آخر فنا

اعظم شاہ کی تخت نشینی پر بھی ایک نظم ایسی ہی لکھی۔ مگر بے نتیجہ رہی۔ آخر عمر میں یہ رنگ

ہلکا ہوگیا تھا۔ اور بجائے ژٹلیات اور شوخیوں کے متین مضامین اور پر اثر جذبات زیادہ ہوگئے اگرچہ طرز بیان وہی تھا مگر پھر بھی بہت فرق محسوس ہوتا ہے یہ دو قطعے اُسی رنگ کے ہیں۔

جعفرا بر سر عروس جہاں — چند پاپوش و چند کہلہ بزن
زانکہ ایں باکسے نکرد وفا — بر ہمہ نقد و جنس ٹلہ بزن

تذکرہ خمخانۂ جاوید میں لکھا ہے کہ جب اعظم شاہ تخت نشین ہوئے تو شعرا کے ساتھ میر صاحب نے بھی سکہ نظم کیا اور وہ نہ صرف بادشاہ کو پسند ہوا بلکہ خاص و عام کو پسند آیا۔ بادشاہ نے انعام میں خلعت فاخرہ۔ اور ہاتھی۔ اور ایک لاکھ روپیہ دیا۔ مگر ان کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ گھر پہونچنے بھی نہ پائے اور تمام روپیہ راستہ ہی میں صرف کر دیا۔

میر صاحب کے کلیات میں اگرچہ فحش بہت زیادہ ہے پھر بھی وہ انواع و اقسام ظرافت نظم و نثر سے مملو ہے چنانچہ

(۱) گفتگو نامہ نثر جسمیں اردو کے محاورات اور ضرب الامثال کا محل صرف نہایت خوبی سے بتایا گیا ہے۔

(۲) رقعات نثر جنہیں تلازمے۔ اور طرح طرح کی شوخیوں کا وہ عالم ہے کہ دیکھنے والا دنگ رہجاتا ہے۔

(۳) عدالتی تحریریں نثر اپنے خاص الخاص رنگ میں جنہیں تلازمے۔ ظرافت شوخیاں اپنے اپنے محل پر سبھی کچھ ہیں

(۴) شرارت نامہ جسکو شاہی یادداشتوں اور تزک کے طرز پر مرتب کیا ہے۔ اور اس میں ضرب الامثال کو اس صورت سے صرف کیا ہے کہ بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔

(۵) مصطلحات زمانہ۔ یہ لغت کے طریق پر ہے۔ زمانہ کی رسم و رواج اور ضرورت کے موافق اسمیں الفاظ کے معانی بیان کئے ہیں۔ اگرچہ اسکو دیکھکر میر صاحب کے کمال ظرافت پر ایمان لانا پڑتا ہے مگر اسکی ایجاد کا سہرا غالباً عبید زاکانی کے سر ہے۔ اُنکی لغت بھی اُن کے کلیات میں

شامل ہے - ان کے علاوہ اور اقسام کی نثریں بھی پائی جاتی ہیں -

حصہ نظم - جس میں ظرافت - واقعات - ہجویات - رقعات - دستور العمل - پندیہ رجز - نسخہ جات - سٹلے - غزلیات - مورچھل نامہ - کچھوے نامہ مسدس - ظفر نامہ مرائی - سپش نامہ - تضمین قطعات - اُردو فارسی سبھی کچھ ہیں - اور ہر ایک اپنے رنگ میں لاجواب ہے -

اگرچہ اُنکا کلام اُن کے رنگ میں سراپا انتخاب ہے مگر ضرورتاً تھوڑا سا انتخاب پیش کرتا ہوں - ممکن ہے کہ قطع کرنے پر بعض ناظرین کو تاہ قلمی کی شکایت پیدا ہو -

انتخاب دستور العمل نظم

ہر زن کہ باشد جنگجو - در چال مٹکے مولہ　　دارد بہ شوہر گفتگو اس نار سے انکار بہ

جورو لڑاکا گر بود بر خوشد و ڈاڑ آگ گھر بود　　وہ گھر سدا ابتر بود اس گھر سے گنگا پار بہ

جو نار پچکے چال میں سسکی بھر جالی میں　　کالا تو ہے کچھ دال میں از قرب او زنہار بہ

جو رانڈ ہو کاجل کرے چوٹے چپنی لٹ پر من دھرے　　چوڑی پہن مہندی کرے بر گردنش تلوار بہ

گھوڑا جو اسواری نہ دے صاحب طلب باری نہ دے　　بیٹا جو وہ یاری نہ دے این ہر سہ تن فی النار بہ

سسرا جو ہو دل تنگ جی ہمسائے خبیث بنگ جی　　داماد سے بیرنگ جی اس سے سگ مردار بہ

جعفر بہ بوستانِ جہاں دم غنیمت است　　شادی نصیب گر نشود غم غنیمت است

دو پیازہ و کباب نہ باشد اگر ترا　　زاں ساگ خام بجھیہ شلغم غنیمت است

گر اسپ صفا نبود رہ بہ کار تو　　یک خچر گدہری یا لم غنیمت است

آواز شیو بہ نرسد گر بگوش تو　　آوازہ بول بیگم و خانم غنیمت است

تربوز و خربزہ نبود گر میسرت　　یک سبز پیاز گک کیرہ بالم غنیمت است

ہجو مرزا خدا یار بیگ

زہے قدرت پاک پروردگار — کہ مرزا خدا یار مارا پچھاڑ
کروں اب خبر شہر و بازار کو — لگی آہ میری خدا یار کو
خدا یار پر صبر میرا پڑا — کہ تالاب پر یہ بکھیڑا پڑا
بدست حریفاں گرفتار شد — بہ پشت و سرش مشت و پیزار شد
چہ مرزا چہ رفتار و گفتار او — چہ آواز پیزار و دستار او
تڑاتڑ سڑا سر لگی لاگنے — مٹک چال مرزا لگے بھاگنے
پکڑ باندھ کر جب مرنڈا کیا — کشندا اس کا تال گنڈا کیا
دریغا چہ صورت چہ دستار او — چہ پاجامہ چوڑیاں دار او
چو این ماجرا جان بابا شنید — دوادو دوادو پیاپے رسید
زہے جان بابا شرافت مآب — کہ کوا چھڑایا لگڑ سے شتاب
جہاں میں کروں آج میں بومڑی — کہ گیدڑ کے منھ سے چھٹی لومڑی
خدا یار مسکیں دہا دم کٹا — بلیا کے پنجے سے چوہا چھٹا

ہجو مادھو داس چوکی نویس

سگ لینڈی از وے نکو تر بود — کہ از عفت عفنی مردرا ڈر بود

مدح شاہزادہ محمد کام بخش

سزاوار خداوند گیتی پناہ — توئی وارث و مالک تخت و جاہ
بدرگاہ تو ہر کہ کھٹ پٹ کند — خدایش بیک لحظہ چٹ پٹ کند

جو تجھکو برا من میں جیتا کرے | غپا غپ شپا شپ کے پالے پڑے
من از ضعف چوں چوبی دکھو سیم | نہ چوری سے راتیں ننگلو سیم
مرا طاقت ٹکر او کجا است | تن و توش آنکس جو کالی گھٹا است

ایک مرتبہ قمر النسا بیگم نے میر صاحب کو اپنے دیوان کی معرفت تیس روپیہ انعام دلوائے اُس نے صرف پانچ دیئے باقی خود خورد برُد کر دیئے انھوں نے ہجو کہی جس کا یہ اثر ہوا کہ قمر النسا بیگم نے اپنے دیوان فتح علیخاں کو بہت ڈانٹا اور میر صاحب کو پورا روپیہ دلا دیا ہجو کا ایک شعر یہ ہے ۔

دلائے تیس لیکن پانچ نکلے | فتح خاں کی الٹی ..... نکلے

مدح حُسن معشوق

جعفر چہ بہی باشد کس پا تکی رلا | بر حُسن تو جبریل گرفتار جو ہے سو
با تیر انا کانی دبرچھی تغافل | امروز مجھے مار نہ اے یار جو ہے سو

جوانی کے جانے کا غم

دریغا کہ جوبن چلا روس کر | اکلے تکلے کا گھر موس کر
ارے ہاے جوبن چلا جات رے | چہ چارہ کنم ہلے رے ہاے رے
مرا عشق و اکھیل پن از تو بود | شب و روز البیل پن از تو بود
طفیل تو بود ایں کلیل و چھلنگ | بلیل تو بود ایں الول ترنگ
جوانی نہ من چوں شنید ایں بیاں | نکو گفت در گوش ہوشم عیاں
کہ اے کل ٹہرو پنج ہر دکھہ پال | توئی میزبان و منم میہمان
ندانی کہ مہماں نگیرد قرار | بجز ایک شب یا دنا دو سہ چار

بر و صبر کن با بڑھاپا بسانہ — ازیں پس مکن پایہ غفلت دراز

بڑھاپا بود مغفرت خواہ تو — رود تا لب گور ہمراہ تو

جوانی و جوبن پڑو بھاڑ میں — کہ آخر ٹھکانا اسی غار میں

تصوف

در قیام و قعود از کشش نفس مخور غوطہ — در خدمت حق بازی کنکوہ نباشد

دارد خبر از لذت چپ چاپ عبادت — آنکس کہ شکم سیر بہت کھوۃ نباشد

برتھیہ تتا تھیہ تتا تھیہ ستہ دل — تا رشتے تو فردا چو سیہ توۃ نباشد

بے سود بود توبہ پشیبی و پیری — منظور چنیں توبہ پچھلوہ نباشد

مدح عالمگیر

زہے حکمت شاہ اورنگ زیب — کٹاوے لڑاوے بہ فن و فریب

نقارے دماموں سے دھول دھول کیا — بہ سرتاہ کرنلے پھول پھول کیا

عجب او شا ایں کوٹ بیجا پور است — کہ ہر برج او مثل بہنہ سر است

چہ گویم ازیں قلعۂ بے لگاؤ — کہ انگشت را نیست درشے لگاؤ

لگا کوٹ کو مورچہ جاست کر — نکالا سکندر کو انگلا سے کر

زہے بادشہ اوجڑ و دیو بھوت — بلی و ولی نعمت چار پوت

ازیں قیں بیٹے نپٹ ناخلف — پسر نو خلف بہ وگرنہ تلف

دگرنہ چہ یارا حسن شاہ را — کہ گرداند امرے شہنشاہ را

مگس را چہ طاقت کہ باشاہ باز — بہ ہیجا درآید بود کینہ ساز

چہ پشہ کہ با شیر پہلو زند — چہ پسو کہ با اژدہا پہو زند

چہ خشخش کہ باز ہرہ و مشتری به نخوت زند دعوئی ہمسری
چہ گیدڑ چہ لٹری بہ پیش پلنگ چہ جھینگر چہ پھی بہ پیش نہنگ
چہ جٹمل کہ دعوای رائی کند چہ کھٹمل کہ پرچار پائی کند
چہ قطرہ کہ سر بار دریا شود چہ ذرہ کہ اغیار بیضا شود
چہ جھینگر کہ برکوہ چکر زند چہ مینڈک کہ بر فیل ٹکر زند
چہ جمشید شوزہ چہ عبد الرؤف کہ دیکھئے مٹا ٹوک سے چوں حروف
چہ مدنا جی پنڈت چہ مرزا خلیل بیک دھار پیشاب گردد ذلیل
در آفاق بسیار چکر زدم بہ ہفتاد و دو فرقہ ٹکر زدم
بایں حسن و سیرت چو تو دلنواز ندیدم دریں سیر گاہ مجاز

سپش نامہ

حضور جہاں شاہ گیتی پناہ ز بیداد جوّاں ز ٹل دادخواہ
جوئیں پڑ گئیں در قباؤ ازار نئی آئی مشکل بہ دلّی دیار
آدھی رات تن بیچ اٹھی کلبلی چو دیدم کہ فوجاں جوآنکی چلی
لڑائی پڑی جوّاں سے وقت رات جُواں کا چلا منھ چلا میرا ہات
جواں مارتے مارتے شب گذشت دلے یک جُواں از میاں کم نگشت
کروڑوں جُوئیں اور اکیلا منم دونوں ہاتھ سے تا کجا میزنم
کہ در رقبہ ایں قباؤ ازار پھر دل کھیلتا ہیں جو و دل کے شکار
بڑا پہلوان است افراسیاب کہ از زور جوّاں خورد پیچ و تاب
جو را کا سس جوّاں کند ترک تاز شود سر نگوں طرّہ طرہ باز
جواب افضل خان صدر الصدور جواں مارنے میں نرکھیں شعور

محمد امین خاں بڑے سار دھول | جو ان سے گئے چوکڑی مار بھول
جوشہ داد خاں جی بڑے شرع دار | یہ پیش جواں کھول ڈاریں ازار

جوانی بگزرد در عسرت حال | بہ پیری پیش آید دولت و مال
بنزد جعفر مسکیں سخندان | بداں ماند کہ پس سر لعید انزال

جعفر زرکوب اصفہان کے رہنے والے تھے۔ بے انتہا ہزال اور مسخرے تھے مگر یہ دو شعر مل سکے۔

از خرام آن صنم تنہا نیاید از من آب | میکشد زاندازیک غربالہ از روئیں آفتاب
چوں برد حاصل کس از وصلش کہ چوں آسیا | سے جہاند از من او و جالت گرد پدر آب

جگت۔ جگت وہیں نام ہے الہ آباد کے رہنے والے قوم کھتری سے ہیں قریب قریب ۳۳-۳۴ سال کی عمر ہوگی پہلے ریلوے کے دفتر میں ملازم تھے اب بینک میں ملازم ہیں۔ شاعری کا ابتدائی عمر سے شوق ہے اور اب بہت اچھی ظرافت کہتے ہیں اگرچہ ظرافت میں پختہ مشقی۔ اور مراعات النظیر ضلع جگت نہیں پھر بھی اشعار نہایت شگفتہ ہوتے ہیں۔ بعض بعض ظریفانہ گلدستوں میں آپ کا کلام چھپ چکا ہے۔ بعض رسالے بھی آپ نے ترتیب دیئے جو طبیعت کے لگاؤ کے موافق تمام ظریفانہ رنگ پر مبنی تھے انھیں سے آپ کے کلام کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ کلام میں بسبب عدم پختہ مشقی بعض بعض جگہ خامیاں پائی جاتی ہیں۔ مگر عیب کو فروگزاشت کرنے کے بعد نہایت عمدہ انتخاب باقی رہ جاتا ہے۔ دوہڑا۔

بڑے بھنسار ہولی کے جو بھیا ہم سے سن پائن | بلوا کچھ کے لوا کے ہا تھن ہمکا بلوائن
بڑی کھاترے ہمرا ہاتھ پکڑا لیگئے بھیتر | بچھونا پھر رسوئیاں والے کرے ماں ٹہ بچھوائن

گلوری دان چاندی کا کہن بھگواسے لے آؤ ۔ دسا ور پان ماں بھوجی سے کتہ کھوب لگوائین
کچوری پوری بڑی دال موٹھ اور برفی ٹیکونے ۔ پڑ گیا اور پیر یا گھر میں اپنے کھوب پکوائین
گرچ ہم کہہ سکت ناہیں بڑی کھاتر بھجی ہمری ۔ ہمیں تو پیٹ بھر کے اچھا اچھا کھانا کھلوائن
بدل لہنگا دوپٹہ بھوجی گا تن باری بلوائن ۔ ہماری گود ماں بہٹلاے کے گانا بھی سنوائن
عبیر اور بتاسب رکھار ہا بھر بھر کے تھریا میں ۔ ملن ہمرے بھی گلوا ماں اور اپنو منھ میں ملوائن
منگائس دارو مہوا کی بہت اچھی سی اک بوتل ۔ بڑے ہی سوک سے بھر بھر کے کلہڑ ہم کا پلوائن

خدا غارت کرے اس کشتہ زن کو ۔ نہ نکلا ٹاٹ کا ٹکڑا کفن کو
ہمہ تن پاس کر دیا تو نے ۔ ستیا ناس کر دیا تو نے
دونوں رخسار عنایت کریں اک بوسہ ۔ اب مرے واسطے سرکار سے چندہ ہو جاے
دہکا کے بوسہ لوں گا رخ رشک ماہ کا ۔ چندہ وصول ہوتا ہے صاحب بادہ سے
جہاں بارش کمی کرتی ہو کہیو اپنے دہقاں سے ۔ کہ اپنے کھیت پر لیجاے میری چشم گریاں کو
چشم نے میری اشکباری کی ۔ کاشتکاروں نے کاشتکاری کی
ایک دن رو یا برائے امتحاں میں ناتواں ۔ سو سمندر ساٹھ نالے لاکھ دریا بہہ گئے
میٹھی نظروں سے جو دیکھا مجھکو ۔ کیا میں حلوہ ہوں مجھے کھائیے گا
حسینوں سے نظر مجھسے لڑی ہے ۔ لڑی ہے یا مری قسمت لڑی ہے
خبر دیتی ہے ہچکی ان بتوں کی ۔ نئی فیشن کی یہ جیبی گھڑی ہے
پھنسے جاتے ہیں سب اسکی گرہ میں ۔ تمھاری زلف ہے یا ہتکڑی ہے
رخ انور پہ اُن کے ہے عیاں خال ۔ یہ بیڈ ہے دودھ میں مکھی پڑی ہے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی ۔ بت بے پیر پر لعنت خدا کی

مٹک کر ناک پر انگلی کو رکھ کر — کہا ایجاد ہے میری ادا کی
غمِ ہجراں ہے یا پھاگن کی آتش — دلِ ویراں میں ہولی سی جلا کی
ہوا اس سیم تن سے جب سے سونا — اُسی دن سے مری چاندی کٹا کی
چپت جھٹ مار دیتا ہے اچک کر — بُری عادت ہے یہ اُس بے وفا کی

نہ ہو کیوں کم سنوں کے شربتِ دیدار میں لذت — مزا دیتا ہے جب پانی تلک بھی کورے برتن کا
مثل لقا کے اکڑانے لگا وہ ماہ لقا — اب حکمت کا بھی اڑا ہوش کبوتر بنکر

کیا خلق میں آمادۂ بیداد ہیں مچھر — مزدو سے کچھ کم نہیں شداد ہیں مچھر
پیاسے ہیں یہ ظالم بنی آدم کے لہو کے — سفاک ہیں خونخوار ہیں جلاد ہیں مچھر
چاہیں جسے کاٹیں جسے چاہیں اُسے کھائیں — خالق کی خدائی میں بس آزاد ہیں مچھر
مارے کوئی لاکھ ان کو مگر فائدہ کیا ہے — مشکل ہے یہی صاحبِ اولاد ہیں مچھر
ہے گانے بجانے کا فن ایجاد انھیں کا — شاگرد جو دھاڑی ہیں تو استاد ہیں مچھر

ہے شبِ وصل بولو آہستہ — چارپائی بھی کان رکھتی ہے

مدت کے بعد پائی ہے ہمنے شبِ وصال — دو چار سو برس تو الٰہی سحر نہ ہو

روٹھا ہے مجھسے میرا صنم ہائے باپ رے — کرنے لگا ہے چرخ ستم ہائے باپ رے
بالائے طاق وصل کی امید ہو گئی — چھاتی سے لگ کے بولا صنم ہائے باپ رے
جسطرح مٹ گئے ہیں یہ شاہانِ بحر و بر — اوڑھیں گے کیا کفن یہ تو نہیں ہائے باپ رے

جمیل تخلص — جمیل الدین نام — شیخ حفیظ الدین چوتھا نیسر ضلع کرنال کے رئیس تھے ان کے فرزند ارجمند تھے — ابتدائی عمر سے شعر و شاعری کا شوق تھا اور ابتدائے سن ہی کے زمانے میں نہایت ذہین اور طباع تھے۔ چنانچہ صاحب تذکرہ گلستان سخن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں "کہ ہر چند عمر اس کی ہنوز زیادہ تیرہ برس سے متجاوز نہیں ہوئی لیکن ذہن کی تیزی برق سے اور طبیعت کی شوخی شعلۂ ہواسے زیادہ ہے ازبسکہ حداثت سن کا اقتضا غالب ہے اشعار میں مضامین خندہ انگیز تمسخر آمیز بیشتر باندھتا ہے یہ چند شعر اس کے کلام سے انتخاب ہو کر نذر ظرفائے خوشمزاج ہوتے ہیں۔

روان جو سوئے فلک آہ کا دھواں ہوتا | تو اک جہاز دخانی یہ آسماں ہوتا
چڑھا ہی لیتا اڑنگے پہ اُس ستمگر کو | جو آج کو میں زبردست پہلواں ہوتا

ترے کوچہ میں آنے نہیں دیتا ہوں غیر ننگ کو | بنا میں سیکڑی سے اپنی چوکیدار پھرتا ہوں
ترے غم نے مجھے بخشا ہے ایسا مال عشرت کا | کہ شکل اپنی بنائے شل ہو سیتا پھرتا ہوں
کہا میں نے کہ اکدن تو ذرا چہرہ دکھا دیجئے | اسی کیواسطے اتنا ذلیل و خوار پھرتا ہوں
تو ہنس ہنس کے لگا کہنے کہ یوسف تو نہیں ہے تجھ | کہ ہر اک کو دکھاتا جلوۂ دیدار پھرتا ہوں

اُسپہ عاشق ہوں پر نہیں یہ خبر | شکل گوری ہے یا کہ کالی ہے
سیم کی طرح دل گداز میں ہے | میرا سینہ ہے یا کٹھالی ہے
کھودتی ہے ہر ایک کا سینہ | تیری مژگاں ہے یا کدالی ہے
آنکھ پوچھے تو دے جواب وہ لب | اک جوابی ہے اک سوالی ہے
زلف سلجھی رہی تو ہے وہ گھاس | اور الجھی رہے تو جالی ہے
ہم غریبوں کا بستر اک پیا | اک پرانی پھٹی نہالی ہے

مست پڑا مانند جمیل اُسکا　　　　اُس کی گالی نہیں سہالی ہے

جوشش :- ان کا اصلی نام رحیم الدین تھا - مگر لوگ رحمو رحمو پکارتے تھے - اور اسی نام سے مشہور ہوگئے تھے - تذکرہ خمخانہ میں ان کی نسبت لکھا ہے کہ پڑھے لکھے تھے مگر مصنف گلشن بے خار کہتے ہیں کہ یہ ایک بازاری اور عامی آدمی تھے - ہولیوں میں کوچہ و بازار میں غزلیں گاتے پھرتے تھے - اور ہلیاروں کے ساتھ خوب ہلڑ مچاتے تھے ۱۷۹۳ء میں زندہ وبخیریت تھے مصحفی نے ان کو اپنا شاگرد لکھا ہے - ان کے شعر ظریفانہ تو کیا ہوتے مگر شوخی طبع کا پتہ ضرور دیتے ہیں ایک شعر اسی انداز کا ملا ہے - جو اگرچہ وثوق کے ساتھ ان کا نہیں کہا جا سکتا مگر اہل تذکرہ نے متفق طریق پر انھیں سے منسوب کیا ہے ممکن ہے کہ اور بھی کلام اسی انداز کا ہو مگر مجھے مل نہیں سکا -

میں نے جو کہا تجھ بن کیا کیا نہ الم گزرا　　　　بولا کہ ابے تیرا روتے ہی جنم گزرا

جوکر :- حسن جعفر نام ہے لکھنؤ کے رہنے والے ہیں ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں نہایت رنگین مزاج شوخ زبان یارباش ملنسار خلیق زندہ دل آدمی ہیں اب چند روز سے شوخ تخلص کرتے ہیں - گو ظریفانہ شاعری کی عمر زیادہ نہیں ہے مگر اپنے احباب کی شاعرانہ گرمی صحبت سے آپ کی سخنگوئی بھی درجہ کمال پر پہونچی ہوئی ہے مجھسے اچھی خاصی ملاقات ہے - مشاعروں کی صحبتوں میں آپ برابر شریک ہوتے ہیں اور قریب ہر شاعر اور سخن فہم آپ کے نام سے واقف ہے - آجکل معراج الادب میں جو لکھنؤ کی ایک مخصوص طبقۂ شعرا کی انجمن ہے - آپ بھی شریک ہیں اور ہر مشاعرہ میں اپنی ظرافت سے سامعین کو محظوظ فرماتے ہیں - اسوقت ۱۹۲۸ء میں آپ کی عمر چالیس بیالیس برس کی ہوگی - مجموعہ تبسم گل کی ترتیب کے وقت میں آپ کا کلام حاصل کرنے کے لئے

آپ سے ملا تھا اور آپ نے نہایت اخلاق سے خود یہ کلام عنایت کیا تھا۔ آج مجموعۂ مذکور سے کلام کا انتخاب کر کے اس تذکرہ میں درج کرتا ہوں جی چاہا تھا کہ اس تذکرہ کے لئے جدید کلام حاصل کروں۔ مگر فرصت کی قلت ہے اور لکھنے کی عجلت اس لئے اسی پہلے کلام کو تبرکاً یہ سمجھ کر لکھتا ہوں۔

سوکھے ہیں بال کہہ دو مرے سوگوار سے
تھوڑا سا تیل لے لے چراغ مزار سے

چمن میں اُنکی کوٹھی سے بلند اپنا مکاں ہوتا
کہ اُن کی جھونپڑی کے اوپر ہمارا آشیاں ہوتا

اگر وحشت کی لیتا قیس اور مجنوں فغاں ہوتا
تو لیلیٰ کے اوپر اونٹ اسپر سایہ باں ہوتا

کسی کے کان چھپ جاتے تو کوئی گونگا ہوتا
اگر بندہ نصیب دشمنان مجنوں فغاں ہوتا

قفس میں آب و دانہ مفت کا تھا یہ چھٹ تی
کرایہ پر چلا دیتا جو میرا آشیاں ہوتا

میں دبلا اور وہ موٹے چھپکلی مٹکے پہ کیا پھرتی
جو اُچکاتے وہ اپنی توند تو پھر میں کہاں ہوتا

حسین جیتے سدا یشتی تھے بناتے جھنڈیاں اُنکی
جو سمسہ میں میرا گریباں دھجیاں ہوتا

گزرتیں اونٹ کے کوہان پر سب وصل کی راتیں
اگر خود ناقۂ لیلیٰ کا مجنوں سارباں ہوتا

کسیکے دس گھر یکے کھیلنے میں کام آ جاتا
مرادِ دل نہ ہوتا کاش ایلی کا میاں ہوتا

بسیرے کے لئے پھر کیوں کسی کی جھونپڑی میں گھستا
مرے صیاد۔ جو کرکا اگر آج آشیاں ہوتا

عاجز ہوئے ہیں گرمی روز شمار سے
مردے نکل کے بھاگ گئے ہیں مزار سے

حاجت ہوئی جو جو لھا بنانے کی یار کو
کچھ گئے کھود لے گیا میرے مزار سے

لنگڑیاں دیکھ لنگڑو کی لوٹ دیتا تو گدر
الفت میں پیچ پڑ گیا اب ناگوار سے

وعدے میں تیرے جھوٹ کا او جھر اسہ نہ تھا
جو لدے گر پڑے نظر اعتبار سے

اولاد ہے آدم کی مانا کہ ہے سودائی — اس رشتہ سے تو مجنوں لیلیٰ کا ہوا بھائی
کھاتے ہیں قلابازی ہیں جتنے تماشائی — کس قسم کی ہے ورزش ظالم تری انگڑائی
جب پردہ محمل سے لیلیٰ بھی تماشائی — مجنوں نے حماقت کی گر چیخ نہ دکھلائی
عشاق گراں جانسے ہاری شب تنہائی — یہ کہتی ہوئی بھاگی مردوں میں پڑی کیوں آئی
کیوں ہر کس و ناکس کے مردے کو جلاتے ہو — ٹھینگے میں نہ ملجائے اکر روز مسیحائی
وہ ہم اُن کا دم رخصت کام آیا بہت ہے یہ — وہ بیٹھ گئے اُٹھ کے جب چھینک مجھے آئی
کمبخت کو کنگھی سے فرصت ہی نہیں ہوتی — اللہ کرے اسپر عاشق ہو کوئی نائی
یوں لیلیٰ و مجنوں کو ہم عمر چڑھاتے ہیں — تسلیم بڑی بھابی آداب بڑے بھائی
جب سامنے آتا ہے تم دیکھ کے ہنستے ہو — آخر تمہیں بوکر کی کیا چیز پسند آئی

منہ شیخ نہ لگ شیفتہ زلف دوتا کے — داڑھی کو تری نوچ نہ لے ہاتھ بڑھا کے
صیاد کا بندہ ہے کسے جھوجھو کا دشمن — اللہ کرے گر پڑے پھنگی پہ یہ جا کے
جو آہ مرے صبر میں حائج ہوئی اسکو — بالا سے ہوا پھینک دیا ٹانگ گھما کے
دیکھوں تو گراتا ہے فلک برق کہاں تک — رکھتا ہوں ہرا باغ میں جھوجھو لگا کے
کوئی مجھے اس بھول بھلیاں سے نکالے — رہتا ہوں دریا پہ میں گھوم گھما کے
جب فجر کو کھل جاتی ہے مجنوں کی کبھی آنکھ — دیتا ہے اذاں اونٹ کے کوہان پہ جا کے
جو کرتے ہے انداز ظرافت کے تصدق — رنگ اپنا جمایا بھری محفل کو ہنسا کے

دل توڑ دیا میرا اُس بت نے نہ یہ جانا — بنجائیگا یہاں تکیہ ٹوٹا جو صنم خانا
مقتل میں یہ کہتا ہوں ڈرسے کہ نہ گھبرانا — جب قتل کا وقت آئے چپکے سے کھسک جانا
مجنوں کی طرح ہوتا فرزند بھی دیوانا — اللہ جو لیلیٰ کو دکھلاتا زچہ خانا

ساقی سے مرے کسی کی ہمت ہے جو سے مانگے — اک ہاتھ میں چوتا ہے اک ہاتھ میں پیمانا
آہ دل سوزاں ہے یا آنچ ہے جلوؤں کی — عشاق کی محفل ہے یا کوئی چرمن خانا
دھڑکن سے مرا دل بھی کچھ کم نہیں پنڈت سے — ادنی سا کرشمہ ہے دو ہاتھ اچھل جانا

ہے دھوبی روئی کپڑے کا یہ منظر ساماں ہے — کہ سارا چوک ہے اور ایک جھکڑ کا گریباں ہے
ادھر دریا ہے خوں جاری ادھر انبار مردوں کے — یہ کوئی مرگھٹا ہے یا زمین کوئے جاناں ہے
انھیں جلاد سے سرگوشیاں کرتے جو نہیں دیکھا — تو میں یہ کہہ کے بھاگا ایہاں کچھ اور ساماں ہے
عجب کیا ہے جو وحشی مرکتو صبح اپنی باز آئے — اگر سب ملک کے چلائیں گریباں ہے گریباں ہے
دسہرے میں جو پوچھی اسنے خیر و عافیت دل کی — تو فرمایا کہ دیکھو تو زیب طاق نسیاں ہے
کیا ہے گردش ایام نے لیلی کو بھی پاگل — لئے ہے چیتھڑے کہتی ہے مجنوں کا گریباں ہے
زمیں کے اسطرف آباد ہیں سب اہل امریکہ — تو کیا یہ ملک بھی منجملہ گور غریباں ہے
ہزاروں ہی سڑی سودائی اسنے کر دیئے پیدا — میاں جو کہ یہ دنیا بھی ہے دیوانوں کی ماں ہے

وہ دن نزدیک ہے اس گھر میں اک شادی رچی ہوگی — ہمارا چھوکرا ہوگا تمھاری چھوکری ہوگی
جو حال آیا تو یہ حالت تمھاری ٹھیک ہی ہوگی — ہنسینگے یا نہیں گنگا دیکھیں میں ڈھولکی ہوگی
شریک بزم جاناں بند کر لو اپنی آنکھوں کو — وہ آتے ہیں نقاب اٹھے ہوئے بے پردگی ہوگی
نگاہوں سے تمھاری ڈرنے والے دہری ہونگے — دکھائی آنکھ اگر مجھکو تو اچھی بندگی ہوگی
اسے تو آپ ہی شاید کہینگے اپنا دیوانہ — کہ جسکے جسم بھر میں اک لنگوٹی گیروی ہوگی
میں سنتا ہوں کہ معشوق کی بعد مرنے ہی آتا ہے — وہ کیا شے ہے جو اسکے قتل پر بیٹے کسی ہوگی
گذر جائے گا کوئی انتظار شوق جلدی میں — خدا کی مار تجھ پر اب یہ کم بختی ختم بھی ہوگی
بڑھا دی حضرت گاندھی نے پیداوار ترکوں کی — خدا چاہے تو پھر سنیچے میں نوبی مصطفی ہوگی

طواف کعبہ کر کے بھی مقدس جو نہیں ٹھیرا — خر عیسیٰ نہ ہوگا میر جی کی وہ گدھی ہوگی

ویسے یہاں کے لئے ہے ییے یہاں کیلئے — پچھان یاں کیلئے ہو زباں پچھاں کیلئے

کبھی یہاں کیلئے اور کبھی وہاں کیلئے ۔۔۔ — میں صاف کیا کہوں تجھے کہاں کہاں کیلئے

لگائے یار نہ چوتہ تو دل درست نہ ہو — یہی تو ایک مرمت ہے اس مکاں کیلئے

میں چنکے لایا ہوں بہرام گھاٹ کے لیطے ۔۔۔ — بہت حقیر یہ تنکے ہیں آشیاں کیلئے

ہزار عاشقوں کا خوں پیجئے لیکن — کہاں وہ بات جو تھی قیس مارخاں کیلئے

یہ کوئی کھیل نہیں ہے ذرا خیال رہے ۔۔۔ — دیا ہے دل تمہیں جو کرنے امتحاں کیلئے

جو بندہ یا بندہ یہ نہ کوئی نام ہے نہ تخلص ۔ مگر اودھ پنچ میں کسی مفقود الاسم مجہول الحال شاعر نے اسی نام سے اپنی غزل دی تھی لہذا مجھکو بھی مجبوراً اسی صورت سے لکھنا پڑا۔ حال وغیرہ معلوم نہیں غزل ملاحظہ فرمایئے ۔

دل سوے دلربا روانہ ہے — واہ کیا منقلب زمانہ ہے

جورو کہتی ہے دو میاں کو طلاق — مرد عورت میاں زنانہ ہے

جسکو کہتے ہیں غنچۂ سوسن — میری شیریں کا وہ دہانہ ہے

آجکل کے حکیم ہیں عطار — سب کے گھر میں دوائی خانہ ہے

مسی اسدرجہ گہری تھوپی ہے — اُن کا منھ کالا جیل خانہ ہے

غیر کی آنکھ میں سور کا ہے بال — دیکھتا سب کو دشمنانہ ہے

جمع اک جا ہیں عاشق و معشوق — صبح وصلت کا یہ دوگانہ ہے

تل نہیں اُن کے گورے گالوں پر
آیا صدقے کو کالا دانہ ہے

حرف جیم فارسی

چچا تخلص ہے اور نام سید اسحاق ہے۔ دلی کے ایک پیرزادے ہیں۔ مگر تخلص ایسا اختیار کیا ہے کہ تمام دنیا کے چچا بن گئے ہیں طبیعت میں انتہائی ظرافت ہے۔ آپ کا مشاعرہ ہونا دودھ میں چاے کا ہونا ہے۔ سردست حیدرآباد میں مقیم ہیں۔ دو مضمون آپکے مخصوصات میں سے ہیں اور شاید کہ دونوں خود آپ کے تلخ تجربہ پر مبنی ہیں یعنی ایک اطبائے حیدرآباد کی نوشتی کے خطرناک نتائج۔ اور ایک چاندنی رات کی چوریاں۔ اور جگہ چاندنی رات چوروں کے آرام کا زمانہ ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت چچا کو اس کے خلاف سابقہ ہوا آپ کی ایک غزل رسالہ اُردو سے نقل کی جاتی ہے۔ (ہو ہذا)

بھلا کیئے تو کیوں سننے لگا تھا پاسباں میری — مجھے بولا کے خود ہی آپ سُن لیں داستاں میری
اندھیری ہی بھلا ہے میں اسی کی قدر کرتا ہوں — شب مہتاب میں اکثر ہوئی ہیں چوریاں میری
جناب شیخ مجبوری ہے تو اب ان جانے ہے — کہ سب کام آگئیں نوبت بنوبت مرغیاں میری
ملٹھی کاسنی کب تک کہاں تک خطمی و خیری — دوائیں ہو چکیں اب اے حکیم ہیجاں میری

چرکین شیخ باقر علی نام تھا۔ قصبہ ردولی کے رہنے والے تھے مگر مصنف تذکرہ گلستان سخن ان کو لکھنؤ کا رہنے والا کہتے ہیں اور علی العموم سب تذکرہ نویسوں سے یہ بھی لکھتے ہیں کہ چرکین نے اول اول مضامین غلیظہ محض ہزل اور تفریح طبع سمجھکر لکھنا شروع کیے تھے "لیکن رفتہ رفتہ اس قال کو حال بنالیا اور اس گندہ ذہنی نے اسکو اگھوری بنا دیا۔ گویا یہی اس کے بدن میں رچ گئی تھی۔ مدام لباس چرک پہنتا اور ایسی میلی کچیلی وضع رکھتا کہ اجنبی اسکو سچ مچ حلال خور

سمجھتا۔ صحبت کا اثر مشہور ہے یہاں صرف تصور اور خیال نے یہ تاثیر کی کہ صحبت کو پرے بٹھا دیا حق یہ ہے کہ جو بات لین کہتا تھا انتہا میں کر دکھایا۔ آخر الامر لال بیگ کی صحبت اور گو گا پیر کی ہمنشینی کے شوقین شہر کے مقامات پاکیزہ سے بھاگ کر صدہا آرزو کا ٹوکرا سر پر رکھے ہوئے بطریق پاتراب کے جنگل کے کسی کوڑے پر اوّل منزل کی" غرض یہ کہ ہمارے نزدیک چرکین نے اگرچہ رنگ نہایت ہی مبتذل اور برا اختیار کیا تھا۔ مگر وہ اپنے طرز کے استاد بے بدل تھے۔ گو انھوں نے اپنے دیوان کی ایک مکمل اور لاجواب صنعت بنا دیا ہے۔ اور اس غلیظ کی چھینٹوں سے انکا دامن شاعری کمال کا ایک رنگین گلزار پر بہار معلوم ہوتا ہے۔

کہن سال بزرگوں سے سنا ہے کہ ان کے مختلف شاگرد تھے۔ جن میں سے دو نہایت مشہور اور اپنے استاد کے رنگ کے مشتاق تھے۔ ایک کا تخلص گوڈر۔ اور دوسرے کا حیض تھا۔ جنکا نام اگرچہ معلوم نہیں ہو سکا مگر دو دو چار چار شعر مل گئے ہیں۔ جو اُن کے تذکرہ میں درج کروں گا میرا ارادہ ہے کہ اب دیوان چرکین کا ایک ایسا مکمل انتخاب پیش کروں کہ اسکے بعد اُن کے دیوان کے دیکھنے کی کسی احتیاج باقی نہ رہے۔ گو کہ اب دیوان چرکین ایک انتخابی صورت میں چھپ گیا ہے اور وہ عام طریقہ سے ملتا ہے۔ مگر میں قدیم اور مکمل دیوان سے انتخاب کرتا ہوں جس میں بہت سے وہ شعر ہیں جو مروجہ دواوین میں نہیں ہیں۔ انتخاب میں بعض وہ شعر بھی دوں گا جن میں چرکین نے اپنی وضع کے التزام کے ساتھ ساتھ محاورات بھی صرف کئے ہیں۔ اور اپنے کمال کا اتنا بڑا سکہ بیٹھا دیا ہے جسکا ازالہ دشوار تر اور ناممکن ہے

گو باچھی چھی ہو گی اک دن گوہ گھیرا آ بدست
مدعی کو گو میں نہلائے گا جاناں کا تپاک

گھیرے ہی رہتے ہیں اغیار تجھ اس ترک کو
لینڈیوں سے بند کیا ہے شیر لبان کا تپاک

موتنے میں تم چلی پھسکی جو کوئی چھوڑ دو
برق باراں سے نہ چھوٹے ابر باران کا تپاک

جب سے بڑا ہے شیخ کا موتر لیس سے ربط
بدلا ہے گوہ باچھی چھی سے اس کی قبا کا رنگ

پاخانہ اسکے فیض سے رشک چمن بنا
گرد و بہار میں بھی نہ بدلا ہوا کا رنگ

موت کی دھار سے بدتر ہیں سمجھتا ہوں اُسے
کسکو دھمکاتا ہے چمکا کے وہ دھارا قاتل

سہمگیں ہو گئی ایسی ہری صورت مرنزع
ہگدے دہشت سے جو دیکھے مرا لاشا قاتل

دست پر دست چلے آتے ہیں لے جلد خبر
ترے بیمار کا اب حال ہے پتلا قاتل

دست بردار ہوا ان باتوں سے آجانے دے
قتل چرکیں کو نکر گو نہ اچھلوا قاتل

بتنگ آئے ہیں دنیا کی گو اچھی چھی سے
ہو قبض روح بخش چھوٹیں اس عذاب سے ہم

فلک ہو طشت ستارے ہوں پھٹکیاں گو کی
جو گو کے چھوٹ کو نسبت دیں آفتاب سے ہم

ہو اُسکی کھڈی میں صرف اپنے کالبد کا غا
یہ چاہتے ہیں زمانہ کے انقلاب سے ہم

بنا ہے چرخ بریں طشت کہکشاں کھڈی
ہگے گا کونسا شوکت نشاں نہیں معلوم

ہمارے پاس بنا آتا ہے گھر جو اے منعم
ہمارے ہگنے کی کیا داستاں نہیں معلوم

ہمیشہ رہتے ہو بیت الخلا میں ہم چرکیں
جہاں میں کسکو تمہارا مکاں نہیں معلوم

دماغ کو یہ خوش آتی ہے اُسکے موت کی بو
کبھی نہ سونگھیں اگر دے کوئی گلاب ہمیں

سڑے کیطرح سے گو بقا پئے پھریں کب تک
جمال اپنا دکھا او پری شتاب ہمیں

کپڑے چرکین جب بدلتے ہیں
عطر کے بدلے موت ملتے ہیں

نہیں کہتے ہیں عیب ہمکو ذرا
اپنے منہ سے وہ گو اگلتے ہیں

کس شجر کے ثمر ہیں سیب ذقن
نہ تو گلتے ہیں یہ نہ سڑتے ہیں

بزم جاناں میں پادتا ہے غیر
ہر طرف سے اشارے چلتے ہیں

تیرے بیمار کے تلے غمخوار
پوتڑے دمبدم بدلتے ہیں

طبع چرکیں بھی طرفہ سانچا ہے
گو کے مضمون جس میں ڈھلتے ہیں

سگ دنیا جو ہیں کب جود و سخا رکھتے ہیں
گو بھی بلی کیطرح سے وہ چھپا رکھتے ہیں

گو اچھی چھی کے سوا کچھ نہیں حاصل اس سے
گو وہ کھاتے ہیں جو امید وفا رکھتے ہیں

گوز کی بو سے معطر ہے چرکیں کا دماغ
تجھسے امید ہوا سے باد صبا رکھتے ہیں

سمجھتا ہے اُسے گوز شتر بیدِ محمل ہیں
پئے جمازہ گر مثل جرس فریاد کرتے ہیں

رقیبوں سے تو تھا روہ بلا ہی اسقدر اُن کا
مصاحب جا بجا نکہت بیت الخلا میں یاد کرتے ہیں

اٹھائے گو مرا کیونکر نہ مجنوں دشت میں خشتیں
سعادتمند لڑکے خدمتِ استاد کرتے ہیں

طلب کرنے نے انکے کر دیا مجبور یوں مجھکو
چلا جاتا ہوں ہگتا پادتا جب یاد کرتے ہیں

دنیا کی نجاست سے بری گوشہ نشیں ہے
رغبت نکرے گو پہ کبھی زاغ کماں کا

مسند دل کو کیا یوں سے اگر دیجئے تشبیہ
پاخانہ میں عالم ہو گیا بی کی کاں کا

چرکین مرے کوچے میں کہیں ہگنے نہ پائے
مہتر کو یہی حکم ہے اس آفتِ جاں کا

پھر گفتگو سے پوچ لگی آنے بیچ میں
پھر گوز بند یار کی گفتار نے کیا

گو میں بنائیں خوب سے جھاڑے گئے کمال
بوسہ طلب جو یار سے اغیار نے کیا

تونے آنا جو وہاں غنچہ دہن چھوڑ دیا
گل پہ پیشاب کیا ہمنے چمن چھوڑ دیا

عطر کی بو سے معطر ہوا بلبل کا دماغ
گوز اک تونے جو اے غنچہ دہن چھوڑ دیا

ہے متوڑا طفل اشک بھرا دامن میں لیے
موت بھر جائیگا پاکیزہ تری پوشاک میں

پادا اونی سا ہے چرکین نہ رسے بولا وہ شوخ
دب گیا ہوگا وہ گوز تیرے خس و خاشاک میں

موت تسے کہتا ہے مجھسے اپنے کوچے میں نہ گل
اس روش کی آبجو کوئی گلستاں میں نہیں

چرکین غرض نہیں گل و گلزار سے ہمیں
مطلب ہے پاخانۂ دلدار سے ہمیں

کرتا ہوں عرض حال تو کہتا ہے گو نکھا
ہوتا ہے دردِ سر تری گفتار سے ہمیں

کاش گھورے سے ہو قسمت کا ترے زر پیدا
تو بھی چرکین چلن نیا پادوں کا کر پیدا

گردنِ شیخ پہ رندوں نے رکھا بارِ گناہ
کھاد اٹھوانے کو اچھا کیا یہ خر پیدا

گو نہ کھا پوچ نہ رندوں کو سمجھ جھوٹ نہ بول
دمِ وضو ہوش میں آ عقل و خرد کر پیدا

کوچۂ یار میں پھولا ہے جو کبر نستا
بلبلو ہوگا نہ پھر ایسا گل تر پیدا

اُسکے رکھ خانے کی دیوار پہ گر گل کیجئے
لیپ گر تو نہ فلک کی ہو زمیں پہ پیدا

بیت الخلائے یار میں گیا غیر جا کے — دہشت سے گوز بند ہے اُس نابکار کا

پھولے پھلے ہر اک شجر خشک باغباں — تھالوں میں گر پڑے جو مرے گلعذار کا

کیا کہیں تجھ سے کہ کیا کیا ہوئی چرکیں کی گہو — پاکخانہ میں بدن دیکھ کے عریاں تیرا

مجھ سے جو چرکیں وہ خفا ہو گیا — رُعب سے پیشاب خطا ہو گیا

طائر ذکر و مدح غیر بھی — گوز کے مانند ہوا ہو گیا

وصل کا وعدہ کیا بیت الخلا میں یار نے — پنجۂ مژگاں سے جھاڑا چاہیئے پاخانہ آج

خواہش آرائش گیسو ہے چرکیں یار کو — چاہیئے پنجہ کی ہڈی سے بنانا شانہ آج

شیخ جی کو پھر طبیبوں نے بتایا ہے خلل — ہو گیا پھر آجکل اُن کو خلل سرسام کا

سامنے اُسکے نہ کیجے گفتگو ہر ایک سے — گو اچھالے گا بہت چرکیں اپنے نام کا

سُنے گر رستم دستاں تو ہگ مارے خطرہ کے — غرض اظہار کے قابل نہیں احوال اپنا

قبض سے اب یہ حال ہے صاحب — پادنا بھی محال ہے صاحب

شیخ صاحب سر مبارک پر — ق — یہ سڑی سی جو شال ہے صاحب

رند کہتے ہیں پھبتیاں اسپر — لینڈی کتے کی کھال ہے صاحب

اب کے چرکیں جو زر کماؤں گا — پاکخانہ میں سب لگاؤں گا

موتنے پر کبھی جو آؤں گا — سیر دریا انہیں دکھاؤں گا

تیرے گھر سے جو اب کے جاؤں گا — موتنے بھی کبھی نہ آؤں گا

فخر ہو گا میں تیرا عاشق ہوں — گو بھی تیرا اگر اٹھاؤں گا

نوجوانو ضعف پیری پر سے ہنستے ہو کیا — آگے آئیگا یہ دریا کا ہگا پڑنا بیگا

روز و شب ہگنے سے تم اُسکے خفا ہوتے تھے — مہترو خوش رہو چرکیں نے وطن چھوڑ دیا

سامنے اعلیٰ کے اسفل ہمسری کرتا نہیں — سامنا پھسکی سے ہو سکتا نہیں ہے پاد کا

ایکدن بھی دل نہ اُس بت کا پسیجا تھو تھو — تھا مگر گوز شتر نالہ دل ناشاد کا

پادنے میں شیخ کیا میرا کرے گا سامنا ۔۔۔ مجھ میں اسمیں فرق ہے شاگرد اور اُستاد کا
یہ دعا ہے روز و شب چرکیں کی گو گا پیر سے ۔۔۔ میں بھی اب مہتر بنوں جا کر الہ آباد کا

چنال ۔ اس تخلص کا ایک مختصر دیوان میری نظر سے گزرا جسکے متعلق تحقیق کرنے پر بعض احباب سے معلوم ہوا کہ جناب آؔہ صاحب عظیمؔ کا یہ دیوان ہے موصوف لکھنؤ کے ایک باکمال شاعر تھے تفنن طبع کے لئے کبھی کبھی اس رنگ میں بھی طبع آزمائی فرماتے تھے ۔ غالباً طبیعت کے استغنا اور ذاتی وجاہت نے اجازت نہیں دی کہ اس قسم کے کلام کے ساتھ اپنے نام نامی کو ظاہر فرمائیں ۔ ممکن ہے کہ یہ خیال صحیح ہو ۔ مگر سعدی ۔ انوری ۔ عُبید زاکانی وغیرہم حضرات جو بلا مبالغہ افراد کاملین زمانہ میں سے شمار کئے جاتے ہیں وہ بھی اس رنگ میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں اور ظرافت کو بھی اپنے کمالات کا ایک جزو سمجھکر اپنے کلام کے ساتھ شامل کر گئے ہیں اس حالت میں اگر لکھنؤ کے ایک باکمال کا نام بھی زمرۂ ظرفا میں شامل ہو تو کچھ نقصان رساں نہیں ہو سکتا اسی لئے میں نے اس تذکرہ میں نام پر پردہ ڈالنا کچھ بہتر نہ سمجھا ۔ بہت ممکن ہے کہ میری یہ تحقیق صحیح نہ ہو ۔ مگر کلام کی پختگی اور متانت بار بار مجھکو یقین دلاتی ہے کہ کسی نو مشق کا یہ کلام ہو ہی نہیں سکتا ۔ ظرافت کی برجستگی ۔ شوخی ۔ محاورات کا استعمال برمحل ہر ایک دیکھنے والے سے مصنف کے کمال کا اقرار لئے بغیر نہیں رہ سکتا چنانچہ انتخاب ذیل سے آپ خود اندازہ فرمائیں گے ۔

اثر تھا بار غم ہجر یار چیر فن کا ۔۔۔ ڈرے پلنگ کا کھٹمل تلا کئی من کا
یہ نامہ بر ہے پتہ میرے یار پر فن کا ۔۔۔ کہ اُسکے در پہ لگا ہے درخت بیگن کا
گلے میں ڈالدے میرے بھی عشق کا پٹہ ۔۔۔ کہ میں نے دیکھ لیا طوق تیری گردن کا
دھواں نکلتا ہے ہر بار ساتھ نالے کے ۔۔۔ نہ کیوں گماں ہو دل سوختہ پہ انجن کا
کرو علاج اگر سر میں بال خورا ہے ۔۔۔ لگاؤ تیل ہمارے چراغ مدفن کا

بڑھی ہے صدمۂ فرقت سے اب یہ کمزوری چبا رہا ہوں دہانہ تمہارے توسن کا
وہ آج قبر کو کھدوا کے لے گیا تختے نشاں مٹا گیا بے رحم میرے مدفن کا
دعا چناں کی ہے یہ اسکا منہ پھٹے یا رب چراغ آ کے جو پھونکے ہمارے مدفن کا

ٹپکتی ہے ثقالت بھی سخن سے سرگرانی بھی کٹھل ہوں باغ جنت کا دھتورا باغ رضواں کا

دیکھنا پھر تو بکے گی دھیلے دھیلے عندلیب اور انڈے جھو بجھو میں وروزے سیلے عندلیب
آتی ہے فصل خزاں پکنے کو ہیں برگد کے پھول دیکھنا ہو جائینگے کودوں کے پیالے عندلیب
اے چناں ہرگز نہ اس کے آشیاں کو دیکھنا آج پنجوں میں لئے بیٹھی ہے ڈھیلے عندلیب

نہ تو اچھے ہیں نہ بیمار ہیں آپ نہ ہیں اس پار نہ اس پار ہیں آپ
پہلے تھے آپ نہایت لاغر اب تو بھینسے کہیں تیار ہیں آپ
دیجئے ہاتھ سے اپنے نہ شراب نہ کہے کوئی کہ کلوار ہیں آپ

شاید کھلی نہ آنکھ ہماری تمام رات در پر رہی کسیکی سواری تمام رات
گائی جو آکے ان کی کہاری تمام رات ڈھولک بجا کے ہم نے گزاری تمام رات
پھر بھی نہ قطع نخل محبت ہوا چناں اسنے چلائی زور سے آری تمام رات

سنہ تھیں سرخ مرچیں گر تری تلوار کے پھل ہیں تو کیوں منہ کو لپیٹے ہیں خم دامن دار کیا باعث

روٹی نہ ٹلے گی جو ہوا جھکو خلل آج اللہ کرے خیر کہ کھایا ہے کٹھل آج

کل یار کے گھر جاؤں گا کوئی دن کا ہے وعدہ — کھانے کیلئے بھوک کے لیتا ہوں عمل آج

صحرائے عشق میں نہیں مجھ سا شکستہ پا — منزل تمام کرتا ہوں تیمور کی طرح

بگلے کی طرح عشق میں چہرا سفید ہے — چلنے لگا ہوں چال انیفور کی طرح

دیوار یار میں جو نے گرائی ہے دوستو — انٹیں اٹھا رہا ہوں میں مزدور کی طرح

باتیں کریں گے آکے بلندی پہ آپ سے — کنڈوں کے ڈھیر کر رہے ہیں طور کی طرح

دیکھا نہ ماکیان چناں کو کبھی کڑک — انڈے دئیے گئی وہ انیفور کی طرح

راضی ہوں سر کا درد ہو یا ہو جگر کا درد — سب سے جھکوں مجھے جو خدا دے کمر کا درد

میرا خیال ایک فقط آپ کو نہیں — حیوان میں بھی ہوتا ہے ما وہ کو نر کا درد

چونے سے پڑ گئے ہیں لبوں ان کے منہ میں چھالے — کھولا ہوا ہی پڑا اکھاڑا منہ کے اندر

پانوں کے نام سے وہ پونچھا ہے مسی چونہ — تیار ہو رہی ہے دیوار منہ کے اندر

یار کے روئے مخطط کے قریں کچھ خال ہیں — آج آبادی نظر آئی مجھے جنگل کے پاس

جو بناتے تھے مکان یار خاص — مر گئے افسوس وہ معمار خاص

دوسرے خیاط کی کیا جان ہے — سی نہیں سکتا تری شلوار خاص

گونگے کو کچھ بھی خوف نہیں ہے گناہ کا — لاحول سے غرض ہے نہ شیطان سے غرض

کھد جائے گھر صنم کا چناں گر تو خوب ہے — وحشی ہیں یہ انہیں تو ہے میدان سے غرض

ممکن ہو بھلا یار کی فرقت میں کہاں ضبط — کھنچ آئیں سب آنتیں میں کروں کچھ جو فغاں ضبط

گر جنس محبت کے خریدار نہ ہوں گے — ہو جائیگی ساری دل مضطر کی دکاں ضبط

جس طرح سے چھینے گئے ہتھیار سکھوں کے — ہو جائے الٰہی دل مضطر کی دکاں ضبط

ہے مملکت دل پہ تو اس شوخ کا قبضہ — ڈرتا ہوں نہ ہو جاؤں کبھی میں بھی جناں ضبط

آتی ہے فصل محرم جاؤ گھر گھر مانگنے — پر جلاؤ میری تربت پر جلانے پاؤ شمع

کس جرم پہ چلتی ہوئی لکڑی مجھے ماری — دکھلا تو لگا ہے تری چھڑی میں کہاں داغ
دل بیٹھنا کیسا مری جان لپٹ گیا ہے — اس درجہ ہوا ہے تری فرقت کا گراں داغ
مہرو ہیں وہ شاید مجھے مشہور کریں گے — دل دیتے ہیں چونہ میں دکھاتا ہوں جہاں داغ
فرقت میں بھی جلتے ہیں ترے دل میں بھی ہم — المختصر ای یار جنیں داغ چناں داغ
عید کے دن یوں گلے لپٹا وہ مجھسے دوڑ کر — جسطرح سے باز آتا ہے کبوتر کی طرف
بے ستوں پر ایک بورا بھر کے بیٹھا ای کوہکن — ہے جو وہ شیریں تو خود آئیگی شکر کی طرف
گھیرے ہوئے ہیں گھر کو ترے بے خطر عاشق — بیٹھے ہوئے ہیں شام سے دیوار پہ عاشق
جتنے ہیں غرض سب کو ہے دھڑکن کی محبت — گھبرائیں نہ کیونکر عرق نیلوفر عاشق
عاشق کا چناں عین غزل بھر میں ندارد — معشوق کو دیتے ہیں اسی طرح سر عاشق
یا ندیدہ جانتے ہیں مجھکو وہ یا بد نظر — شغل مے نوشی میں کہتے ہیں کہ ساغر سے الگ
رات بھر رہتی ہے کھڑ بڑ لوٹتی ہیں رسیاں — اے چناں ناد وہ کو بند ہوتے نہیں سم سے الگ
تیری آمد میں کچھ ایسی ہوئی ہلچل قاتل — گر گئی بھاگنے میں جیب سے مخمل قاتل
سنتے ہیں بال کو کم کاٹتی ہے تیغ اصیل — اس سے ہم پھرتے ہیں اوڑھے ہوئے کمل قاتل
تھک گئے ہیں لیٹتے ہیں یار ہم — کب سے بیٹھے ہیں پس دیوار ہم
قتل کا جو خوف تھا جاتا رہا — کل چرا لائے تری تلوار ہم
رکھ کے کہتے ہیں ہتھیلی پر سر — بیچتے ہیں یہ دُر شہوار ہم
رات کاٹی چکوے چکوی کی طرح — وہ رہے اسپار او اُس پار ہم
قصر دل کی کچھ مرمت کا ہے قصد — مول لینے جاتے ہیں تلوار ہم
پھر انکھیں نزلہ ہوا اس سال میں — ناک بھر بہنے لگی رومال میں
ہے اگر فرہاد کو شیریں کا عشق — ڈال لے شکر چنے کی دال میں
پوریاں پکیں اوڑے جام شراب — چلکے جھولا ڈالئے کچنال میں

دانت جب ٹوٹے تو پھر پاپڑ کہاں — کھائیے روٹی بھگو کر دال میں

چھپ کے آتا ہے رقیب رو سیاہ — کچھ نہ کچھ ہے آج کالا دال میں

آج یوں وعدہ ہوا ہے وصل کا — رات کو آنا مری سسرال میں

ہے یہ اے فرہاد شیریں کا پتہ — چیونٹیاں لپٹی ہوئی ہیں گال میں

اب چنی بیگم جواں ہیں اے چناں — اپنی شادی کیجئے اس سال میں

اسقدر بالو سے رگڑا تن بدن — سر سے پا تک ہو گئے ہم آئینہ

شکل حوا سی نظر آنے لگی — کیوں لگا یا قد آدم آئینہ

یہ مجنوں پوچھتا تھا ساربان سے — میاں یہ اونٹ تم لائے کہاں سے

یہ بلبل کہہ رہی ہے باغباں سے — کہ اب گرتے ہیں انڈے آشیاں سے

ثنا کنگھی کی تیری گر کروں میں — جوئیں جھڑنے لگیں لاکھوں زباں سے

شتابی عمر بھر کہتا تھا یہ قیس — مری لیلے نے جھانکا آسماں سے

تہ و بالا ہوئے جب تو کھلا حال — زمیں چپٹ ہو گئی ہے آسماں سے

ہے اُن کے در پہ سب بانکوں کا مجمع — پٹے گی آج لاٹھی پاسباں سے

شب فرقت سے کہیں روز وصال اچھا ہے — سچ ہے یہ ماش کی روٹی سے سہال اچھا ہے

جسکے چبھنے سے لہو بند ہوا اے صیاد — تیرے نشتر سے مری مونچھ کا بال اچھا ہے

جان عشاق کی لیتی ہے تپ صفراوی — نزع کے وقت تو آلو کا زلال اچھا ہے

اے چناں وہ ابھی سن لیں تو نکالیں آنکھیں — گر کہوں آپ کی بکری سے غزال اچھا ہے

وہ ساتھ غیر کے مل مل کے گلے جاتے ہیں — میاں چناں ہیں کہ ڈھولک بجائے جاتے ہیں

چونچ کوئی ظریف شوخ مزاج بدایوں کے رہنے والے ہیں جنکی ایک غزل رسالہ اقتباس میں ملی جس سے چند شعر انتخاب کرکے لکھتا ہوں - زیادہ حالات باوجود کاوش

مل نہ سکے مجبوری ہے۔

ہوتا ہے ڈھول دھمکہ پنڈت میں مولوی میں — اور بی جمال خانم اترا رہی ہیں جی میں

کیا کیا کیا نہ میں نے اے یار تیری خاطر — چاول پکائے جا کر مرگھٹ پہ کھوپڑی میں

تم قتل عاشقاں سے پہلے یہ سوچ لینا — الو نہ بول جائے دنیائے عاشقی میں

خوش قسمتوں کو شاید کوئی جگہ ملی ہو — میری تو عمر گذری بس تو و کمپنی میں

سرکار عشق میں بھی ہونے کو ہے رڈکشن — اب ہر ہوس کا بندہ آ جائے گا کمی میں

صد انقلاب دیر آتی ہے مغربیت — تہذیب تو کے حامی خوش ہو رہے ہیں جی میں

وہ دن بھی آگیا ہے نزدیک اب کہ جس دن — دلہن فٹن پہ ہوں گی نوشاہ پالکی میں

اللہ کا کرم ہے اے چونچ تجھ پہ ورنہ — یہ لاجواب باتیں اتنی سی کھوپڑی میں

چہرخوش — سید اقبال حسین نام ہے نیوتنی ضلع اناؤ کے رہنے والے ہیں۔ قریب تیس برس کی عمر ہوگی۔ مگر آپ کی شاعری کی عمر بہت کم ہے۔ میرے ملاقاتی ہیں دو چار مرتبہ کے اصرار پر آپنے تھوڑا سا کلام عنایت کیا۔ کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مشق سخنگوئی جاری رہے تو آپ بہت جلد اچھا کہنے لگیں۔ مگر افسوس کہ بہت کم فرماتے ہیں اکثر اب بھی جو کچھ فرماتے ہیں وہ مطبوع طبع ہوتا ہے۔

وہ مزا کب رات بھر بستر پہ چلانے میں ہے — شام ہی سے جو در دلبر پہ سو جانے میں ہے

چاند نکلا عید کا اک دھوم رندوں میں مچی — کوئی میخانے کی چھت پر کوئی میخانے میں ہے

کی وصیت ایک آتشباز نے اولاد سے — زندگی کا کچھ مزا جل جل کے مر جانے میں ہے

نیند اڑاتا ہے دل نالاں تو کر دو سینہ چاک — یہ اذاں دیتا ہوا مرغا اسی خانے میں ہے

اسکی رسی کا۔ درازی جسکی ہے ضرب المثل — اک سرا دونوں رخ کے اندر اک سر اکتانے میں ہے

مرد مادہ رو بنے عورت بنی ہے نر نما — فرق اب باقی زنانے میں نہ مردانے میں ہے

مادر قیس نے لیلےٰ سے کہا سن بیٹی   ساتھ اپنے مرے بچہ کو نہ حیران کرنا

نائیو تمکو مبارک ہو یہ خدمت لیکن   ہر مسلمان کے بچہ کو مسلماں کرنا

لیلےٰ خوش خوش تو چلے بولا آئینۂ دل   کام بندر کا نہ اے حضرت انساں کرنا

ہو مبارک تجھے اے عشق کے پکچر بلیں   قیس کو عشق کے پردے پہ نمایاں کرنا

کی ہیں اس شوخ نے جیل سے خفیہ باتیں   اس چہ خوش کو بھی ذرا داخل زنداں کرنا

اہر ڈیلپن عشق کا جب لے اڑا مجھے   اک تل دیار حسن دکھائی دیا مجھے

ہے صاحبان عشق کو لازم فسردگی   مٹی سی ایک مس سے ہوئی عشقیا مجھے

مجنوں کبھی ہوں اور کبھی کوہکن ہوں میں   اس عشق نے بنا دیا بہروپیا مجھے

کہتی ہے شمع جل مرے پروانے آپ ہی   اپنے خدا کی مار لگی ہتیا مجھے

ظالم نے میرے رونے پہ ہو ہو کے بدحواس   کچھ ایسا منھ بنایا کہ ہنسنا پڑا مجھے

ہنستے ہیں کیوں مرے اشعار پر چہ خوش   سمجھے ہیں آپ لوگ کوئی مسخرا مجھے

یہ سوچ کے وحشت میں اچکنے لگا مجنوں   لیلے کا مکاں نجد سے کچھ دور نہیں ہے

جو فیض جسے حکمت قدرت سے پہونچ جائے   منصور کا پردادا بھی منصور نہیں ہے

بولی یہ مس ہندی مخلوط بصد ناز   ہم حور کا بچہ ہے مگر حور نہیں ہے

در آئینگے اک روز مری آہ کے گولے   کچھ قلعۂ دل تیرا بھرت پور نہیں ہے

ٹھڈی سے چلی جاتی ہے بکسٹ جو تا ناف   دُم لور کے گھوڑے کی ہے گو لور نہیں ہے

ایمان تجھے ذبح نہ کر مجھ سے کرنا   کھانا مرے دروازہ سے کچھ دور نہیں ہے

ہر عشق بھی فیشن بھی جوانی بھی مرے پاس   پھر کیوں مرا وصل آپ کو منظور نہیں ہے

حرف حاء حطی

حالی - خواجہ الطاف حسین نام - حالی تخلص - آپ کے والد خواجہ ایزد بخش صاحب کا سلسلہ نسب حضرت عبداللہ انصاری تک پہونچتا ہے - آپ پانی پت کے رہنے والے تھے جب مولانا حالی کی عمر نو سال کی تھی اسیوقت ان کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کے بعد اُن کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہوا - جس کے کامل ہونے پر مولانا حالی ملک کے اُن مشہور اہل قلم میں شمار ہوئے جن کو زمانہ کبھی بھلا نہیں سکتا - آپ کے مفصل حالات جابجا ملتے ہیں اس لئے ہم یہاں نہ آپ کی سوانح حیات سے بحث کریں گے اور نہ آپ کی حکیمانہ شاعری سے بحث کرنا مقصود ہے - بلکہ ہم اس تعجب کو دفع کرنا چاہتے ہیں جو ظرفا کے تذکرہ میں مولانا حالی کا نام دیکھکر اہل نظر کو ہوگا اصل میں متعجب نگاہیں اس راز سے آگاہ نہیں ہیں کہ مولانا حالی وہ ادیب یا وہ شاعر تھے جن کا مرتبہ تمام اصناف سخن میں یکساں ہے - جس طرح وہ متین شاعری کے اُستاد کامل ہیں جس طرح انھوں نے ملک کو ایک شاہراہ ادب پر لگا دیا - جس طرح اِن کی خداداد قابلیت نے ایک اختراع کر کے شعر گوئی میں جدید طرز پیدا کیا - اسی طرح انھوں نے ظرافت میں کمال دکھایا - مگر ظرافت کو ہنسوڑپن یا ہزل گوئی - یا فواحشات کی حد تک نہیں جانے دیا - بلکہ بدیہہ گوئی اور بذلہ سنجی تک محدود رکھا - حکیمانہ ظرافت کی تصویر کھینچکر دکھا دی اور اس متانت کی وہ صورت بنا دی جس پر سے ہزاروں شوخیاں قربان کیجا سکتی ہیں - جہانتک غور کیا جائے مزاح اور خوشدلی کے پیکر مجسم کی بے تعداد تصویریں نظر کے سامنے پھر جاتی ہیں - اور ظرافت سے حقیقی مقصود ظرافت حاصل ہوتا ہے - بعض جگہ عبرت کو اس انداز سے ظرافت کا ہمدوش

کیا ہے کہ دیکھنے والا اتنا متاثر ہوتا ہے کہ اُس کے آنسو بھی ساتھ ہی نکل آتے ہیں بقول کسے

شادی جو ہوئی غم کے پہلو نکل آئے — جب کوئی ہنسا ساتھ ہی آنسو نکل آئے

وہ لوگ کثرت سے ملینگے جن کے یہاں صرف الفاظ کے رنگ و روغن سے ظرافت کے مجسمہ کو چمکایا جاتا ہے اور اس کے ماحصل سے سخت غفلت کیجاتی ہے۔ مولانا حالی کے یہاں وہ قالب بیجان اور مجسمہ بے روح نہیں ہیں۔ اُن کی ظرافت کو گُدگُدیاں کہئے یا چٹکیاں۔ دل و دماغ اُس سے مسرور ہو جاتا ہے۔ اور روح کیف نشاط سے مخمور۔ مگر ظاہری متانت کبھی جانے نہیں پاتی۔ میں نمونہ کے لئے چند شعر لکھتا ہوں۔

ہوئی ریحانِ جوانی کی بہار آخر حیف — طبع رنگیں تھی مے عشق کی جب متوالی
اپنی روداد تھی جو عشق کا کرتے تھے بیاں — جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سراسر حالی
اب کہ الفت ہے، نہ چاہت ہے جوانی نہ امنگ — سر ہے سودا سے تہی عشق سے دل ہے خالی
گر غزل لکھئے تو کیا لکھئے غزل میں آخر — نہ رہی چیز وہ مضمون سجھانے والی
ہاں مگر کیجئے کچھ عشق کا غیروں کے بیاں — لائیے باغ سے اوروں کے لگا کر ڈالی
کھینچئے وصل صنم کی کبھی فرضی تصویر — کیجئے دردِ جدائی کی کبھی نقالی
پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی وہی ہو نہ مثل — قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی

کہتے ہیں ایک امیرزادے کو — تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں
خصلتیں جو امیرزادوں میں — لازمی ہیں وہ اُس میں بھی سب تھیں
واہ وا سنتے سنتے یاروں کی — ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقیں
الغرض ایک روز صحرا میں — جبکہ تھے ساتھ سب جلیس و قریں
مشق تیر افگنی میں تھا مصروف — کر رہے تھے خوشامدی تحسیں
آ کے دیکھا جو اک ظریف نے حال — وجہ تحسیں ہوئی نہ ذہن نشیں

جاکے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا / تیر آتا جگہ کے کوئی قریں
کچھ جو شوخی ظریف کو سوجھی / رکھ کے بالائے طاق سب تمکیں
خاک تودہ پہ ہو کے جا بیٹھا / لوگ کرتے رہے چنان چنیں
ناوک انداز بولا چلا کر / کوئی تجھکو جنوں ہے اے مسکیں
عرض کی چارہ کیا ہے اسکے سوا / جبکہ جائے گزند ہو نہ کہیں
دوستے ان بے پناہ تیروں کی / کہیں جاں دار کو اماں ہی نہیں
مجھکو ہر تیر کے شش جہت میں حضور / امن کی اک جگہ ملی ہے یہیں

اہل حل وعقد ہوا متفق اس رائے پر × سید احمد خاں کو کافر جاننا اسلام ہے

سید احمد خاں کے اک منکر سے پوچھا کہ آپ / کر لئے سید سے صاحب حضرتا الا نہیں
آپ بھی نام خدا ہیں تارک صوم و صلوٰۃ / اور مسلم کہا اسلام سے خود آپ کا اچھا نہیں
چشم بد دور آپ کا بھی جبکہ ہے مشرب وسیع / پھر یہ سید پر تبرا آپ کو زیبا نہیں
سنکے فرمایا اگر ہو پوچھتے انصاف سے / بات یہ ہے حسن لو صاحب تم سے کچھ پردا نہیں
سچ کہو اسکا نہیں مجھکو کہ وہ ایسا ہی کیوں / بلکہ ساری کوفت اسکی ہے کہ میرے سا نہیں

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جب سوال / انگریز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا
مدت تک اسکی سب یہی دیکھی گئی روش / پوچھا کسی نے اس سے کہ اسکا سبب ہے کیا
بولا کہ عادت اس لئے کی ہے یہ اختیار / چھٹ جائے تا کہ مجھ سے لپکا سوال کا
پہلے جو پوچھا گو اُن سے ملتی تھی روز بھیک / آتا تھا مانگنے میں بہت کچھ مجھے مزا
پر جب سے ہے سوال کا اس قوم پہ مدار / منت سے مجھ سے کبھی اٹھا نہیں گیا

ایک مسرف نے یہ ممسک سے کہا — کب تلک اے ناداں یہ حبِ مال و زر
تو جو یوں رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ — ہے سدا دنیا ہی میں رہنا مگر
سن کے ممسک نے کہا اے سادہ لوح — زر لٹانا رائیگاں اور اس قدر
آج ہی گویا نصیبِ دشمناں — آپ کا دنیا سے ہے عزمِ سفر

فقیہ شہر نے ایمان کی جو کی تعریف — تو دی چراغ سے اسکو بہ آب و تاب مثال
کہا فتیلہ اقرار باللساں ہے ضرور — جہاں ہو آتشِ تصدیق و روغنِ اعمال
کہا کسی نے کہ نکلا ہے اندھوں کا تیل — نہیں ضرور فتیلہ کا جن میں استعمال

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ جنکو نہیں طلب — دولت و حشمت ہے ہر حال میں انکے ہمراہ
نہ انھیں حاجتِ اخوان نہ تلاشِ انصار — نہ انھیں خوفِ بداندیش نہ بیمِ بدخواہ
پر نہیں رابطہ جن میں نہ قوم میں یکجہتی — اسکی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت و جاہ
نہ ملاذ ان کے لئے قلعہ نہ خندق نہ فصیل — نہ مدد ان کے لئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ
ایک ملا نے سنا جب یہ سخن فرمایا — تکیہ اور اسقدر اسباب پہ کرنا ہے گناہ
اتفاق اور نفاق اصل میں کچھ چیز نہیں — دستِ قدرت کے ہیں سب بات سفید و سیاہ
واں نہ ملت کی ضرورت ہے نہ کچھ قوم کا ڈر — پڑ گئی فضل کی مولا کے جہاں ایک نگاہ
کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ ہے ساتھ اگر — کردیں افراد پراگندہ جماعت کو تباہ
پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم — اسکو جب دیکھا ہے دیکھا ہے جتھوں کے ہمراہ

ہاروں نے کہا مصر لگا ہاتھ جب اسکے — فرعون کا تھا مصر ہی نے مغز چلایا
وہ خطہ ملعون تھا یہی جسکی بدولت — تھا دل میں خدائی کا خیال اسکے سمایا

میں بھی اُسے اک باغی طاغی کے علی الرغم — اک بندۂ بیقدر کو بخشوں گا خدایا

کہتے ہیں خصیب ایک غلام حبشی تھا — جسپر نہ پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا

کی سلطنت مصر کی باگ اُسکے حوالے — نااہل کے پنجے میں اہالی کو پھنسایا

باڑی[ف۱] گئی بہ ایک برس نیل کی رو میں — یہ حادثہ آ اُسکو کسانوں نے سنایا

فرمایا کہ روئی کی جگہ بوتے اگر اُون — ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اٹھایا

اثنائے وعظ میں ہے تکیہ کلام واعظ — قدر قلیل ہے سب مال و منال دنیا

گویا کہ حرص اُسکی اس سے بھی نہیں ہے — ہے جسقدر فراہم پاس اُسکے مال دنیا

خوشامد کرتے ہیں آ آکے جو لوگ — تمھاری ہر دم اے ارباب دولت

خوشامد پر نہ اُن کی پھولنا تم — وہ گویا تمکو کرتے ہیں ملامت

کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک — نہیں انمیں سے تم میں ایک خصلت

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر — مردوں کی حکومت ہے جہاں ملکوں کی بگڑی گت

لیکن بخلاف اسکے ہے عورت کا جہاں راج — واں ملک ہے سرسبز اور آباد رعیت

فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد جہاندار — قبضہ میں ہے واں عورتوں کے دولت و مکنت

اور سر پہ ہے عورت کے جہاں افسر شاہی — سمجھو کہ ہے اُس ملک میں مردوں کی حکومت

بشر کے صدمے سے ہوتا ہے بشر کو ملال — کہ ایک جڑ کی ہیں سب ٹہنیاں صغار و کبار

ف۱ دلی کے نواح میں باڑی خصوصاً کپاس کے کھیت کو کہتے ہیں ۱۲

یہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے ۔۔۔ تو اور بھی اُسے دیتا ہے انفعال و فشار
یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طبیب ملول ۔۔۔ جو چل بسے کوئی ان کے علاج میں بیمار
وہ جانتے ہیں کہ چھپ جائیگی خطا میری ۔۔۔ کیا ملال کا اپنے گر اس جگہ اظہار

رُباعی

زاہد کہتا تھا جاں ہے دیں پر قرباں ۔۔۔ پر آیا جب امتحاں کی دو پر ایماں
کی عرض کسی نے کہئے اب کیا ہے صلاح ۔۔۔ فرمایا کہ بھائی جان ہی ہے تو جہاں

ایضاً

ہے عشق طبیب دل کے بیماروں کا ۔۔۔ یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے پر اتنی ہے خبر ۔۔۔ اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

پوچھا جو کل انجام ترقیٔ بشر ۔۔۔ یاروں سے کہا پیر مغاں نے ہنس کر
باقی نہ رہے گا کوئی انساں میں عیب ۔۔۔ ہو جائیں گے کھل کھلا کے سب عیب ہنر

اک منعم مسرف نے یہ عابد سے کہا ۔۔۔ کر میرے لئے حق سے فراغت کی دُعا
عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سوئے چرخ ۔۔۔ محتاج کر اسکو جلد اسے بار خدا!

جب تک کہ نہ ہو دشمن اخواں پکا ۔۔۔ ہوتا نہیں مومن کا اب ایماں پکا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے ۔۔۔ سنتے ہیں کسی کو جب مسلماں پکا

۱۴۰
دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم — سمجھو کہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیر دولت — یا ہے کوئی مولوی وزیر اعظم

۱۴۱
یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب و گناہ — کافر کہا واعظ نے انھیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جس وقت — لاتا ہے خدا کو اپنے دعوے پہ گواہ

کہتا فقہا کا مومنوں کو بے دیں — سنتے سنتے یہ ہو گیا ہمکو یقیں
مومن سے ضرور ہوگا مرقد میں سوال — تکفیر بھی کی تھی فقہا نے کہ نہیں

واعظ نے کہا کہ وقت سب جاتے ہیں ٹل — اک وقت سے اپنے نہیں ٹلتی تو اجل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اٹھکر کہ حضور — ہے ٹیکس کا وقت بھی اسیطرح اٹل

حجام ایک نائی عنایت اللہ نامی کا تخلص تھا جس کا اصلی وطن سہارنپور تھا۔ مگر آب و دانہ کی کشش اور اپنے پیشہ کے چمکانے کی ضرورت سے دلی میں قیام رہتا تھا۔ اور یہاں کی خاک پاک سے وہ انس تھا کہ عمر بھر یہیں رہے۔ طبیعت میں شعر سے قدرتی لگاؤ تھا مرزا رفیع سودا سے اصلاح لیتے تھے اور اسوقت کے تمام مشاعروں میں شریک ہوتے تھے وہ زمانہ کچھ آجکل کا سا نہ تھا کہ لوگ اُس کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے سے عار کرتے۔ بلکہ وہ لوگ فن کے قدردان تھے۔ چونکہ یہ ایک خوشگو خوش مذاق شخص تھا۔ اسی لئے بڑے بڑے شرفا بھی اپنے مشاعروں میں بلاتے تھے۔ بعض شعروں میں ظرافت کے طریق پر اپنے پیشہ کا ذکر کرتا لوگ آفرین کرتے اور جی کھول کر داد دیتے۔ مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ کی داڑھی میں تمبو اور منگل کو خطاب لگایا کرتا تھا۔ اور مولانا ہی سے بیعت رکھتا تھا۔ مولانا نے تبرکاً ایک پوشاک

اور دستار دیدی تھی یہ فخریہ اُسکو پہنتا تھا۔ اور ہمیشہ اپنے دامن حال اور وضع قطع کو روشن درویشانہ سے مزین رکھتا تھا۔ اسی بنا پر اہل محلہ اسکو شاہ جی کہا کرتے تھے۔ تمام تذکرہ نویس اس کی خوشگوئی کے معترف ہیں۔ چنانچہ مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ اچھا شعر کہتا تو اس کے خیال بال سے زیادہ باریک ہوتے تھے۔ مسٹر ایوت فیلن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ۱۷۹۳ء میں اسکی عمر ۲۵ برس کی تھی۔ اشعار ظریفانہ کا انتخاب یہ ہے۔

روز رخسار کے لیتا ہوں مزے خوباں کے — بہتر اس شغل سے حجام ہنر کیا ہوگا
کیوں مجھکو ستاتی ہے تو اے گردش گردوں — میں نائی کا بیٹا ہوں کہیں سر نہ رگڑ دوں
آجکل کے خوبرو دیکھے تو ہیں یا سیکھ بچے — ان تلک حجام ہی پہونچے نہ یہ حجام تک
خط آئینے بھی اپنی رسائی نہیں جہاں — حجام کس طرح سے ملیں کیا ہنر کریں
قینچیوں پر میاں پڑتا ہے تب سے گھڑوں پانی — بلا حجام کو جس روز تم حمام کرتے ہو
اس شوخ کے کوچے میں سنبھالا کرو حجام — چھن جائینگے اک روز یہ اوزار تمہارے
کل میاں حجام سب کا مونڈتے پھرتے تھے سر — آج اس کوچے میں اُن کی بھی حجامت ہو گئی
لگ چلئے جو اس شوخ سے ستہ میں تو اے — جھنجھلا کے یہ کہتا ہے کہ چل دور ہٹا لے

حجام کسی دلی کے رہنے والے حجام کا تخلص تھا جو غازی الدین خاں کے مدرسے کے متصل رہتا تھا۔ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اسکا ذکر کیا ہے لیکن نام نہیں لکھا۔ اور خیال ظاہر کیا ہے کہ غالباً کسی سے اصلاح نہیں لیتا ایک شعر نمونتاً لکھا ہے۔

کام کیا زور یہ حجام نے — شیخ کی داڑھی کو قصر کر گیا

حرق۔ میر حسن مرزا نام میر اشرف علی مرحوم رئیس ڈھاکہ کے (بیٹے) اور میر علی آشنا

اور غلام حید مجیب کے شاگرد تھے ۱۸۷۴ء میں نساخ کے تذکرہ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت زندہ و بجریت تھے شعروں میں ظریفانہ رنگ بھی شامل رہتا تھا۔ نمونہ کلام

چھٹی محرم دکھا کر اپنی وہ محرم سے یہ بولے ۔۔۔ کسی عیار نامحرم کی یہ چالاک دستی ہے
تمھیں صورت کا غرہ ہی تو یاں دل کی محبت ہے ۔۔۔ تمھارا حسن مہنگا ہو تو کسکی جان سستی ہے
ایک بندہ کی بھی جان بخشی نہ کی ۔۔۔ اے بتو تم سے خدائی ہو چکی

حریف لالہ شیام لال سائیکل میکر ساکن لکھنؤ کا تخلص۔ جو دورِ موجودہ کے ایک ظریف شاعر ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔

تیرے عاشق جتنے تھے اُن کا جدا انداز تھا ۔۔۔ کوئی دھوتی باندھتا تھا کوئی ستھنے باز تھا
دیتا جاہے دیتا جا لیلی کے کُتے کا کفن ۔۔۔ چھیڑتے تھے لونڈے مجنوں قوم کا بزاز تھا
سیکڑوں دیتا تھا تا وے قیس بے پر بند کو ۔۔۔ نا قۂ لیلی بھی اک گھوسٹ کبوتر باز تھا

یار ہے وصل کی شب آپ کا تن توش مجھے ۔۔۔ ہٹیے ہٹیے کہیں اب کیجیے سبکدوش مجھے
آیا نخاس تو بولا مرا کمسن دلبر ۔۔۔ اچھا اچھا کوئی لے دیجیے خرگوش مجھے
گالیاں سنکے جو میں ٹال دیا کرتا ہوں ۔۔۔ اپنے دل میں وہ سمجھتے ہیں گراں گوش مجھے
ڈر گیا دیکھ کے میں اسکی بھیانک صورت ۔۔۔ جب سے بیہوش ہوں آتا ہی نہیں ہوش مجھے
اُن کے ہتیار بھی کرتے کا نرالا ہے چلن ۔۔۔ کاٹ کھاتے ہیں وہ پاتے ہیں جو بیہوش مجھے
روکے کہتے ہیں کہ عید آگئی اب سر پہ حریف ۔۔۔ آپ لا دیجیے زربفت کی پاپوش مجھے

خفیں۔ ایک ریختی گو کا تخلص ہے جن کے انداز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے تیس چالیس برس ادھر کے شاعر ہیں۔ ریختی میں وہ لطف نہیں ہیں۔ جو ان کے معاصرین

رنگین یا جان صاحب کے یہاں ہے ۔ نمونۂ کلام یہ ہے ۔

پہنا گلے میں تم نے جو پھولوں کا ہار ہے   سمدھن تمہارے حسن پہ کیا ہی بہار ہے
ہوتی ہے ٹیڑھی گر کر دل سیدھی طرح سے آ   گھوڑے پہ آج باد کے سمدھن سوار ہے
سمدھی بتاؤ تم کو یہ کیسی ہے بے کلی   آرام تم کو اور نہ اک دم قرار ہے
سوکھا ہی اس نے پار اُتارا رقیب کو   سمدھن ہماری خوب سلیقہ شعار ہے
سمدھن حزیں سے تم نہ لگاوٹ کرو ذرا   لائق تمہارے منہ کے کڑا کھار ہے

حکیم مولوی محمد سمیع ارادت اللہ تخلص نام ہے آپ انصاری ہیں اور لکھنؤ کے مشہور خاندان علمار فرنگی محل سے ہیں ۔ قابلیت عربی و فارسی نہایت اچھی ہے ۔ نیک طینت ملنسار خوش خلق ہیں ۔ دونوں رنگوں میں شعر کہتے ہیں ۔ مگر رنگ ظریفانہ طبیعت پر زیادہ غالب ہے اور اس میں اپنی جودت طبع ہمیشہ دکھاتے رہتے ہیں ۔ اگرچہ راقم تذکرہ کے شناسا فرما ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ مستقلاً کس سے اصلاح سخن میں استفادہ کرتے ہیں ۔ ایک دو مرتبہ میں نے خود دیکھا کہ حضرت ظریف کو غزل روا روی میں سر مشاعرہ دکھائی ۔ آپ کے کلام میں شوخی بھی ہے اور شوخی کے ساتھ ایک خاص قسم کی متانت بھی پائی جاتی ہے ۔ اسوقت آپ کی عمر تخمیناً ستائیس اٹھائیس برس کی ہوگی ۔ اگر یونہی مشق سخن جاری رہی تو مستقبل نہایت کامیاب ہوگا ۔ نمونہ کلام یہ ہے ۔

انوکھا آپ کا انداز اے اللہ میاں نکلا   نشاں بھی بے نشاں نکلا مکاں بھی لامکاں نکلا

دفعۃً چنگیں میں چالان ہوا خوب پٹے   پٹ کے ہم تم جو چلے جھومتے میخانے سے
لا کے بل کیس چلاؤں گا میں تجھ پر ساقی   مے پلائی مجھے ٹوٹے ہوئے پیمانے سے
رہ گئے دست جفا رک کے ورنہ اک دن   سر دل توڑ کے پھینکے گا عشاق کے جانے سے

قبل از سوال میں نے نکیرین سے کہا بے پوچھے آپ کیوں چلے آئے مزار میں
مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن کچھ اور ہو گئیں تری آنکھیں خمار میں

مار ڈنڈوں چھوڑ دیتا عشق کے اظہار پر شکر کر مجنوں کہ لیلیٰ کا کوئی بھائی نہ تھا
ماشاء اللہ سیکڑوں کھٹمل بھی تھے مچھر بھی تھے کیوں کہوں کوئی شریک شام تنہائی نہ تھا

قید میں صیاد و گلچیں نے ستانے کیلئے باغ میں ٹولٹ لگایا آشیانے کیلئے
TOLET

وسوسہ کیوں نہ ہو پیدا دل شیدائی میں ختم ہے تیل چراغ شب تنہائی میں
دیکھ لیتا ہے جو ہاتھوں میں لئے دل مجھکو بھاڑ کھاتا ہے سگ کوچۂ قاتل مجھکو
قیس کہتا تھا نہیں رونہ لنگوٹی باندھ لیا ہاتھ آجائے اگر پردۂ محمل مجھکو
آکر چڑھی ہے سر پہ جو بھٹنی شباب کی وہ جھومتا ہے زلف پریشاں کئے ہوئے
واللہ اسقدر بھی اب احمق نہیں ہیں ہم بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے
یہ عذر کیا اسنے اور جانے کی ٹھہرائی دو آدمی اور انہیں اک ننھی سی چارپائی
پہلے سر زانو پر اک زور سے چپکائی دیکھا جو ادھر اس نے بندہ ہوا گھبرائی
جو ملجاتی ہمیں کچھ روز کو واجد علیشاہی تو ہم بھی اک مہینہ میں کئی سو بیبیاں کرتے
ہوتی ہے دشت نجد میں ہر روز دھر پکڑ مجنوں کی خاک اور ہمارے غبار سے
چراغ میرے لحد کے بجھائے جاتے ہیں عدو کی بزم میں ہانڈے جلائے جاتے ہیں
پاؤں کی ٹوٹی ہوئی انگلی دکھاتی ہو عبث اور بھاگو صورت بیمار ہجراں دیکھکر
ونڈنا کر گھس گیا میں محفل دلدار میں منہ جونہی پھیرا مجھے دربان نے عریاں دیکھکر
ٹھینگا دکھلانا کسی کا بچپنے میں اے حکیم یاد آتا ہے مجھے خار مغیلاں دیکھکر

حرفِ خا

خضر سبزواری ایک تنومند قوی ہیکل اور پہلوان تھا۔ جو فسق و فجور میں اپنی زندگی
گزارتا تھا۔ شعر بھی کہتا تھا مگر وہی اوباشانہ رنگ مدنظر رہتا تھا۔ شراب نوشی کی وجہ
سے ہر وقت مخمور و مسرور و مدہوش رہتا تھا۔ غرضیکہ ان کے تخلص کو دیکھتے ہوئے یہ مثل
پورے طریق سے اس پر صادق آتی ہے ع برعکس نہند نام زنگی کافور

عورتوں کی صحبت اور صورت سے نہایت متنفر اور امارد کی طرف راغب تھا۔ یہ
دو شعر نمونتاً پیش ہیں۔

زنہار بزن اگر زرے ہست مدہ — زر جز بجوان رند سرمست مدہ
موئے سر زلف امرد از کف مگزار — سر رشتۂ دولت است از دست مدہ

خلیفہ۔ رجبی حجام کا تخلص تھا جو دلی کا رہنے والا تھا۔ راگ وغیرہ کا بڑا شوقین
رنگیں مزاج بذلہ سنج خوش طبع ظریف تھا۔ پھکڑ اور ضلع جگت میں طاق تھا۔ تذکرہ گلستان سخن
کی ترتیب سے پہلے مر چکا تھا۔ ایک مرتبہ کسی پہلوان کی ہجو میں یہ شعر کہے تھے انھیں میں کا
ایک یہ شعر ہے۔

ر۔ اودھم مچائے ہے پٹھے سدا ہر جوان کے — تا لوگ یہ کہیں کہ کبھی چت نہیں ہوا

خلیق۔ دلی کے رہنے والے ہیں۔ استعداد علمی معمولی ہے۔ مگر شعر و شاعری کا
شوق معمول سے کچھ زیادہ ہے منشی چندر بھان کیفی۔ اور سائل دہلوی کے شاگرد ہیں

کبھی کبھی مضامین ظریفانہ بھی نظم کرتے ہیں۔ راقم نے ایک مرتبہ دلی کے ایک مشاعرہ میں دیکھا تھا۔ اب تخمیناً چالیس برس کی عمر ہوگی۔ ایک نظم (ہمارا فیشن) سے کچھ بند نقل کئے جاتے ہیں۔

زمانے کے عجب بدلی ہے رنگت کہ کالے بن گئے گوروں کی صورت
بڑھی نکٹائی اور کالر کی زینت نہ وہ پہلی سی خصلت ہے نہ عادت
اڑے پھرتے ہیں انگریزی ہوا میں
کسے روکیں کہ فیشن سے تباہیں

مگر ہر شخص اپنی جون میں ہے ہوا میں بھر رہا ہے دولتیں ہے
نئی تانتی کی گرمی خون میں ہے اکڑ فوں کوٹ میں پتلون میں ہے
پرانوں کی وہی چالیں پرانی
سروں پر ٹوپیاں ہیں کامدانی

یہ فیشن کی بلا ایسی چڑھی ہے سٹک ہاتھوں میں پاکستانی چھڑی ہے
سنی کا لال قسمت کا دھنی ہے وہی کرتا ہے جو دل میں ٹھنی ہے
کوئی کتنا ہی پیٹے غل مچائے
مثل ہے ایک چپ سو کو ہرائے

زمیں پر پاؤں بھی دھرتے نہیں ہیں کسی کے باپ سے ڈرتے نہیں ہیں
بزرگوں کا ادب کرتے نہیں ہیں پرانی چال پر مرتے نہیں ہیں
تکلف میں ہیں تکلیفیں سراسر
ڈٹے ہیں باپ دادا کے برابر

کسی لیڈی سے گر بات ہوتے ہیں پری کے [illegible] ہیں آپ ہوتے ہیں
اڑے پھرتے ہیں اتراتے ہوئے ہیں محبت کی قسم کھائے ہوئے ہیں
نہیں منظور دم بھر کی جدائی

پکڑلی لال بی بی کی کلائی

بدل کر روپ مس روزی بنایا   بڑے دن کو کلب گھر میں نچایا
بغل میں ہاتھ دے دے کر اٹھایا   سمندِ ناز پر کوڑا لگایا

چہیر غٹو ہوئے ہیں سادگی پر
نہ بالے ہیں نہ پتے ہیں نہ جھومر

نہ غمزہ ہے نہ شوخی ہے نہ چھل بل   نہ مسی ہے نہ سرمہ ہے نہ کاجل
دوپٹہ کا جھمیلا ہے نہ آنچل   نہ چوڑی پاؤں میں پہنی نہ چھاگل

نہ پتے کان کے اندر نہ بالی
نہ پانوں کی لب رنگیں پہ لالی

بھبھوکا حسن گدرایا ہوا ہو   جو نینی تال سے آیا ہوا ہو
بدن چربی سے چکنایا ہوا ہو   برانڈی کا نشا چھایا ہوا ہو

کمر میں ناز سے پیٹی کسی ہو
نئی پوشاک پھولوں میں بسی ہو

کسی کی نوجوانی کا ہو جوبن   کمر پتلی صراحی دار گردن
کرے اٹکھیلیوں سے سیر گلشن   گلے میں ہاتھ ہو ہاتھوں میں دامن

دکھائے کھیل ٹینس کے نرالے
کھلے میدان میں گیندیں اچھالے

برابر بیٹھ کر جائے فٹن میں   کسی لیڈی سے ملنے کوشن میں
تکلف سے نہ شرمائے ٹفن میں   کہ ہپ ہپ کر کے رکھ جائے دہن میں

جگر میں چٹکیاں لے گدگدا کر
رجھائے دل پیانو کو بجا کر

خندہ ۔ میر شجاعت علی صاحب نام ہے ۔ بریلی کے رہنے والے تھے ظرافت کے رنگ میں بہت خوب کہتے تھے ۱۸۷۵ء میں زندہ اور بخیریت موجود تھے چند شعر کلام سے انتخاب کئے جاتے ہیں ۔

ایک سے ایک شب ہجر میں بڑھکر آیا
کبھی پسو کبھی کھٹمل کبھی مچھر آیا

پھونس سے یار کو جاڑوں میں تپایا شب وصل
کام آخر مرا ٹوٹا ہوا چھپر آیا

اپنی گھوڑی کو جدا کر تو شتر سے اے شیخ
ہنہناتا ہوا خندہ کا وہ خچر آیا

ہوں کوئی دس سیر چاول دو من بھر شیر ہو
ڈال دو کھاری نمک تو خوب من بھر شیر ہو

مے پرستو شیخ صاحب کی یہ اب توقیر ہو
پاؤں میں گھنگرو بندھیں اور ناک میں اک تیر ہو

کیا کوئی چھیڑے انھیں اور کیا لگائے کوئی ہاتھ
ناک کے پکڑے سے جنکے پھوٹتی نکسیر ہو

ہجو دہن کا انکے بوسہ ہے سودا کا علاج
جس طرح اے خندہ قلی کی دوا انجیر ہو

مرا رقیب الٰہی ذلیل و خوار رہے
گلے میں ٹوٹی ہوئی جوتیوں کا ہار رہے

لحاف اوڑھ کے چھپر پہ مائیوں بیٹھے
کہ جب نکاح کے دن آن کے تین چار رہے

لگا کے آگ بجھانے کو جاؤں دیکھوں اسے
مرے محلہ میں آکر اگر وہ یار رہے

ہضم ہوتے نہیں اب پانچ سو رشوت کے
لوگ کھاتے تھے بچا سے کہ بچا سے پہلے

سینہ پر مار کے ہاتھوں کو وہ سر کوٹتے ہیں
ڈھول پیچھے سے بجاتے ہیں تاشے پہلے

خنداں ۔ عبدالحمید نام تھا۔ لکھنؤ کے رہنے والے تھے ۔ ان کے والد دہلی سے لکھنؤ میں آکر رہے ۔ مگر پھر یہیں رہ پڑے اور پیوند خاک ہو گئے ۔ خنداں مرحوم اول

ظرافت کے رنگ میں شعر کہتے تھے۔ بعد کو فنا تخلص کیا۔ اور سنجیدہ شعر کہنا شروع کئے۔ اس رنگ میں نہایت عمدہ شعر کہنے لگے تھے۔ مگر قضا نے مہلت نہ دی ۲۴-۲۵ برس کی عمر میں ۱۹۳۶ء میں انتقال کیا۔ اول اول میں باقر صاحب آشفتہ برادر خورد پیارے صاحب رشید مرحوم سے اصلاح لیتے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد احمد خاں صاحب ناظم کو اپنا کلام دکھایا۔ آخر میں محمد جعفر صاحب بہار سے مشورہ سخن کرتے رہے راقم تذکرہ کے بے تکلف دوست تھے گھنٹوں شعر سنتے اور سناتے تھے۔ خود بینی اور خود پسندی مزاج میں زیادہ تھی مگر نہایت سخن سنج واقع ہوئے تھے۔ وہ کسی کے ہوتے چند الفاظ تبدیل کر کے اپنے نام سے سنا دیا کرتے تھے۔ کم رو۔ میانہ قد۔ سانولا رنگ تھا۔ سامنے کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ جو ہنستے وقت نہایت بدنما معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے جب ہنستے تھے منھ پر رومال یا ہاتھ رکھ لیا کرتے تھے۔ کلام ضایع ہو گیا اور اب ظرافت کا صرف ایک شعر یاد رہ گیا ہے۔ جو لکھا جاتا ہے۔

میں ایک ساز ہوں اگر اُٹھے والوں کا   وہ چھیڑنے لگا تو میں خاموش ہو گیا

حرف دال مہملہ

داؤد مولوی محمد داؤد ابن مولوی علی محمد صاحب وکیل عباسی متوطن امروہہ ۲۷- رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۵ھ کو بمقام امروہہ پیدا ہوئے اور سترہ جون سنہ ۱۹۰۰ء کو بمقام فتح آباد انتقال کیا نہایت قابل ذکی اور ذہین تھے- ۲۲- برس کی عمر میں علیگڈھ سے بی- اے کی ڈگری حاصل کرکے کالج میں کسی عہدہ پر مقرر ہوئے اور بعدہٗ نائب تحصیلدار مقرر ہوکر مختلف جگہوں میں نہایت قابلیت سے اپنے فرائض کو انجام دیا- شاعری کا شوق دوران تعلیم ہی میں پیدا ہوگیا تھا- جو ترقی کرتے کرتے مرتبہ اعلیٰ پر پہونچ گیا- قدیم اور جدید دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے- طبیعت میں چونکہ شوخی کا مادہ زیادہ تھا اس لئے کہیں کہیں وہ ایک ہلکی سی ظرافت کا رنگ اختیار کرلیتا تھا- انتخاب کرکے تھوڑا سا کلام درج کیا جاتا ہے-

ناصح کی گفتگو سے مرا ناک میں ہے دم
آئے ہیں دیکھئے شتر بے مہار سے

یہ چھوٹا اور ہے بڑا بہانہ دیکھئے
ہم بھی تو رات جھانکتے تھے تیرے دوار سے

سُن کر پیام پر سے مرا نام یوں کہا
وہ بھی تو دبلے پتلے نحیف و نزار سے

معلوم ہے مجھے بڑے استاد ہیں جناب
یوں دیکھنے میں سیدھے سے پرہیزگار سے

خود مجھ کو تجربہ ہے بس اب اور کیا کہوں
خالق بچائے ایسے شریر دل کے وار سے

کیا بُری شے ہے یہ گھبراہٹ بھی جس سے آدمی
آپ کچھ کہتا ہے منھ سے کچھ نکلتا ہے مگر

ایک منشی سے مختار خانہ پہ پوچھا مرا تھا
پوچھا اک انگریز نے ڈاکٹر ہو تم کس کام پر

بات تو کچھ بھی نہ تھی لیکن نہیں معلوم کیوں — ہو گئے اُس وقت وہ شسکر پریشاں اسقدر
میں شتر خانہ کا منشی ہوں یہ کہتے تھے ولے — کہہ گئے گھبرا کے یوں میں ہوں منشی خانہ کا شتر

---

۴ ایک دن کچھ آدمی بیٹھے ہوئے — کر رہے تھے گفتگو باہم دگر
اُن میں تھا اک شخص ایسا بھی کہ جو — کر چکا تھا غیر ملکوں کا سفر
ہوتے ہیں چالاک ایسے لوگ سب — وہ مگر اوروں سے تھا چالاک تر
جھوٹ کہتا تھا مگر سچ کی طرح — اُس کی باتیں تھیں نہایت پراثر
ہو رہا تھا تذکرہ ہر قسم کا — کر رہے تھے بحث ہر مضمون پہ
باتوں باتوں میں کہا سیّاح نے — میں عرب میں بھی رہا ہوں سال بھر
سُن کے یہ بات اور تو سب چپ رہے — سب نے اس کا قول سچ سمجھا مگر
ایک کے دل میں یہ شک پیدا ہوا — کیا تعجب جھوٹ کہتا ہو اگر
اس سے کچھ حالات واں کے پوچھئے — سوچکر یہ اُس نے قصّہ مختصر
اُس نے پوچھا آپ کا ہوتا تھا واں — خدمت زمزم میں بھی گا ہے گزر
سُن کے اُسکے مونھ سے یہ سیّاح نے — سمجھا زمزم نام ہے کوئی بشر
بولے جی ہاں اُنکی خدمت میں تو میں — روز حاضر ہوتا تھا وقت سحر
آج دنیا میں نہیں اُن کا جواب — ہے تقدس ختم اُن کی ذات پر
اب تو بوڑھے ہوتے جاتے ہیں بہت — کیوں نہ ہوں ہیں بھی تو ستّر سے اُدھر
سُن کے یہ سب نے لگایا قہقہہ — اور کہا تمکو نہیں یہ بھی خبر
اک کنوئیں کا نام ہے زمزم وہاں — آپ یہ سمجھے کہ ہے کوئی بشر
جب نہ بن آئی کوئی معقول بات — تب کہا سیّاح نے یوں جھینپ کر
اُس زمانے میں تو تھے وہ آدمی — ہو گئے ہوں گے کنواں اب کیا خبر

وینگ - حافظ سراج احمد نام تھا۔ مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ اگر نہایت بیباک
پھکڑ تھے۔ تمام شاعری اوباشانہ اور بیباکانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی ایک شعر قابل
اندراج مل سکا۔

شیخ جی کا بھی انتقال ہوا کوئی دنیا میں مسعزا نہ رہا ۱۲۴۳

دگانا تخلص تھا ریختی میں۔ مگر ریختی اور عاشقانہ کلام میں مجبور تخلص کرتے تھے
منشی اسد اللہ نام تھا۔ علی جان کے عرف سے معروف تھے۔ مقام چھپرہ ضلع ہگلی کے باشندہ
تھے۔ ان کے آبا و اجداد کا وطن قدیم دلی تھا۔ مگر ولندیزوں کے عہد میں کچھ اسباب ایسے
ہوئے کہ ترک وطن کرکے یہاں کی سکونت اختیار کرنی پڑی۔ اور یہی قدیمی وطن ہوگیا۔ چنانچہ
دگانا یہیں پیدا ہوئے مگر چونکہ والدین کو تعلیم و تربیت کا ہر وقت خیال تھا اس لئے
چھپرہ میں اسکا انتظام کافی نہ دیکھکر ان کو کلکتہ تعلیم کے لئے بھیجدیا۔ اور یہیں تعلیم پائی۔ دگانا
کو ابتدائے عمر میں شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا اور اثنائے تعلیم و تربیت ہی میں شعر و شاعری
کی طرف جھک گئے۔ کلکتہ میں اسوقت مولوی عبدالغفور نساخ ایک کامل الفن استاد تھے
جو بعہدہ ڈپٹی کلکٹری بیانپر مامور تھے۔ چنانچہ انہیں کو انھوں نے کلام دکھانا شروع کیا
اور مجبور تخلص اختیار کیا۔ مگر رنگین طبیعت نے صرف ایک رنگ پر قناعت نہ کی اس لئے
دوسرا رنگ ریختی بھی کہنا شروع کیا۔ اس میں بھی نساخ کو اپنا رہنما اور استاد بنایا نہایت
پختہ مشق اور صاحب دیوان تھے مگر کلام اب ناپید ہوگیا۔ جو شعر مل سکے وہ درج
کرتا ہوں۔

رات کو اک لگٹ نٹ کھٹ نے صحن میں پا کے بے حجاب مجھے
چمیاں لیں گلے سے لپٹا کے پھر لیا زانوؤں میں داب مجھے
منتیں کیں ہزاروں قسمیں دیں کر کے چھوڑا مگر خراب مجھے

دل جناب چودھری عبدالرحمٰن صاحب صدیقی سندیلوی کا تخلص ہے کبھی کبھی رنگ ظرافت میں شعر کہتے ہیں۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

ہوا ہے شوق داغ دل کی کنکیا اڑانے کا — بٹا کرتا ہوں ڈور اُن کے لئے چاک گریباں کی
مری اس ادا کے صدقے کہ تیغ ناز اُس بت نے — ہمارے قتل کرنے کو کبھی کھولی کبھی ڈھانکی
سوالِ وصل پر جو یہ دم انکار رہتی ہے — مری جاں کیا گئی دن ہی یا گردن ہے ٹٹیاں کی
بگڑتے کیوں ہو سیدھا کہنے پر لو آؤ بیٹھو تو — تمہاری ہر نگہ ترچھی تمہاری ہر ادا بانکی
میاں مجنوں نے ڈھیلا کھینچ مارا جوشِ وحشت میں — اٹھا کر پردۂ محمل اگر لیلیٰ کبھی جھانکی
نہیں راضی کسی صورت سے جھولا جھولنے پر دل — مگر ڈوری ہو شاخ سروِ قد میں زلف جاناں کی

دلسوز نام خیراتی خاں تخلص دلسوز تھا۔ علیگڑھ کے رہنے والے قوم کے افغان تھے شاہ نصیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نواب ظفریاب خاں خلف بیگم شمرو کی رفاقت میں زندگی گزارتے تھے۔ شراب بہت پیتے تھے۔ جو بات تھی وہ درجۂ اعتدال سے بڑھی ہوئی تھی۔ ظرافت اور شوخی کلام میں بہت تھی۔ مگر اب کلام نایاب ہو گیا۔ اور کسی طرح باوجود تلاش بھی نہیں ملتا۔ دو تین شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں۔ دلسوز نے ۱۸۵۸ء میں بمقام جے پور انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

وہ تو کہتے ہیں راز دل اپنا — مت کسی اپنے یار سے کہنا
اور یہاں دل کی بیقراری سے — روز دو تین چار سے کہنا

سب سہیں گے ہم اگر لاکھ برائی ہوگی — پر کہیں آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی

دلیر منور خاں نام تھا۔ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائے عمر سے شعر و شاعری

کے دلدادہ تھے۔ مگر ہمیشہ نئی اُپج کی لیتے تھے۔ اور اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی ایسی بات کہوں جو کسی نے نہ کہی ہو۔ چنانچہ اسی افتادِ مزاج کی بدولت یہ رنگ اختیار کیا کہ شرفا اور طبقۂ خواص کی زبان کو چھوڑ کر اس طرف کی چھوٹی قوموں مثلاً گدّی۔ گوجر۔ جاٹوں کے روزمرہ میں شاعری شروع کر دی۔ اور اگرچہ یہ رنگ نہایت ہی مشکل اور دشوار تھا۔ مگر دلیر نے اسقدر مشق بہم پہونچائی کہ ۱۸۵۰ء میں ظفر بہادر شاہ آخری تاجدار دہلی کے دربار میں کچھ مدحیہ اشعار اسی زبان میں پیش کئے۔ اور بادشاہ نے ان کو بہت پسند کیا۔ دلیر کو انعام اور خلعت دیا گیا۔ بادشاہ نے غالب اور ذوق وغیرہ سے بھی اسی زبان میں کچھ کہنے کا حکم دیا مگر چونکہ یہ ایک مشکل بات تھی اس لیئے اُن لوگوں نے انکار کر دیا اور یہ سہرا دلیر کے سر رہا ۱۸۵۷ء تک اسی رنگ میں شاعری کرتے رہے۔ مگر انقلاب سلطنت کے بعد سے اس رنگ کو ترک کر دیا۔ پھر بھی چونکہ وہ اس رنگ میں نظمیں۔ غزلیں قطعے مثنوی۔ سبھی کچھ کہہ چکے تھے اسی وجہ سے ایک اچھا خاصہ دیوان مرتب ہو گیا۔ اور اپنی زندگی ہی میں طبع کرا لیا۔ آخر کار ۷۶ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ انتخاب کلام کے ساتھ ترجمہ بھی دیدیا گیا ہے کہ ناظرین کے لطف میں اضافہ ہو اگرچہ اس کلام سے اصل میں زیادہ تر وہی لوگ لطف اٹھا سکتے ہیں جو مراد آباد سہارنپور کے درمیان آباد ہیں۔ کیونکہ دلیر نے صرف ان ہی قوموں کی زبان ہی نہیں لکھی۔ بلکہ اُن کے طرز تکلم۔ اُن کے طریق معاشرت اُن کی وضع قطع۔ اُن کی صورت آبادی اور بود و باش۔ اُن کے جذبات۔ اُن کے اطوار اُن کے خیالات وغیرہ کو بھی زبان کے ساتھ ہی ساتھ رکھا ہے۔ یہ ایک انتہا سے کمال ہے اور اسوجہ سے صرف زبان جاننے والا اس سے پورا لطف نہیں اٹھا سکتا تاوقتیکہ اُن کی معاشرت اور تمدن سے اچھی طرح باخبر نہ ہو۔ اور یہ نہ جانتا ہو کہ وہ لوگ جن کی یہ زبان ہے کس موقع پر کیا کرتے اور کیا کہتے ہیں۔ مگر پھر بھی غور کرنے پر ہر شخص بقدر ذوق لذت اندوز ہو سکے گا۔ اول میں حمد اور نعت ومنقبت دیکھئے کہ کسقدر ندرت کے ساتھ

قرآن سریف خدا کی بانی   ہمیں سنائی پڑھ کے جبانی

قرآن شریف خدا کی باتیں   اپنی زبان سے پڑھ پڑھ کر ہم کو سنائیں

پاپ گئے اور پن سنوارے   ہو گئے ہمارے کل نستارے

جن سے ہمارے گناہ جاتے رہے نیکیاں بڑھ گئیں   اور ہمارے تمام فائدے ہو گئے

منقبت

بی بی پھاطمہ ہماری ماتا   نیم دھرم میں ہیں کیبلی داتا

بی بی فاطمہ ہماری ماں   دین و دنیا میں ہمیشہ بخشش کرنیوالی

ہمارے نبی کی پیاری جائی   جا کی سینک حوراں کھائی

ہمارے نبی کی پیاری بیٹی   جن کی حوروں نے سینک کھائی

باپو کی امت جن بکھائی   مالک سامنے دے دے دہائی

جنہوں نے باپ کی امت کی بخشش کرائی   خدا سے فریاد کر کر کے

مدح حسنین

حسن حسین بی بی کے جائے   امت کھاطر سر کٹوائے

حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین بی بی فاطمہ کے بیٹے   جنہوں نے امت کیلئے سر کٹوا دیا

مدح چار یار

نبی صاحب کے چار سپاہی   جنہاں ملکوں دھوم مچائی

رسول اللہ کے چار یار ہیں چار صحابی ہیں   جنہوں نے تمام دنیا میں اسلام کی دھوم ڈالی

کر دیئے لاکھوں تیم کے بندے   ڈھلمہ ہو گئے ناڑ نس گندے

لاکھوں مردوں کے بندے بنا دیئے   ناپاکوں کو پاک کر دیا

انتخاب غزلیات

آج رات مہارے گھر بس جا   جاڑا لگے سوڑ ماں دبس جا
آج رات کو ہمارے گھر رہ جا   بڑی سردی معلوم ہوتی ہے لحاف میں چلا آ
چار پہر کا کاٹن سکے ہے   بڑی پھجر کے تڑکے نس جا
چار پہر رات کا گزارنا کیا   صبح صادق ہوتے ہی اُٹھ جانا
میں کرلوں تو نے چمّا چاٹی   تو سانتھڑ سوں سانتھڑ کس جا
میں ذرا ترا منہ چوم لوں گا   تو ران سے ران ملا کے پڑا رہنا
حق تو مونے بھولا پنچھی جانے   تو ہی کہیں نہ جال میں پھنس جا
تو مجھے بھولا جانور جانتا ہے   کہیں ایسا نہ ہو الٹا تو ہی جال میں پھنس جائے

کے مہاڑی نار میں پھانسی دیگا   کاہے کاڑن نار اکا ڈھیا
کیا ہماری گردن میں پھانسی لگائے گا   کیوں یہ ازار بند نکال رہا ہے
اک مچھلی دے پران لکاڑے   موسوں ڈوڈھا بھاڑاکا ڈھیا
ایک بوسہ دیکر جان نکال لی   مجھے ڈیوڑھا کرایہ وصول کر لیا
کے مجنوں مہاڑی ہوڑ کریگا   جنگلاں جنگلاں تاڑا کا ڈھیا
کیا مجنوں ہماری برابری کرے گا   جنگلوں جنگلوں کا نکالا ہوا
سو پریاں دلبر عشک ماں   ٹانگ تلے اوہ سارا کا ڈھیا
سو بار دلبر عشق میں   مجنوں کو ہم نے ٹانگ کے تلے نکال دیا ہے

تجھ بنا پیارے پران تجوں گا	مارکے اپنی ناڑ گنڈاسا
تیری جدائی میں پیارے جاں دیدوں گا	اپنی گردن پہ گنڈاسا مارلوں گا
کاٹ کے اپنی ناڑ لہو میں	میں لوٹوں تو دیکھ تماسا
اپنی گردن کاٹ کے	میں لہو میں لوٹوں گا اور تو تماشا دیکھے گا
مہاڑی اوڑیاں سینٹر چلاوے	یو مہارا سارڑا اوت بلاسا
ہماری طرف اشارہ کرتا ہے	یہ ہمارا سالا اوت بڑا سا

آجا مہارے پاوٹا آجا	دودھ دہی من مانا کھا جا
آجا ہمارے یہاں مہمان آجا	جتنا جی چاہے دودھ دہی کھانا
پیت نہ کریئے میت کسی کی	پیت پچھوڑے کوٹھی ناجا
اے دوست کسی کی محبت نہ کرنا	محبت کوٹھی میں غلہ بھی نہیں چھوڑتی ہے
ہے من اوت گیو کے تیرو	مہارے ہی اوپر دھونسا باجا
اے دل اوت تیرا کیا گیا	ہمارے ہی اوپر مصیبت پڑ گئی
ناہیں رہو من بیری بس کا	پڑ گیو چسکا جوبن رس کا
یہ دشمن میرے بس کا نہیں رہا	اس کو خوبصورتوں کی محبت کا مزا پڑ گیا
جد تیری پایل سیج بجے گی	میں تو گوڈوں گا اٹھا دوں گا
جب تیری پایل سیج پر آواز دے گی	میں خوب اچھلوں کودوں گا
جو مجنوں مو سے ہوڑ بدے گا	تو نے لیلی ڈھک بٹھا دوں گا
مجنوں اگر مجھ سے بحث کرے گا	تو تجھے لیلی کے پاس بٹھا دوں گا
جو تیرے نینوں کا جڑ ہوگا	میں تو سینوں مر مر جاؤں گا
جو تیری آنکھوں میں کاجل ہوگا	تو میں اشارے کے مارے مر جاؤں گا

کاکا کانا تاؤ کا — میں لاگو نہیں کاؤ کا
نہ میں چچا کا ہوں نہ تائے کا (بڑا بھائی) — میں کسی کو اچھا نہیں جانتا
مانگن آئیو پھلکا مانڈا — لو تیرا پھوڑا تاؤ کا
پھلکا حلوا لینے آیا ہے — یہ تیرا پھوڑا تائی کا لڑکا

منہ جھریا دونگی دوارے نیاور کا — پلہ کھوسے سے ہے مہاری چادر کا
میں اپنے معشوق کے منہ کو جھلس دوں گی — چلتے چلتے میری چادر کا پلہ کھینچتا ہے
ہے رے وسول نے کے ستم پاڑے — گھاگرا کاٹ گیرا سندر کا
ارے رے چوہوں نے کیا ستم ڈھا دیا — سندر کا گھگرا کاٹ ڈالا

ہوڑ کرے لے پیٹھا جھبوں ہٹ اتری دادیکی پونچ — ہاتھ ہنکڑی ساٹھ من کی ناڑ موں کا گرا
جھبوں آ ہماری برابری کر ہٹ توبی ادی کی دم — ہمارے ہاتھ کی ہتکڑی ساٹھ من کی ہے اور گٹہ اسو من

ارے کلالٹے کے پھول سراب — سیسا دیکے جیسوں گلاب
اے کلال کے لڑکے شراب پھول پلا دے — شیشہ گلاب کی طرح سرخ سرخ چمکتا ہو
پاؤں پاگ کاکھیں جوتی — ایسی دارو پیو زناب
پاؤں پر پگڑی اور سر پہ جوتی — جناب ایسی شراب پینی چاہیے
کاڑا کا پھر عشک کجات — دیکھو روکھ نہ چھوڑے پات
کالا کافر عشق بد ذات ہے — بدن کے درخت پر پتے نہیں چھوڑتا
دلیرا سر سہرا باندھو — چلو رے بھائیو چڑھی برات
دلیر کے سر پہ سہرا باندھو — بھائیو چلو بارات چڑھی ہے

پوڑھا نوسو یانی نوسی ۔۔۔ کھاے رسے بڑھے ہاتھوں ہاتھ
بڑھا نوشہ نئی دوشی ۔۔۔ اٹھالے رسے بڑھے ہاتھوں ہاتھ

سرلے ری چھرو کی راج ۔۔۔ اوہی چھلنی اوہی چھاج
اوچاری کی لڑکی خوب راج کرلے ۔۔۔ چند دن میں وہی چھلنی ہو وہی چھاج ہے
موج مار لے سبھے اُڑا لے ۔۔۔ جد لگ رہوے کوٹھی ناج
عیش کرلے مزا اڑا لے ۔۔۔ جب تک کوٹھی میں ناج رہے
یو دلیرا جنم کا بھوکا ۔۔۔ کدہیں نہ دیکھا ٹھکے ناج
یہ دلیر ہمیشہ مفلس ہی رہا ۔۔۔ کبھی اس کے مٹکے میں غلہ نہ دیکھا
چھورا رہو نہ چھوری ایک ۔۔۔ رہیے مکدم ادت کے اوت
کوئی لڑکا ہوا نہ لڑکی ہوئی ۔۔۔ مقدم یعنی چودہری صاحب اوت کے اوت ہے
کہدے رسے پانڈے ساچی ساچ ۔۔۔ مہارے کرم کی ریکھاں پانچ
او برہمنا سچ سچ بتا ۔۔۔ ہمارے کرم میں کیا لکھا ہے
اب کے سیر د کرم میں کھول ۔۔۔ بھر لو ناج سول کوٹھے پانچ
پانچ کوٹھی اناج سے بھر لو
یا بد اچھلو کھا کھا ناج ۔۔۔ جا بد ہرنا بھریں کلانچ
ایسی روٹیاں کھا کھا کر اچھلو ۔۔۔ جیسے ہرن قلانچ بھرتے ہیں
کہے دلیر جو پانڈا جھوٹھا ۔۔۔ سر پہ مارو جوتی پانچ
اگر نجومی اے دلیر جھوٹ بتائے ۔۔۔ سر پہ پانچ جوتے مارو
دھولے بلد کی دھاڑی پونچ ۔۔۔ لاگے بڑی سہانڑی پونچ
سفید بیل داہنی دم ۔۔۔ بڑی سہانی معلوم ہوتی ہے

کاگ اڑاے بیٹھے ٹانڈ | پھیرے گوپھیا کھیدے سانڈ
مچان پہ بیٹھ کر کوے اڑاے | گوپھیا پھیری اور سانڈوں کو بھگایا
سب سوں بھلے یہ موسل چند | کریں نہ کھیتی بھریں نہ ڈانڈ
سب سے اچھے موسل چند | نہ کھیتی کریں نہ ڈانڈ بھریں
نیناں تیرے بڑے ملوک | ایک سین ماں من دو ٹوک
تیری آنکھیں بڑی ظالم ہیں | ایک اشارے میں دل کے دو ٹکڑے کر دیتی ہیں
گورے گال مکا کے پھلکا | جنھاں دیکھے بھاگے بھوک
گورے گورے رخسار مکی کی روٹی معلوم ہوتا ہے | ایسے کہ ان کو دیکھکر بھوک بھاگتی ہے
پانوں جوتی سر نا پاگ | ایسے ڈوبے ہمارے بھاگ
پانوں میں جوتہ نہیں سر پہ پگڑی نہیں | ہمارے نصیبے ایسے ڈوبے ہوے ہیں
کے لاگو پھاگن میں سواد | مکا کی روٹی چنے کا ساگ
پھاگن کے مہینہ میں کیا مزے کا معلوم ہوتا ہے | چنے کا ساگ اور مکی جوار کی روٹی

دو پیازہ - یہ وہی مشہور و معروف ہندوستان کا ظریف ہے - جس کے چٹکلے ہوے لطیفے آج تک زبان زد عوام ہیں جو دربار اکبری کی زینت اور بادشاہ وقت کی ہر طرح کی دلچسپی اور تفریح و انشاط کا ٹھیکہ دار تھا اصل نام ملا عبدالمومن تھا - خاک پاک دلی کے رہنے والے تھے باپ کا ولی محمد نام تھا - ہر طرح کے علم و فضل سے بہرہ ور تھے - ترکی فارسی عربی زبان نہایت اچھی جانتے تھے - مگر تمسخر اور ظرافت اسقدر مزاج پر غالب تھی کہ اس لئے تمام علوم اور تمام فضائل اسکی زد میں آگئے تھے - کوئی بات ہوتی - کیسی ہی متین اور سنجیدہ گفتگو ہوتی مگر اپنے رنگ خاص میں ڈھال کر اس کو دلچسپ بنا دیتے - ایک بات کہتے لوگوں کو سو سو مرتبہ ہنساتے اکبر کے جلیس خاص تھے - ندیم خاص راجہ بیربل سے ہمیشہ چشمک رہتی تھی وہ بھی چلبلا اور

چبھتی ہوئی پھبتیاں کہتے کہ راجہ صاحب اور تمام سننے والے ہونٹ چاٹتے رہجاتے تھے عرصۂ دراز تک متھرا میں مقیم رہے - اور اصلی وطن آبا و اجداد کا یہی تھا - وہاں کے پوجاریوں اور پنڈتوں سے ہمیشہ مباحثے اور گفتگو جاری رہتی - اسی وجہ سے زبان ہندی میں بھی شاعری کرتے تھے - مگر بیشتر فکر سخن کا فارسی میں اتفاق ہوتا تھا - ابوالفضل سے مشورۂ سخن کرتے تھے - آخر عمر میں ہنڈیا جو نواح قصبہ چھیپا نیر ضلع بھوپال میں ہے وارد ہوئے - کسی سے پوچھا کہ اس جگہ کا نام کیا ہے جواب ملا کہ ہنڈیا - کہنے لگے کہ بس اب دو پیازہ ہنڈیا سے نکلکر کہاں جائے گا - اور آخر کار یہیں پیوند خاک ہوئے ملا صاحب تصنیف تھے اور کئی کتابیں انسے یادگار رہیں - چنانچہ ادراک عالمگیری لغت ترکی فارسی کے لطائف - النامہ - ملانامہ - یہ سب ملا ہی کی تصانیف ہیں - اگرچہ اردو زبان میں ان کا کلام ہونا ایک امر بعید از قیاس ہے مگر معتبر تذکروں میں یہ شعر ملا کے نام سے ملتے ہیں اس صورت میں سوائے تسلیم کے اور ہمارے پاس کیا چارہ ہے - اس لحاظ سے کہ عہد اکبری میں شاہان دکن کے یہاں اچھی خاصی اردو رائج تھی نقل کرنے میں تامل بھی نہیں ہے

وہ گورا گورا لڑکا بامن کا شوخ کھونا — ایسا لگے ہے مجھکو جوں کھانڈ کا کھلونا
شوخی نپٹ کرت ہے تک چھنگلی ہاتھ ڈل کر — تیں تاک کھینچ کیتی ایسی طرح ملونا
تالی بجی ہے کیا کیا کل شیخ جی کے پیچھے — رم ورب بغل میں پھانکا لے اور ڈھونا بچھونا
دو پیازہ از دل و جان قربان جو اپنا تم — جو بن لے مدھ کا ماتا وہ ساوڑا سلونا
پیالہ پیم رس کا چاکھ بیٹھے — ملت ہیں تن بدن پر راکھ بیٹھے
نہ دو پیازہ کی دلداری کرت ہے — مگر صد گونہ باخواری کرت ہے
دو پیازہ اب نکس ہنڈیا میں آکے — کبھو کے ہاتھ پھنس گئے جا لے بیچکے

دورخی - لالہ ہرچند نام ہے - لاہور کے رہنے والے ہیں - انگریزی میں ایم اے

تک تعلیم پائی ہے - سردست کسی اخبار میں ایڈیٹر ہیں سمجھے مرزا واجد حسین یاس یگانہ سے آپ کا نام و پتہ وغیرہ معلوم ہوا - چنانچہ نہایت اشتیاق کے ساتھ طلب کلام مرحمت کے لئے ایک نیاز مندانہ عریضہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا گیا - مگر نہ معلوم کیوں جناب نے نہ کوئی جواب دیا نہ کلام روانہ کیا - اتفاقاً چند روز کے بعد اڈیٹر صاحب نیرنگ خیال سے ملاقات ہوئی - موصوف کے تعلقات چونکہ دوزخی صاحب سے نہایت وسیع ہیں اور سنا ہے کہ قریب قریب روزانہ ملاقات ہوتی رہتی ہے - لہذا ایڈیٹر صاحب سے بھی اُن کے کلام کے بھیجنے کی استدعا کی - انھوں نے بھی بر بنائے اخلاق وعدہ فرما لیا مگر اس کے بعد ان نہیں کا کوئی جواب نہ دیا - مجبور ہو گیا - لہذا سردست دو شعر جو میرے پاس ہیں انھیں پر اکتفا کرتا ہوں -

ایک وقت تھا کہ ہندوستان میں نہیں بلکہ دنیا میں علامہ کوئی بڑی ہی مشکل سے ہوتا تھا - مگر اس وقت صرف ہندوستان ہی میں سیکڑوں علامہ موجود ہیں اور اس لفظ کی وہ ارزانی ہے کہ اب جب علامہ کی آواز سنائی دیتی ہے تو ساتھ ہی ابتذالی معنوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے - اسی بارہ میں دوزخی کہتے ہیں -

کہنے لگے بس آج سے علامہ ہوا میں　　اسباب کا لٹکنا یا مجھے خوب پہنا ہیں

دوسرا شعر کسی معاصر پر چوٹ ہے -

حضرت ہدہد بھی شاعر بن گئے　　جانور کے سر پہ تاج اچھا لگا ہے

مرزا [illegible] اودھ پنچ سابق کے ایک ظریف نامہ نگار تھے جن کی ایک تاریخ داغ کی وفات پر میری نظر سے گزری - اگرچہ مرزا داغ کی جناب میں گستاخی ہوئی ہے - مگر لہٰذا مسودہ نقل کرتا ہوں - ظرافت اور شوخی اس سے ٹپکی پڑتی ہے -

مانا کہ داغ چھٹتے میں ایک ہی داغ تھے　　اُٹھنے میں دیکھئے نہ کہ کیسا بنا تھے

حرف ڈال ہندی

ڈاکٹر ۔ نام و نشان معلوم نہیں صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ کوئی صاحب رامپور کے رہنے والے ہیں اور دور موجودہ کے شاعر ہیں ۔ ایک صاحب نے یہ دو شعر ظریفانہ سنائے

ادھر پھانسی گلے میں کاکل پیچاں نے ڈالی ہے — اُدھر ٹٹی لگائے آڑ میں کرتی کی جالی ہے

حیا کا ہے یہ کہنا کہ خواب ناز سے اُٹھئے — نہیں تو اب یہاں اُٹھ ہونے کی چوری ہونیوالی ہے

ڈھینڈھس ۔ کوئی صاحب بھوپال کے نہایت مشہور و معروف ظرافت گو ہیں ۔ میں نے انکی خدمت میں متواتر تین چار خط بھیجے مگر یا تو خط نہیں پہونچے یا انھوں نے استغنائے شاعرانہ سے کام لیا اور تذکرہ کو اپنے کلام سے محروم رکھنا پسند کیا ۔ پھر بھی ۔ شوق دہر دلی کہ باشد رہبرش درکار نیست کسی نہ کسی طرح کچھ شعر اُن کے حاصل ہو ہی گئے ۔

پڑی عشق کی تاپ ارے تاپ ارے — ارے باپ ارے باپ رے باپ رے

سنا ہے کہ بسم اللہ کوئی ان کی محبوبہ مطلوبہ تھیں ایک روز ڈھینڈھس صاحب نے اُن کی دعوت کی مگر اُس طرف سے وعدہ وفا نہ ہو سکا ۔ ان کو نہایت افسوس ہوا اور یہ شعر کہا ۔

یاد ہیں سات سو چھیاسی کی — ہیں تازہ شراب باسی کی

انکے کسی کے یہاں تحفتہً پلاؤ بھیجا ۔ مگر وہ صاحب کچھ اُن سے خفا تھے غصہ سے پلاؤ کا پلیٹ زمین پر پھینک دیا اور بعد کو جب خیال آیا کہ رزق کی بے حرمتی ہوتی ہے تو فوراً اسکو دفن کرا دیا ۔ ڈھینڈھس صاحب کو معلوم ہوا تو زیادہ رنج ہوا اور یہ شعر کہا

آج زردہ پکا کے بانٹیں گے — فاتحہ ہے پلاؤ مدفون کا

حرف ذال معجمہ

ذاکر۔ شیخ زکریا نام تھا۔ غازی آباد یا نواح غازی آباد ضلع میرٹھ کے باشندے نہایت نیک نفس وجیہ خوش وضع ظریف الطبع تھے۔ راقم الحروف کے بڑے دوست تھے دہلی میں قریب قریب روزانہ ملاقات ہوا کرتی تھی۔ گھنٹوں شعر خوانی کی صحبت رہتی۔ ذاکر مرحوم دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے۔ ظرافت بھی متانت سے دور نہ ہوتی تھی۔ اور متانت یبوست اور پھیکے پن سے ہمیشہ پاک رہتی تھی۔ اس میں بھی ایک خاص قسم کی لطافت اور شیرینی کی جھلک پائی جاتی تھی۔ مجموعہ کلام ایک دیوان میں جمع کر لیا تھا۔ مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں بعمر ۲۵ سال ستمبر ۱۹۱۸ء میں انتقال کیا۔ اب وہ غیر مطبوعہ کلام مفقود اور نایاب ہو گیا۔ صرف چند روز کی باہمی صحبت میں حافظے نے چند شعر محفوظ کر لئے تھے وہی لکھتا ہوں۔

مرا دین و مذہب اٹھا لیگیا	وہ بت کل مصلا اڑا لے گیا
فقط خالی پاکٹ کے الگ رہ گئے	بقیہ وہ اک اک ٹکا لے گیا

مجھ کو کیا عاشق کے واسطے ذاکر	گال سے سر مال اچھا ہے
نہیں تخصیص زلف کی کوئی	آپ کا بال بال اچھا ہے

قتل بھی کرتا ہے اور پھر وہ بلا کا بھی ہے	خوب قسمت سے ملا مجھکو [illegible]

جب مرے خاص اشاروں کو سمجھتا ہی نہیں — پھر یہ کس کام کا کمبخت اناڑی معشوق
بادۂ تند سے ہے مجھکو زیادہ ذاکر — کورے شیشے میں دیتا ہے جو تاڑی معشوق

کام آتا ہے نکیرین کا پہرہ ذاکر — نہیں رہتا کسی مردہ کو کفن چور کا خوف
قابل رشک ہے آزادی مار گیسو — نہ سپیروں کا کوئی ڈر نہ کسی مور کا خوف

سگان کوچۂ جاناں اب کٹکھنے ہو گئے ذاکر — جو دربانوں سے بچ جاتے ہیں تو یہ ٹانگ لیتے ہیں

ذبیح - حکیم منشی محمد اسمعیل خاں نام ہے - دہلی وطن ہے - ایک زمانہ میں محلہ پہاڑ گنج دہلی میں مطب کیا کرتے تھے - اس کے بعد نواب سعید الدین احمد خاں طالب مرحوم کے یہاں ملازم ہو گئے تھے اب خدا معلوم کہاں ہیں - پہلے افضل الاخبار میں ان کے مضامین بطریق ضمیمہ کے نکلا کرتے تھے - اسمیں بھی ظرافت کا چٹخارہ رہتا تھا - غزل میں بھی ظرافت شامل کر لیتے ہیں - اور دونوں رنگ ملا کر سامعین کو محظوظ کرتے ہیں سنہ ۱۹۱۱ء میں دلی کے بعض مشاعروں میں میں نے ان کو دیکھا تھا اس وقت پچاس پچپن برس کی عمر تھی - انتخاب کلام ظرافت یہ ہے -

بغل میں کہنا رند و محتسب چھپ چھپ کے آتا ہے — اُچکا ہے اڑا لیجائے گا کفگیر میخانہ
شراب پاک پینے کو وہاں حوریں پلائینگی — کہیں جنت نہو واعظ تری ہمشیر میخانہ

خدا جانے جو خواہش اور کچھ ہوتی تو کیا ہوتا — ذرا سے ایک بوسے پر تمہارا دم نکلتا ہے
جوش جنوں میں بھی نہ پھرے ہم برہنہ پا — یہ آبلے ہی پانوں کے پاپوش ہو گئے
میں نے نکالے گھر سے جو اس سحر فن کے پانو — چھلنی سے پاؤں ہو گئے ایک ایک من کے پانو

چکی کا پاٹ بن کے پھرا سر پہ رات دن ہیں پیٹ میں چھپے ہوئے چرخ کہن کے پاؤں
مرنے سے مفلسی کا مری پردہ کھل گیا اندر کفن کے سر ہے تو باہر کفن کے پاؤں
سونے کی جستجو میں جو چھانی بہت سی خاک آخر کو ہاتھ آ گئے اس سیمتن کے پاؤں
صد شکر پایا مرتبہ عزت قتل سے سر ہے کہیں کہیں ہیں ترے خستہ تن کے پاؤں
چاندی کی نہریں لاکھ دکن میں ہیں وزیچ مفلس نہیں کہ میں کھوں باہر وطن کے پاؤں

ذکی - لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ غالباً مولانا انوار مرحوم کے شاگرد ہیں۔ ظرافت میں اگرچہ ہزل کا رنگ شامل ہو جاتا ہے۔ مگر پھر بھی نہایت بہتر کہنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ خصوصیت سے پڑھنے کا انداز نہایت اچھا ہے۔ ہر لفظ کی ایک زندہ تصویر کھینچکر دکھا دیتے ہیں۔ شوخی مضامین۔ صفائی زبان وغیرہ آپ کے کلام کا جوہر اعلیٰ ہیں۔ راقم الحروف کے دوست ہیں۔ عرصہ سے بسبب پریشان روزگاری دلّی میں مقیم ہیں۔ انتخاب کلام یہ ہے۔

دھر پٹک ہو گی نہیں تو آپ سمجھا دیجئے گالیاں دیتا ہے۔ روز ایکا دربان مجھکو
زلف پر پیچ کی الفت میں نہ پھیر جاؤں دیکھئے کر جوٹے بھول بھلیاں مجھکو
دی ہے سو مرتبہ جب یار کو چٹّی میں نے تب کھلائی ہیں کہیں ڈھیلے کی گھٹیاں مجھکو
جب کہا قیس نے بچپن میں لپٹ جا پیاری کہا لیلیٰ نے کہ بھی مارے گی اماں مجھکو
وصل ہو جائے چپڑا اس لئے کرتا ہوں فقط ورنہ ٹھینگا بھی نہیں الفت جاناں مجھکو
اے ذکی گر گئیں نزلے سے جو ان کی پلکیں نظر آنے لگا بے خار گلستاں مجھکو

تھا حکم نجد میں لیلیٰ کا ساربان کے لئے کہ بیٹھا حجلہ نکل چلی شتر کو ہانکنے کے لئے
نہ اُچکے کس لئے صیاد بانس چھوٹا ہے یہ کوشش ہیں فقط میرے آشیاں کے لئے
بجھنا دے نہ چھنے کبھی ہمیں یہ کہتا تھا قیس دو وقت تو رہتے جاتے ہیں پاسباں کیلئے

کھلا کے قیس کو لیلیٰ نے ادر الٹی دی — کہ ہوگی فاقے سے لیجا یہ اپنی ماں کیلئے

یہ حال ہے ترے کشتہ کا ابتو لے جاناں — کہ کتے لاش پہ لڑتے ہیں استخواں کے لئے

تو اس پری کی محبت میں گھوم جا اے غیر — کہ تیرا باپ بھی لوٹ تھا تیری ماں کے لئے

کسے لگاؤ گے تم تیر مر گیا عاشق — وہ فاختہ نہ رہی اب غلیل خاں کے لئے

اے جان جاں بتایئے گیسو کدھر گئے — وہ کون سے گدھے ہیں جو کھیت چر گئے

ظالم پس فنا بھی ہے بوسوں کی آرزو — منھ کھل کے رہ گئے ترے عاشق جو مر گئے

سوتے میں سے گیا کوئی زلفیں تراش کے — وہ مجھ سے بدگماں ہوئے مونچھیں کتر گئے

طفلی میں کھو نہ دینا کہیں عاشقوں کے دل — پھر روؤ گے کہ میرے کھلونے کدھر گئے

ذلیل ۔ نوبہار نام تھا ۔ میرزا سلیمان شکوہ بہادر کی کنیز تھی ۔ نہایت شوخ تیز طبع شعر گوئی کا شوق تھا ۔ مگر تخلص کی رعایت کو ہمیشہ مد نظر رکھتی تھی یعنی ریختی سے فحش شعر کہتی تھی ۔ دو شعر جو صاف ہیں نقل کرتا ہوں ۔

میں فرشتے کی بھی سنتی نہیں ناصح کیا ہو — اپنے کرتوت پہ جیسدم کہ اتراتی ہوں

تمہے اللہ رکھے اپنی اماں میں مرزا — ہمسی پریوں کو بھی دیوانہ بنا لیتے ہو

ذوقا ۔ شاہ ذوقا ذوقا کر کے مشہور تھے سنا ہے کہ بنارس کے رہنے والے تھے مجذوب الحال تھے غدر سے پہلے شرف الدین احمد کے پاس میرٹھ میں آکر رہتے تھے ۔ ایک شعر ملا ہے ۔ اسے مجذوب کی بڑ سمجھئے یا ظرافت جانئے ۔

نے پاس گھر ہیں نہ بیٹھ زینت کسی در کے

ہم ہاٹ کے روڑے ہیں ادھر کے نہ ادھر کے

ذوقی - میر عبد الواحد نام تھا ذوقی تخلص سید محمد اشرف ورگاہی کے صاحبزادہ تھے بلگرام وطن تھا۔ نہایت شیریں کلام - اور لطیف الطبع تھے ۔ اُن کے والد سید محمد اشرف ضلع راہون کے جو نواحی لاہور میں تھا حاکم تھے ۔ اتفاق سے وہاں کے کچھ سرکش لوگوں سے جنگ ہوئی ذوقی بھی وہیں تھے اسی باعث سے اس معرکے میں شریک ہوئے - اور اسی موضع میں بتاریخ ۲ محرم الحرام ۱۱۳۴ھ روز جمعہ بعد نماز عصر لڑتے ہوے مارے گئے - مولف خمخانہ جاوید نے غلطی سے انھیں کو راہون کا حاکم لکھا ہے - مگر دراصل یہ حاکم نہ تھے جیسا کہ تذکرہ سرو آزاد کی عبارت سے ظاہر ہے ذوقی مرحوم اردو و فارسی میں بھی شعر کہتے تھے اور بتین اشعار میں اپنا تخلص فی احد رکھتے تھے چونکہ شیرینی کلام سے ان کو نہایت ذوق تھا اسواسطے اُسکی تعریف میں پورا ایک دیوان کہہ ڈالا جو شکرستان خیال کے نام سے آج بھی ملتا ہے - اس میں غزل - رباعی قطعہ - مثنوی مخمس - ترجیع بند وغیرہ سب کچھ موجود ہیں - اور ایک شعر سے ابو اسحاق اطعمہ کے کلام کا مزا آتا ہے - جسکا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے -

آنانکہ پردہ از رخ لوزینہ وا کنند — آیا بود تواضع صحنے بما کنند
نان از تنور بہر جُر باجدا شدہ است — لازم بود کہ حق غریبی ادا کنند
در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست — اہمال در تناول فرنی چرا کنند

انجیر را ز شاخ درخت ار جدا کنید — پنہاں ز چشم بد بہ لبش آشنا کنید
یکبار پوست را ز تنش بر کشیدہ اید — بار دگر بہ کیلہ ندانم چہا کنید
ہنگام آں شدہ کہ اسیران انبہ را — بر کام دل ز محنت زنداں رہا کنید
آوردہ ام برائے شما شربت انار — نوشش کنید و مخلص خود را دعا کنید

شیریں نشد بسے ز الفت شکر نشد سے گر — چشم نشد بسے سیر مز عفر نشد سے گر

چنداں بہ ادب وستائی داشتمش من   باشیر و شکر چپ ہمیں نشدے گر
حلوا نفزودے بدماغ این ہمہ قوت   ذوقی ہمہ اجزا مش برابر نشدے گر

نقل بگیر بزبان یکدو سہ چار پنج و شش   پیڑہ قند در دہاں یکدو سہ چار پنج و شش
در قدح بلور کن شربت قند با گلاب   چمچہ بزن فراں میاں یکدو سہ چار پنج و شش
پیڑہ دلفریب را گرچہ نقل گفتہ اند   لیک نداشتہ زباں یکدو سہ چار پنج و شش
شاہدانہ بام بکف گرفتہ از کمال شوق   بوسہ ہم بشستہ ای یکدو سہ چار پنج و شش
صحن پر از مزعفر و کاسہ پر از برنج و شیر   خوب نمایدم بخواں یکدو سہ چار پنج و شش
مصرع نغز اطعمہ وہ چہ خوش است ذوقیا   خربزہ ہائے خوش بناں یکدو سہ چار پنج و شش

نہ تنہا دل ز ذوق برفیم بیتاب می گردد   کہ از یاد زلالی محو پیچ و تاب می گردد

پپیہا سوے چپاتی بہ دیدہ بالفت   کہ بے وصال شکر حالت نزاراں چیست
غرض ز موسم برسات و اولد و بوندی است   دگر نہ ایں ہمہ تمہید برق و باراں چیست

چرا نہ ملیشکر از خرمی بخود بالد   کہ آں ادا ہمہ مقبول آمد و منظور

در تمنائے ملاقات شکر لے ذوقی   آب گردید دل شیر بہ الفت سوگند

حرف رائے مہملہ

راحت - دہلی کے کسی نامعلوم ریختی گو کا تخلص ہے - باوجود تلاش حال نہ مل سکا کلام مل گیا - جو حاضر ہے -

جب سے وہ بانکا سجیلا دل کو ہے بھایا ہوا
انگ لگتا ہی نہیں گوئیاں مرا کھایا ہوا

میں اپنی ایڑی چوٹی پہ صدقے کروں اسے
یہ مردوا انگوڑا تو لٹھ ہے گنوار کا

روؤ گی تم تو وہ آجائیگا بیٹا پھر ابھی
تم جو چپکی ہو رہی ہو آکے جو اپھر گیا

دودھ لینے کا ارادہ تھا جو دوڑایا ہاتھ
نوچ لی انگیا مری دیکھو موئے بند کی بات

جو رو بیٹی ماں بہن کا کچھ نہیں کرتے خیال
گھر میں آکر صاف کہدیتے ہو تم باہر کی بات

گونگی بہری کب تلک لوگو بنی بیٹھی رہوں
نند کی باتیں سنوں ہے ہے کہ میں لوہے کی بات

پوتی پوتوں والی ہو کر لال جوڑا پہنوں میں
مجھکو تو بچی یہ بڑھاپا چلا آتا نہیں

کھلا تو پوتا ہوئی پوری آرزو تیری
دوگانا لال سا بیٹا جنی بہو تیری

لحاظ آیا کسی کا نہ تجھکو عصمت جان
غلام سے گئی پکڑی جنم میں تھو تیری

رحیم - ایک قدیم ریختی گو تھے جو ولی اور رحمان کے معاصر تھے - خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم میں انھیں ریختی کے طرز کا مخترع اور موجد بتایا گیا ہے -

اری ناداں میں اپنے بجن کو کیوں کھایا ہے ۔۔۔ رٹھا کر پیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہے
بہت پچھتائیگی میری نصیحت ماں کہتی ہوں سا ۔۔۔ سکھی کو راحت سوہی ہے پیا سے کو جو بھایا ہے

رسوا ۔ خیرات علی نام تھا ۔ پنجاب کے رہنے والے تھے ۔ مگر عمر بھر دلی میں قیام اور مقام رہا ۔ نہایت شوخ زندہ دل ظریف الطبع تھے بات بات میں لطیفے اور چٹکلے کہتے تھے خود بھی ہنستے اور سننے والوں کو بھی پہروں ہنساتے ۔ غزل گوئی کا شوق تھا ۔ میر ممنون سے اصلاح لیتے تھے ۔ مگر ظریفانہ رنگ میں اچھی خاصی دستگاہ رکھتے تھے ۔ مگر اکثر شعر ہزالی اور فحش کے درجہ تک پہونچ جاتے تھے ۔ چند شعر مع حالات کے ایک قدیمی قلمی بیاض میں نکل آئے جنہیں سے متین ۔ اور غیر مہذب دونوں رنگوں کو چھوڑ کر یہ شعر جو ظریفانہ کہے جاسکتے ہیں انتخاب کر لئے

نالہ کرے نہ ہجر میں اختر شمار ہو ۔۔۔ شام فراق در کا ترے چوکیدار ہو
رسوا یہ لین دین ہے تو کیا ضرور ہے ۔۔۔ دل اپنا انکو نقد دیں بوسہ اُدھار ہو

مجنوں کی یہی دست درازی ہے تو اک روز ۔۔۔ سر مونڈ کے لیلی کو چڑھا دے گا شتر پر
میں خود تری زلفوں میں گرفتار ہوا تھا ۔۔۔ تو نے تو نہ بھیجے تھے سپاہی مرے گھر پر
کچھ اونٹ سے کم حضرت زاہد بھی نہیں ہیں ۔۔۔ اتنی سی کسر ہے نہیں کوہان کمر پر

رحم ۔ لکھنؤ کے ایک قابل ظرافت نگار کا فرضی تخلص ہے ۔ جن کی قابلیت اور استعداد علمی نہایت معقول ہے ۔ ظرافت صرف ظرافت تک محدود نہیں بلکہ اس سے گزر کر وہ فواحش کی حدود میں پہونچ جاتی ہے میرے بیحد اصرار اور التجا پر چند شعر عنایت فرمائے ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی منع فرما دیا کہ نام یا صحیح پتہ ہرگز نہ لکھا جائے ۔ کلام بھی بہت کم دستیاب ہوسکا ۔ کیونکہ ایسے اشعار جو صاف ستھرے ظرافت یا زیادہ سے زیادہ ہزل

تک ہوں ان کے یہاں بہت کم ہیں بلکہ بجاے اس کے فواحش کی گرم بازاری اور زیادتی ہے۔ بہر صورت جو شعر ان اسقام سے پاک ہیں اور مجھکو مل سکے ہیں وہ درج کرتا ہوں۔

ہر اک زبانپہ غلغلہ ہے کھدر اور سودیشی کا　　پھنسی ہیں اور وطن خواب نوربافی

نہ اُن کی والدہ ہوتیں نہ وہ نہ عشق مرا　　خدا دراز کرے عمر اُن کی نانی کی

پھلائے پھرتے ہیں وہ پیٹ جیسے بھینسے　　ذراسی گوشت کی بوٹی نے یہ گرانی کی

گزر رہی ہیں شب انتظار کی گھڑیاں　　اُدھڑ رہی ہے سلائی مری میانی کی

شدت ضعف کا کیا ذکر کہ آکر شب غم　　چارہ ساز آگئے سہارے سے کھڑا کرتے ہیں

ہمنے سر ڈھانکا اُنھوں نے فیل ہمکو کردیا　　اب وہ ہمسر اور ہم اپنے خون کا دعوی کریا

رشک ۔ ان کا میر علی اوسط نام تھا لکھنؤ کے نہایت مشہور و معروف شاعر تھے شیخ امام بخش ناسخ مرحوم کے نہایت رشید شاگرد تھے زبان کے زبردست محقق تھے۔ ایک لغت زبان کی ترتیب دی تھی مگر افسوس کہ وہ شائع نہ ہوسکی۔ دو دیوان نظم گرامی نظم مبارک غدر سے پیشتر طبع ہوے تھے اب کمیاب ہیں۔ منیر شکوہ آبادی اُن کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ رشک نے ۱۲۸۴ھ میں بعمر ۸۰ سال انتقال کیا۔ اگرچہ یہ نہایت متین اور مہذب تھے۔ مگر ان کے بعض شعر ظرافت کے بھی پائے جاتے ہیں۔ اسکی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ اسوقت کے لوگ متانت کے ساتھ ظرافت نگاری کو بھی شامل رکھتے تھے۔ جو شعر لکھے جاتے ہیں اُن سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نادانستہ ظرافت نہیں ہے بلکہ قصداً اس طرف قدم بڑھایا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہرگز نہ لکھے جاتے

چاول الماس گوشت لخت جگر　　فرقت یار میں پلاؤ نہیں

ہیرے کھانے سے کیوں فلک ہے کباب　　پاؤ روٹی ہے نان پاؤ نہیں

اور کیا ہے ترا لعاب دہن　　یہ اگر قند کا چواؤ نہیں

اب کے جاڑے ہیں دنالۂ وآہ — اس طرح کا کوئی الاؤ نہیں
یہ زمین غزل وہ ہے اے رشک — جس میں ذرہ کہیں بھراؤ نہیں

اے مایۂ حیات کبھی مجھکو بھیجدے — چھوٹا تری رکابی کا تورونسے کم نہیں
یارب یہ گور سے ہیں کہ فرشتے عذاب کے — نکلے بھی کان پور کے گورونسے کم نہیں

مندرجۂ بالا غزل سنکر کسی ظریف الطبع نے سر مشاعرہ یا سر محفل رشک کو مخاطب کیا اور یہ شعر پڑھا۔

چھیچھڑے دور سے دکھاؤ نہیں — رشک بیٹھا ہے بن بلاؤ نہیں

سننے والوں نے وہ قہقہہ اڑایا کہ محفل عشرت گونج گئی۔

رفیع الدولہ۔ دکن کے ایک خود پسند بیوقوف رئیس زادہ کا تخلص تھا۔ اگرچہ اس کا تذکرہ کرنا اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔ مگر چونکہ تذکرہ روز روشن اور تذکرہ آفتاب عالمتاب میں ناظرین کی دلچسپی کے لئے ان کا ذکر لکھا ہے۔ اس لئے اتباعاً میں نے بھی نہ لکھنے پر لکھنے کو ترجیح دی۔ جس زمانہ میں انگریزوں نے دکن میں ریاست پر قبضہ کر لیا۔ تو رفیع الدولہ کلکتے پہونچے۔ نواب گورنر جنرل اور دوسرے معزز انگریزوں نے اُن کی بیحد دلدہی اور تعظیم کی اور معقول مشاہرہ ان کے اخراجات کے لئے مقرر کرا دیا۔ چونکہ رفیع الدولہ کا دماغ جلا ہوا تھا۔ ان کی وہی بیہودہ اور لایعنی باتیں جاری تھیں مثلاً آپ جہاں کہیں کسی جلسہ وغیرہ میں شریک ہوتے تو بغیر تجویز صدر کی کرسی پر خود ہی رونق افروز ہو جاتے تھے۔ کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی سلام کرتا تو آپ آنکھ کے اشارے سے سلام لیتے تھے۔ چھیڑنے اور بنانے کے لئے بڑے بڑے آدمی بھی آپ سے جی حضور سے بات کرتے اور جو کچھ کہنا ہوتا تھا دست بستہ کہتے تھے۔

دوسرا خبط یہ تھا کہ ہر سال بہت سا حلوا اور روٹیاں سگ اصحاب کہف کی روح کو ثواب پہنچانے
کے لئے تقسیم کرایا کرتے تھے۔ تیسرا خبط یہ تھا کہ اپنے دیوان یعنی اپنے منشی کو جس سے
اکثر اپنی باتیں لکھوایا کرتے تھے کاتب الوحی کہا کرتے تھے یعنی اپنے کلام نثر و نظم کو
وحی آسمانی جانتے تھے۔ چوتھا خبط یہ تھا کہ آپ شعر فرماتے تھے اور کبھی بھول کر بھی موزوں نہ
فرماتے تھے بلکہ آپ کے کلام کو رنگ ظریفانہ میں شامل کرنے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ جو کچھ لچر و
پوچ اُن سے صادر ہوا ہے وہ موزوں تک نہیں۔ پڑھنے والوں کے لئے زعفران زار کشمیر ہے
انھوں نے جب اپنا دیوان اپنے ہذیانات سے ترتیب دے لیا تو نواب گورنر جنرل بہادر کو
ہدیتاً بھیجا۔ اُن کے لئے ایک سامان تفریح ہاتھ آیا اور مولوی سراج الدین صاحب کے پاس
جو اس وقت قاضی القضاۃ تھے بھیجا کہ اس کا دیباچہ لکھو۔ چنانچہ تعمیل حکم کے لئے انھوں نے
نہایت لطیف اور ظریفانہ رنگ میں دیباچہ لکھا۔ چنانچہ قاضی محمد صادق خاں اختر نے اُس
صفحہ کو نقل بھی کیا ہے۔ اب چند شعر نمونۃً درج کئے جاتے ہیں۔۔

الٰہی دانشمندی مرا دہ خدا — الٰہی تو امید دانی ترا

ابر و برق و تجلی و براق نور افشاں آمد — آب باراں کہ حکم خدا نباشد عید کہ باراں آمد

خم غدیر را کہ پیغمبر داد و ملک داد — خریدار کتاب را صلح سر تاج داد

منصور حلاج بدار دار انا الحق گوید — شریعت پیغامبر خدا کہ حق بحق گوید

صاحبقران جنگ سمرقند نہال شد — بنیاد جنگ کردہ کہ ایلدرم خوشحال باشد

سلاح جنگ کہ سپر و شمشیر آید — گولہ توپ و تفنگ کہ بد بلا آمد

صورت نور کہ ارمنی در کلکتہ بسیار — خواب راحت کجا کہ پشہ بسیار

زنان کلکتہ را آب بسیار — گردن صراحی دارد و شراب بسیار

مقرر کردہ عالم بحق کہ از وے شناس — خدا را شناس و خدا را شناس

رنگ - حریف خاں نام عرف مرزا رنگیلے - تذکرہ خمخانہ میں ان کا ذکر مختصراً لکھا ہے مگر یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ کہاں کے رہنے والے ہیں - صاحب تذکرہ مذکور لکھتے ہیں "استعداد علمی رسمی ہے تفنن طبع کے طور پر شعر کہہ لیتے ہیں جس میں بیشتر تمسخر کا پہلو مدنظر رہتا ہے - انتخاب کلام یہ ہے -

سکونِ اختلاجِ دل ہوا جس نے اسے پھانکا — سفوفِ عاشقی ہے نام خاکِ کوئے جاناں کا

چالان ترا کیوں ستم ایجاد نہ ہوگا — کیا خون کا دعویٰ ستم ایجاد نہ ہوگا

وارنٹ میں ہو جائے گا آخر کو گرفتار — حاضر جو عدالت میں تو جلاد نہ ہوگا

بند آنکھیں ہیں تمھاری اونگھتے ہو رات دن — یہ تو بتلاؤ کہ افیون اسقدر کھاتے ہو کیوں

گھر بیٹھے دید رخ کی ترے سب کو ہو نصیب — قد بڑھ کے گھنٹہ گھر کے برابر جو یار ہو

ہمارا یار ہم کو آج تلشکری چٹائیگا — سنا ہے یہ کہ تل رخسار کا لب کی شکر ہوگی

نہ پوچھو مفلسی کے عقد کا ساماں قاضی جی — کنوئیں کا آنکھ کے پانی ہوگا اور میری شکر ہوگی

رنگیلے - محمد اسمعیل خاں نام تھا - جونپور کے رہنے والے تھے - کچھ عرصہ سے اپنے چچا محمد جعفر خاں کے پاس جو مین پوری میں مختار ہیں آ رہے تھے - اور اُن کی محرری میں کام کرتے تھے - رنگیلے مرحوم ابتدا میں متین اور عاشقانہ شاعری کرتے تھے - اثر تخلص تھا اور حضرت داغ دہلوی کو اپنا کلام دکھاتے تھے - سنہ ۱۸۹۰ء سے اُن کو ظرافت گوئی کا شوق ہوا - اور رنگیلے تخلص اختیار کیا - اس طرح کے کلام میں بھی فکر نہایت صائب تھی - نہایت اچھے شعر نکالتے تھے - مگر ظرافت ہی میں رنگ قدیم بھی شامل رہتا تھا - سنہ ۱۹۱۲ء میں معقول عمر پا کر انتقال کیا - ان کے احباب نے اُن کی یادگار میں ایک بہت بڑا مشاعرہ کیا - اور اس کے اختتام پر ایک قصیدہ جو رنگیلے مرحوم کے قصیدوں میں یادگار قصیدہ تھا - چوکھٹا وغیرہ لگوا کر شعرا کو تقسیم کیا گیا - رنگیلے کا کلام

اگرچہ بہت عالی پایہ نہیں ہے۔ پھر بھی کافی دلچسپ ہے نمونہ کلام یہ ہے۔

ہتھیلی میں نہ اُن کی چھید ہو جائے یہ کہتا ہے ۔۔۔ لئے پھرتا ہے قاضی ہاتھ میں کفگیر میخانہ
ہمارے شیخ جی ہلنے کی اکثر مشق کرتے ہیں ۔۔۔ کہیں دیکھ آئے ہیں ہلتی ہوئی زنجیر میخانہ
کمر بند انکا مستی میں کھلا لنگ سرک آیا ۔۔۔ کہاں آکر کھلی ہے دیکھئے تقدیر میخانہ
کبھی ٹھرا اڑاتے تھے کبھی گودڑ چڑھاتے تھے ۔۔۔ جنھیں ہم رند سمجھے تھے وہ نکلے پیر میخانہ
بڑھاپے میں جوانی کا مزا ملنا غنیمت ہے ۔۔۔ رنگیلے اب نہ چوکو اب کرو تقصیر میخانہ

نسیم صبح کے یا پو بھی کیا فر نکلتے ہیں ۔۔۔ چمن سے جب ترے گیسو لئے عنبر نکلتے ہیں
وہیں پر ہر قدم پر تالیاں فتنے بجاتے ہیں ۔۔۔ پہن کر وہ نیا جوتا جہاں چرمر نکلتے ہیں
ترا کوچہ بھی اک ٹھنڈی سڑک ہے سیر اُنکی ۔۔۔ ربڑ ٹائر نکلتے ہیں کبھی موٹر نکلتے ہیں
چٹائی اُن کی میرا بوریا دشمن نے سب بیچے ۔۔۔ ہمارے دو گھروں سے آج فرنیچر نکلتے ہیں
مبارک ہوں عدو کو ہلکی ہلکی ٹھسکیاں اُنکی ۔۔۔ سنا ہے وہ بچانے کے لئے بندر نکلتے ہیں
رنگیلے دوڑتے پھرتے ہیں اُنکے گول کمرہ میں ۔۔۔ انھیں تو وصل میں بھی سیکڑوں چکر نکلتے ہیں

اے شب غم تری صورت پہ خدا کی پھٹکار ۔۔۔ دیکھتا ہوں اُسے دن میں بھی تو ڈر جاتا ہوں

رنگین ۔ مرزا سعادت یار خاں نام تھا اور رنگین تخلص کرتے تھے۔ اِن کے والد مرزا طہماسپ بیگ ساٹھ برس کی عمر میں روم سے ہندوستان آئے۔ اور ہندوستان کے نوابین امرا اور رؤسا کی سرکاروں میں ملازم رہے۔ رنگین کی پیدائش قصبہ سرہند میں ہوئی لیکن انھوں نے نشو و نما دہلی میں پائی۔ اور عمر بھر یہیں رہے۔ سیر و سیاحت کا شوق ابتدا ہی سے تھا چنانچہ اسی سلسلہ میں اکثر مشہور مقامات کی سیر کی۔ اسفان کچھ خاص نہ تھے

کبھی تجارت کرکے بسر اوقات کرتے اور کبھی نوکری اور ملازمت اختیار کرتے۔ چنانچہ عرصہ تک مرزا سلیمان شکوہ برادر اکبر شاہ ثانی کی سرکار میں مصاحبین کے زمرہ میں منسلک رہے۔

فن شعر کا شوق ابتدائے عمر سے تھا۔ شاہ حاتم سے مشورۂ سخن کرتے تھے طبیعت ہمہ گیر واقع ہوئی تھی۔ متین۔ عاشقانہ۔ ناصحانہ۔ ظریفانہ۔ سبھی قسم کا کلام موجود ہے۔ ریختی کا موجد بعض لوگ انھیں کو کہتے ہیں مگر یہ بات تحقیق سے دور ہے۔ ان کی ریختی میں حقیقتاً عورتوں کی زبان اور روزمرہ جذبات وغیرہ موجود ہیں۔ جان صاحب کی طرح نہ سراپا آورد ہیں۔ اور نہ فواحش سے بھرے پڑے ہیں۔ کلیات رنگین کا نام نورتن ہے جس میں چار دیوان موسوم بہ ریختہ۔ بیختہ۔ آمیختہ۔ انگیختہ اور دوسری کتابیں ایجاد رنگین۔ فرسنامہ رنگین نامہ۔ مجالس رنگین وغیرہ موجود ہیں اور انھیں کے ساتھ ایک مثنوی موسوم بہ دلپذیر بھی ہے۔ جو اسوقت کی بہترین زبان ہے۔ نہ صرف زبان بلکہ اس مثنوی کا طرز بیان۔ قصہ کی روانی۔ وغیرہ سب باتیں قابل داد ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسوقت کے تمام باکمال شعراء نے متفق ہو کر اس کی تعریف کی ہے۔ بلکہ جرأت نے تو مصرع تاریخ یہ کہہ دیا ہے۔ کہ۔ ہے یہ بے نظیر سے بہتر۔ ایک دیوان انگیختہ سراپا ظرافت اور ریختی ہے۔ اسکی نسبت کوئی رائے دینا فضول ہے سب جانتے ہیں کہ رنگین کا درجہ اس بارہ میں اتنا ہے کہ لوگ ان کو موجد تک تسلیم کرتے ہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ باوجود سب کچھ کہنے کے کبھی درجۂ اعتدال سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ اور اس صنف خاص میں اپنے تمام معاصرین سے ممتاز ہیں۔ سید انشاء نے بھی اگرچہ طبیعت ہمہ گیر پائی تھی مگر سچ یہ ہے کہ وہ ظریفانہ یا ریختی کے رنگ میں رنگین سے بڑھ نہیں سکے۔

داری تری جاؤں نہیں خالی تو جگہ تھی کا　　　کب مجھ سے یاں بیٹھنے دوگی فقر کا

ایسا آکٹر پھر تجھے انگن چھل دکھاؤں گا　　　بندی کو چھٹے ہو کا رنگین کی نہ چاہت کا

نیند آتی نہیں کمبخت دوائی آجا
اپنی بیتی کوئی کہہ اپنی کہانی آجا
ہاتھ پر تیرے ہوئے کیسے ہیں چھلے کا داغ
دی ہے یہ کس نے تجھے اپنی نشانی آجا
بال ماتھے کے جو گودوں سے لئے ہیں تو نے
شکل لگتی ہے بری آج ڈرانی آجا
غم ہے رنگیں کو نہ میرا دونی اسکے پیچھے
مفت برباد ہوئی میری جوانی آجا

دگانا کو اور مجھکو دیکھا جو لیٹے
تو پھر کیا گرج کر ہوا بھبوت خوجا
غضب ہے کہ رنگیں کا دل پھاڑنے کو
نیا روز کرتا ہے کرتوت خوجا

دائی تھی چوٹی گھر آسکے میں کل چور پڑا
ہوئی باجی وہ خلل چور کے گھر مور پڑا
دن دہاڑے جو چلی آئی تو میرے گھر میں
کل دگانا ترے آنے سے بڑا شور پڑا
کوڑھ ہن سے جو دوا تو نے لگائی مہندی
تو ہتھیلی میں مری دیکھ لے یہ چور پڑا
تیری خاطر کروں کیا تک جو دگانا پیاری
قہر اس بات کا لپکا تجھے در گور پڑا

ہونٹھا کو اپنے دوا تو نے بنایا ہے جو کب
کیا مری چڑ ہے دھڑے کا یہ جمانا تیرا

شب کو اس حبشی بچہ نے یہ غضب ڈھالا کیا
چھپ کے مجھ سے منھ دگانا کا مری کالا کیا
حسن نظر کو کہا جو میری تھی جوان جو بھی کے بعد
پیٹ آسے جب رہ گیا تب یہ سر اچھالا کیا
کون ایسا ہے دوا جس پر کہ اتراتی ہے تو
کوئی پیدا کیا بنا پھر چلنے والا کیا
اے دوا کس سے کہوں رنگین کی چھل بل زیبا
بیر دوڑانے میں اس نے ماتا بنگالا کیا

میرے گھر میں دو ناخنی آئی کب
میں نگوڑی بھلا نہائی کب

صبر میرا اسٹھتی ہے وہ — شب کو بولی تھی چار پائی کب
کل زناخی تھی میرے پاس کدھر — اوڑھے بیٹھی تھی میں رضائی کب
وہ نہنجتی تو گھر میں اپنے نہ تھی — پاس اُس کے گئی تھی دائی کب
دوڑی لینے کو میں اُسے کس دم — پاؤں میں میرے موچ آئی کب
کھانا کھایا تھا میں نے اُس نے کہاں — اور منگائی تھی ملائی کب
کی تھی شب میں نے کس جگہ کنگھی — آرسی اُسنے تھی دکھائی کب
ہرگز آتی نہیں ہے سانچ کو آنچ — پیش جاوے گی یہ بُرائی کب
گوندھ کر ہاتھ پاؤں میں رنگیں — اُسنے مہندی مرے لگائی کب

تجھسے ملنے کا رونا مجھے ارمان ہو نوج — تو ہے بے دید ترے گھر کوئی مہمان ہو نوج
ناک میں دم تھا چھڑایا ہے خدا نے انّا — عشق کے بند میں پھر بند مری جان ہو نوج
انگلا میں نے اُسے سخت کڑا ہے رنگین — اے دوا جان کوئی ایسے کے قربان ہو نوج

بھاتا نہیں ہے مجھکو گنواری ازاربند — جا کر دوا وہ لچھے کا لاری ازاربند
ہمسائی پر یہ وقت پڑا ہے کہ تیس دن — بُن بُن کے بیچتی ہے بچاری ازاربند
ڈھیلی گرہ لگاؤں تو آنا یہ کہتی ہے — آیا نہ باندھنا تجھے واری ازاربند
باندھوں جو کھینچ کر تو یہ کہتی ہے وہ مجھے — کیا کس کے باندھتی ہے تو پیاری ازاربند

زہر کر دیتی ہے وہ کھانے کو لڑکر مجھسے وز — آج سے میں ساتھ اُسکے کھانا کھاؤں دو بار
کیا گئی گذری ہوں میں ایسی کہ جاؤں ڈر کر — اور منا کر ساتھ اپنے اسکو لاؤں دو بار
ہو وہ دن ناپید جس دن بھیجکر دائی وہاں — واسطے اپنے کچھ اس سے میں منگاؤں دو بار

اس نے ہمسائے میں آکر گھر لیا تو کیا ہوا — اب اُسے آواز میں اپنی سناؤں دو و پار

دلبر میرے نقش میں رنگیں کی ساری شوخیاں — اُسکی پہچوائی ہوئی مہندی لگاؤں دو و پار

کروں میں کہاں تک ادا بات روز — تمہیں چاہیئے ہے وہی بات روز

کہاں تک سنوں کان تو اڑ گئے — تری سنتے سنتے حکایات روز

گئے ہیں مرے گھر سے سب تجھکو تاڑ — کیا کر نہ رنگیں اشارات روز

کرتی جاتی کی مجھے بھاتی ہے ہلکی ہلکی — کیوں مرے واسطے باجی نے سلائی پشواز

تو دوا ایک ہے اللہ سے ادھر ترت باز — قادری ناگی کی تو وہ ٹھکے لائی پشواز

رشک سے منہ پہ بسنتی کے گئی پھول بسنت — میں نے رنگیں جو پہنی جو رنگائی پشواز

اتنی بندی نہیں ہے چاہ سے خوش — جتنی گوئیاں کی ہے نباہ سے خوش

تیس دن میں کسی سے ملتی نہیں — ہوں ملاقات گاہ گاہ سے خوش

وہ جو آئے مرے گھر میں تو مجھے جاوے لپٹ — جاؤں گھر اُسکے تو مجھ سے کرے وہ پان دریغ

دل کی میں باد دی تجھی کہ جب کہ اُس سے اٹا — نہ کیا میں نے تو مال و دل و ایمان دریغ

آج رنگیں کو بلاتی ہوں میں اور گھر میں مرے — کچھ مہیا بھی نہیں عیش کا سامان دریغ

مجھکو اس بات کا نہیں ہوکا — بندی رکھتی ہے گاہ گاہ کا شوق

اب مجھے گانا کو مرا وہ بیاں ہے کیا خاک — انساں کی انا سے پہچان ہی کیا خاک

کنگھی میں کبھی تیل کی اتنا انڈیل ڈال — سوکھے ہیں بال سر میں مرے اگلے تیل ڈال
یارب شب جدائی تو ہرگز نہ ہو نصیب — بندی کو یوں نہ دیجا ہے تو کولھو میں پیل ڈال

شوق تجھ کھوج مٹی کو جو ہے اس بات سے کم — بولتی مجھ سے دوگانا ہے بہت رات سے کم
مان کرتی ہے بہت اپنے وہ جوبن پہ دوا — گات میری بھی زناخی کی نہیں گات سے کم
بھیجتا روز ہے رنگیں مجھے پیغام سلام — اور میں آگاہ ہوں اس حرف و حکایات سے کم

کوئی پیس کر خوب سی لال مرچیں — تھے دونوں دیدوں میں بھر جائیے آتوں

گر کہے گی مجھے کچھ منہ پھوڑ کر باجی تو پھر — ٹھنڈی کر ڈالوں گی میں ہاتھوں کی ہاتھی چوڑیاں
اب یہ بس باقی نہیں رنگیں کہ میں نے بارہا — پہنیاں رنگ رنگ کی ہیں بھاری بھاری چوڑیاں

شفقلین یوں چڑھ ہیں نظروں میں تمہاری گہیاں — اور میں کوٹھے سے اسطرح اتاری جاؤں

یوں بولتی ہوں بول بڑا خاک چاٹ کر — گوئیاں کیطرح جھاڑو کی تیلی نہیں ہوں میں
ہیں حرفتیں بھری ہوئی رگ رگ میں کوٹ کر — رنگیں تری طرح سے رنگیلی نہیں ہوں میں

اب تجھ سے خدا سمجھے تو ہے زہر کی اک گانٹھ — تجھ پر کہیں بجلی پڑے درگاہ کی گوئیاں
ہے دل میں ہوس اپنے تو رنگیں کی ہوس ہے — خواہش ہے نہ دولت کی نہ کچھ جاہ کی گوئیاں

طبیعت چاہتی ہے اس کو میسری — کھنچی اس سے بھلا کب تک ہوں میں

چمٹتا ہے وہ سو سو بار آکر بچی اس سے بھلا کب تک ہوں میں

جو ہونی تھی سو بات ہو لی کہارو چلو لے چلو میری ڈولی کہارو
بچھڑ جاؤ نگری سے مرجاؤ سارے لگے تمکو ایسی ہی گولی کہارو
چلو ہولے ہولے دہمک سے ننھی گئی سب مسک میری چولی کہارو
مرے مغز کے بس اڑادو نہ کیڑے سناؤ نہ اپنی یہ بولی کہارو
الٰہی کرے نکلے تالو میں گلٹی یہ جیسی زباں تم نے کھولی کہارو
جو ہیں آتری ڈولی سے بیٹھ رہیں تھنے پٹاری مری سب ٹٹولی کہارو
ذرا گھر کو رنگیں کے تحقیق کرو یہاں سے ہے کے پیسے ڈولی کہارو

تو تو محرم نہیں مت ہاتھ لگا چھاتی کو سخت بیرحم ہے تو او ہی مر یجان گئی
بولے وہ آوگے کب میں نے تب اُنسے کہا بندی ہرگز نہیں اب تک کہیں مہمان گئی
ٹیس پڑ دیں اٹھی او ہی مر یجان گئی مت ستا مجھکو دوگانا ترے قربان گئی
تجھسے جب تک نہ ملی تھی مجھے کچھ کھٹکا تھا ہاتھ ملتی ہوں بُری بات کو کیوں ٹھان گئی
زہر لگتی ہے مجھے تیری یہ چشمک بازی یاں ترے آنے سے باجی تجھے پہچان گئی
ترے رنگیں سے کہیں آنکھ لڑی پر ہے کوے کچھ تو گھبرائی ہوئی پھرتی ہے اوسان گئی

شکل باجی کی جو یاد آتی ہے تو اجی روح نکل جاتی ہے
کھو جیڑا جاے مری آنکھوں کا نیند کیوں ان کو نہیں آتی ہے

آج دروازے پہ نوبت جو دھری جاتی ہے میری کہ کالی اجی کو دھری جاتی ہے

میری چھوچھو کی اجی کوئی بڑھا دے پشواز   بوجھ سے اسکے نبھی وہ مری جاتی ہے
سامنے سے مری کوکا کے پرے ہٹ دائی   تیری صورت سے وہ ڈر پوک ٹھٹی جاتی ہے
میری پروا انہیں زنگیں کو اری انّا جان   اُسکے پاس ایک نئی روز پری جاتی ہے

کل وہ لشکر کو سدھارے گا سنا ہی میں نے   جاکے لادے تو مجھے اسکی نشانی باندی
اور تو کیا کسی لوٹے سے تجھے دوں گی بلا   لائے گر اُس کا تو پیغام زبانی باندی

اتنا بڑا ہی مسّا ہے اک اُسکی ناک پر   جتنی بڑی دا مری انگلی کی پور ہے
شاید کہ ہوگیا ترا میٹھا برس شروع   کوکا کچھ ان دنوں تری چاہت کا شور ہے

میں تو وہ اوڑھنے کی نہیں کل کی اوڑھنی   باجی مجھے اوڑھا دو جھاجھل کی اوڑھنی
بھیجا ہے گوٹ کا یہ دوپٹہ مجھے چہ خوش   اور آپ اوڑھ بیٹھیں مسلسل کی اوڑھنی
گرمی کے مارے ناک میں آیا ہے دم مرا   انّا اوڑھا دے لاکے کوئی ہلکی اوڑھنی
برسات اسکو کہتے ہیں جی جس بہار میں   سر پہ ہوا کے ہوتی ہے بادل کی اوڑھنی
پہونچی لچک کمر کو ارے لوگو دوڑ لو   کولے تلک جو سر سے مرے ہلکی اوڑھنی
بھاری بنت منگا دے کہ سر پر لگا دوں میں   سر پر مرے ٹھہرتی نہیں ہلکی اوڑھنی

پھنسا دیا ہے مجھے زنگیں کے دام میں ناحق   کٹے الٰہی کرے ناک میری دائی کی

تھوکتا بھی تو نہیں ہے مردوا اسکو کوئی   اتنا اتراتی ہے جوبن پر دوا کس واسطے
ریختی کہنی اجی زنگیں کی یہ ایجاد ہے   منہ چڑھاتا ہے موا نشا جیا کس واسطے

نکلا عید کا چاند جو گھر سے شکر ڈالا نکلا آج
کیوں نہ پھروں میں اپنی گلی میں اوپر الا نکلا آج

مجھکو روتا دیکھکر بولی دو دازاری نکر
تیرے صدقے ہوکے مرجاؤں میں جی بھاری نکر

ہر مہینے میں کڑھاتے تھے مجھے پھول کے دن
ہائے اب کے تو مجھے ٹل گئے معمول کے دن

اب کے یہ عہد ہے کہ جو بارہ وفات ہو
تو میرے اور تیرے دوگانا دہ بات ہو

دل ہو خون اور حنا کو بھاگ لگے
اس تری منصفی کو آگ لگے

رونق سید محمد محسن نام ہے تکیہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں بچپن ہی سے شاعری کا شوق ہے۔ چھ سات برس ہوئے جب بغرض امتحان کے لکھنؤ آئے تھے تو مجھسے ملے تھے پانچ غزلیں بغرض اصلاح دکھائی تھیں۔ اب عرصہ سے معلوم نہیں کہاں ہیں۔ عاشقانہ اور ظریفانہ دونوں رنگ کے شعر کہتے ہیں۔ طبیعت میں شوخی ہے۔ اگر اسی طرح کہتے رہے تو کسی وقت بہت اچھا کہنے لگیں گے۔ چند شعر ظریفانہ رنگ کے نمونتاً درج کرتا ہوں۔

سمند عمر بھاگا ہے اگاڑی نے پچھاڑی ہے
زمیں سونگھے گا آگے چل کے اک گنجان جھاڑی ہے

حرم سے شیخ نکلے ہیں خبر عرسوں کی سنتے ہی
مگر نظریں حسینوں پر ہیں اور ہاتھوں میں داڑھی ہے

نگوڑے عاشقوں کا آج سر کاٹیں گے وہ شاید
اپنی آبادی میں بیٹھے ہیں ہاتھوں میں کلہاڑی ہے

وہ ڈھیچوں ڈھیچوں کرتے ہیں گئے ناز میں آکے
محلے والے کہتے ہیں گدھا کوئی پہاڑی ہے

لو وہ آتی ہیں لو ان کی بھڑکائی ہوئی
ہائے دنیا کیا کروں میری تو رسوائی ہوئی

لے بوا میں کیا کروں سنڈی رحیاؔ کے لیے — میری جوتی سے جو وہ پھرتی ہو گدرائی ہوئی

لے ذرا نچلے تو بیٹھو کوئی دیکھے گا اگر — رکھی رہجائینگی یہ اڑہی جو رسوائی ہوئی

دولھا بھائی آرہے ہیں لکھنؤ سے شام کو — باجی آج آیا ہیں کچھ جھکی سی شرمائی ہوئی

شیریں سے کہنے لگے فرہاد بھیّا ایک دن — یہ تو بتادو کہ کیوں پھرتی ہو اٹھلائی ہوئی

کہیں کنجڑے کہیں بہنے کہیں نہائے بیٹھے ہیں — جدھر دیکھو اُدھر ہی عاشق مبتلا بیٹھے ہیں

ریاض - منشی ریاض احمد نام ہے خیرآباد ضلع سیتاپور کے رہنے والے ہیں منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے شاگرد ہیں اسوقت ستر پچھتر برس کی عمر ہے - راقم الحروف کے حال پر نہایت عنایت فرماتے ہیں اور میں بھی اُن کو بمنزلہ بزرگ مانتا ہوں - ریاض ایک زندہ دل نیک طینت خوش وضع انسان ہیں - آپ کی شاعری رنگ قدیم میں نہایت بہتر ہے بلکہ میرے نزدیک داغ کے رنگ کو ریاض سے اچھا کہنے والے منشی امیر احمد کے شاگردوں میں بجز حضرت ریاض کے کوئی صاحب نہیں ہیں - ممکن ہے کہ یہ بات اُن کے لئے قابل افتخار نہ ہو مگر پھر بھی زمانہ اسکی قدر کرے گا - اور کرتا رہا ہے -

زمانہ حال میں شاعری کی دنیا بدل گئی ہے - اور اب طبیعتوں کا رجحان الفاظ کی تراش خراش - ترکیبوں اور بندشوں - سوز و گداز غیر فطری کی طرف زیادہ ہے - مگر ریاض کے یہاں قدامت کے ساتھ وہ انبساط وہ شوخی وہ شگفتگی وہ دل کشی اور رندانہ مضامین میں ذوق کی افراط ہے کہ زمانہ نے اُن کی شاعری کو خمریات ریاض مطائبات ریاض کے نام سے شائع کرنا شروع کیا ہے - اور آج میں اُن کے اشعار کی شوخی ظرافت آمیز دیکھکر اپنے تذکرہ میں ان کا خمریاتی رندانہ - معاملہ بندی کا رنگ لکھنے اور اس تذکرہ کے لئے انتخاب کرنے پر مجبور ہوں - ہرچند بعض حضرات کے لئے یہ ایک جرأت غیر معمولی سمجھی جائے گی مگر مطائبات ریاض

محرومی میری تذکرہ کی ناکامی کا باعث ہو گی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے ریاض کی شاعری پر یہ رائے قائم کی ہے اور یہ ضرور ہے کہ سچے عشق کی تصویریں اُن کے ہاں کم ملتی ہیں۔ بلکہ اُس کے برخلاف بعض بعض شعر غزل میں ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو بد اخلاقی کا محرک کہنا نازیبا ہے اور یہ بات اصول شاعری کے خلاف ہے۔ یہ ایک معاصر تذکرہ نویس کی رائے ہے مگر مجھپر فرض نہیں کہ میں اُس کا اتباع کروں۔ میں ریاض پر یہ کوئی الزام نہیں رکھتا البتہ البتہ جن شعروں میں ان کی فطرتی شوخی نے اعتدال سے باہر قدم رکھا ہے اُن کے مہذب اور شستہ ظرافت کے دائرہ میں لاتا ہوں۔ وہو ہذا۔

نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا — مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا

مے چرانے میں ہمیں ہے یدِ طولیٰ کیسا — ہم اڑا لائے سبو آج اچھوتا کیسا

جائیے جائیے ہم حشر میں ملنے کے نہیں — آئیے آئیے اب وعدۂ فردا کیسا

قرض لایا ہے کوئی بھیس بدلکر شاید — مے فروشوں کا ہے واعظ سے تقاضا کیسا

جب یہ ملجائیں کلیجے سے لگالے ان کو — اِن حسینوں سے کسی بات کا شکوا کیسا

شوق سے میں نے رہِ عشق میں کاٹے ہیں پہاڑ — کوہ کن ہو تو ہوں میں تو کوئی مزدور نہ تھا

صدقے صبح وصل کے شکوا مرا جاتا رہا — اُن کا شکوا رہ گیا میرا گلا جاتا رہا

دستِ شفقت اسطرح اک رند نے پھیرا ریاض — بیٹھ کر یاد خدا میں جھومتا جاتا رہا

یہاں وہ لے دے ہوئی آکر کہ الٰہی توبہ — ہم سمجھتے تھے کہ محشر میں تماشا ہوگا

یہ دن ہے حشر کا ہو کر رہیگا وہ جو ہونا ہو — ارے جھوٹے کچھ اب قول و قسم سے ہو نہیں سکتا

چھپ کے راتوں کو کہیں آپ آئے نہ گئے — بے سبب نام ہوا آپ کا روشن کیسا

مے چھین کر کسی سے جو پیتے تو تھی خطا — جب دام دیکے پی گئے تو گنہ کیا کسی کا تھا

یہ اپنی وضع اور یہ دشنام مے فروش — سنکر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

چن چن کے آج شیخ نے انگور کھا لئے — اب کیا رہا ہے تاک کا حاصل نکل گیا

میرے گھر شبلِ تبرک کے یہ ساماں نکلا — آستیں قیس کی فرہاد کا داماں نکلا

نیچی داڑھی نے آبرو رکھ لی — قرض پی آئے اک دکان سے آج

کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر — شکن رہ جائے گی یونہی جبیں پر

جناب شیخ نے جب پی تو منہ بنا کے کہا — مزا بھی تلخ ہے کچھ بو بھی خوشگوار نہیں

حنا لگا کے پہنچتے ہیں مگر خوب نہیں ریاض — کچھ ان کی ریش مبارک کا اعتبار نہیں

یہ الجھے ہیں رندوں سے کیوں شیخ صاحب — بڑھاپے میں کیوں داڑھی رنگوا رہے ہیں

اک ٹیپ ماری زور سے زاہد کے اے ریاض — اب ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں

بوتل کا کاگ زور میں توبہ کو لے اڑا — ہم گل چلوں کے ہاتھ کی گولی رکی نہیں

کریں گے کیا نہ کریں گے جو مے سے ہم توبہ — کہ اب دکان سے ملتی ادھار بھی تو نہیں

شیخ صاحب کیا چھپا کر لے چلے رومال میں — کچھ نہ کچھ حصہ رہے یاروں کا بھی اس مال میں

مے ریاض آپ بھی پیتے ہیں بایں ریش سفید — ہائے یہ نور کی شکل اور سیہ کار دل ہیں

ہم بند کیے آنکھ تصور میں پڑے ہیں — ایسے میں کوئی چھم سے جو آجائے تو کیا ہو

اٹھو او میرے سبو ساغر ریاض جلد — آتے ہیں اک بزرگ پرانے خیال کے

دلائے یاد جو وعدے تو بولے جھنجھلا کر — یہ اور حشر میں لینے کو آبرو آئے

ریاض آئے تو لوگوں نے میکدے میں کہا — کہاں یہ آج بزرگ فرشتہ خو آئے

ہماری نظر حشر میں شیخ پر تھی — وہ سر پہ لیے حوض کوثر نکلے

اہل حرم میں جا کے بنا آج شیخ وقت — کافر ریاض پیر کلیسا کہیں جسے

آئے میخانے میں جب مسجد جامع سے ریاض — ساتھ ہی آپ کے قبلے سے گھٹا بھی آئی

عمر کیا ہے ابھی کم سن ہیں تنہا لیٹیں — سو رہیں پاس مرے خواب میں ڈرنے والے

خم مسجد میں سے تاب بھر جا ٹوٹیں — ٹھنڈے پانی سے وضو کرکے گھٹا ٹوٹنے والے

واعظا انگور میں ہے دختر رز بے نقاب — آنکھیں پھوٹیں جو ادھر تاک لگائے کوئی

ہمارا عیب کھلتا ہے تو کھلتی ہے چھپی بوتل — ہمارے کام کیا کیا جامۂ احرام آتا ہے

عادت وہ بری شے ہے جو کھانے کو ملا بھی — بے مے کے مرے حلق سے اترے نہ نوالے

شیخ صاحب برائیاں مے کی — اور جو کوئی چپت کی آجائے

کاتب اعمال نکلے کام کے — مل گئے دو دو شریک الزام کے

پاس آداب بزرگی ہے بایں وضع جنوں — جب چلے تا صبح جھکے ہم بندگی کے واسطے

اتر گئی سر بازار شیخ کی پگڑی — گرہ میں دام نہ ہونگے ادھار پی ہوگی

شیخ جی گر گئے تھے حوض میں میخانے کے — ڈوب کر چشمۂ کوثر کے کنارے نکلے

بانس پر میکدہ میں تجھکو چڑھایا اے شیخ — پھر بھی اونچے تری مسجد کے منارے نکلے

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے — ہجوم حشر میں لے آئے ہیں ملا کے مجھے

چھیڑ کر مجمع زہاد کو ڈرتا ہوں ریاض — کہنہ مسجد کے عوض ہو نہ مرمت میری

شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی — میکدے سے اب پرانی جائیگی

حرفِ ناز

نازش - تخلص تھا جناب منشی محمد حسین صاحب نازش بدایونی کا - ابتدائے شباب
میں کچھ اپنے جوش کچھ احباب کی فرمائش کچھ ضرورت زمانہ کچھ امراء کے خوش کرنے کے لئے ظرافت
کے رنگ میں بھی شعر کہتے تھے - اور بعض شعر اس رنگ میں بے مثل اور لاجواب ہوتے تھے - اب
ظرافت گوئی بالکل ترک کر دی ہے - مگر بعض اشعار میں رندانہ شوخیوں کی جھلک باقی ہے
نازش ایک پختہ مشق زود گو اور پُرگو شاعر ہیں لیاقت اُردو فارسی بقدر ضرورت شعر بہت
کافی ہے - نثر نویسی میں بھی کافی مہارت ہے - حتیٰ کہ بعض اخبارات اور رسائل کے آپ
ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں - اور اب بھی یہ شغل جاری ہے - آپ کی تصنیف سے کئی ایک ناول اور
دوسری نثر کی کتابیں بھی ہیں - ایک دیوان جو انواع سخن سے لبریز تھا - اتفاق سے ریل
کے سفر میں گم ہو گیا - مگر انھوں نے محض حافظہ کی مدد سے کام لیکر دوبارہ اس کو جمع کر لیا
مزاج میں ایک قسم کی شوریدگی بھی ہے - اور رنگینی بھی - قوت واہمہ زیادہ ہے حتیٰ کہ بعض
اوقات معمولی معمولی باتوں پر الجھ جاتے ہیں - اور پھر مدتوں اس شخص سے صاف نہیں ہوتے
دہلی میں زیادہ تر قیام رہا - اب عرصے سے لکھنؤ میں مقیم ہیں مگر کبھی کبھی جب جی چاہتا ہے بریلی
کان پور - دہلی چلے جاتے ہیں اور مہینوں واپسی کا نام بھی نہیں لیتے مرزا غالب کے پیرو ہیں
اور اپنے تلمذ کو مرزا کے نامور شاگرد حضرت ذکی مرحوم سے منسوب کرتے ہیں - مجھے عرصے سے
ملاقات ہے - مگر کبھی کبھی اکثر باتوں پر خفا ہو جاتے ہیں - اور ہموار کرنے میں بڑی دقتوں کا
سامنا ہوتا ہے - کلام ظرافت کے لئے میں نے بہت کچھ خوشامد کی مگر وہ کسی طرح کلام
دینے پر راضی نہ ہوئے - آخر کار جناب نواب علی حسین خاں صاحب برق شاہجہانپوری

میرٹھی مُلّا سے یہ پوچھے کوئی　　کیا زبانِ داغ ٹکسالی نہیں

زانیؔ - دکن کے ایک مشہور ہزّال تھے - میر غلام حسین افسق برہانپوری انھیں کے شاگرد تھے - گیارہویں صدی ہجری کے شاعر تھے - کلام باوجود تلاش بھی دستیاب ہوسکا ایک مرتبہ ایک شخص سے کچھ شعر سُنے تھے اب وہ شخص بھی نہیں - مجبوراً خاموش ہوتا ہوں -

---

زیٹرؔ - سید باقر حسین نام ہے - سُنا ہے کہ مشک گنج لکھنؤ میں قیام ہے - نہایت قابل اور فاضل شخص ہیں گو مجھ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی - مگر سُنا ہے کہ پچاس پچپن سال کی عمر ہے ایک غزل مطبوعہ نقل کرتا ہوں باقی کلام ایک صاحب سے زبانی سُنا تھا اور لکھ لیا تھا - زیادہ حالات معلوم نہیں -

ہے جگر بے رحم کے سینہ میں گویں دل کے پاس　　سنگ خارا کی ہے یا رکھی ہوئی سِل دل کے پاس

پیلنے پاپے ہیں کیوں بے اگر جاتے ہیں ہم　　ٹھونکتے ہیں اور چلے آتے ہیں سب پل پل کے پاس

ناک کے پہلو میں ہے مسّہ گال پر ہے یار کے　　اک پہاڑی مرچ رکھی ہے سیہ فلفل کے پاس

کیا بتائیں حسرتیں کس کس جگہ ہیں جا گزیں　　دل کے اوپر دل کے نیچے دل کے اندر دل کے پاس

یوں جھلکتا ہے دہن پر ناک میں اُن کا بلاق　　آ گیا بیتال ہے گویا چہ بابل کے پاس

گر طلسم اختلاج قلب مانگا ہو سے وہ　　یہ سلیپر میری لٹکا لے تو اپنے دل کے پاس

ہے جبیں پر شکن کے نیچے یہ لمبی سی ناک　　یا کھرل کا رکھ دیا بچہ نے بٹہ سِل کے پاس

پھرتا ہے اس وقت زیٹر اُس کے رخ کے ارد گرد　　گھومتا ہے یا چکورا سم مہ کامل کے پاس

جب تلک اس دستِ نازک کی ہوا کھائی نہ تھی　　گدگدا شیخ جی مست کش نائی نہ تھی

بے سبب کس واسطے پھسلا ہوا پائے نظر　　سبزۂ خط عارضِ جاناں پہ تھا کائی نہ تھی

کون کہتا ہے کہ غالب کی نہ ہیری قبر میں · کاو کاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ تھی

سر میں جوئیں ہیں اُن کے آہو ہیں یا ختن میں · یا ننھے ننھے ہاتھی پھرتے ہیں کجلی بن میں

زیرک ۔ گوبند رام نام تھا ایک کشمیری پنڈت تھے جو لکھنؤ میں رہتے تھے ۔ شعر و شاعری سے انتہائی ذوق تھا اور فن شعر کے نہایت اچھے جاننے والوں میں تھے ۔ ایک مرتبہ محمد علی حزیں نے کشمیریوں کی ہجو میں ایک قطعہ کہا تھا اتفاق سے وہ قطعہ زیرک کی نظر سے بھی گزرا انھوں نے اس کے جواب میں بہت سے قطعے کہے چند شعر حزیں کے قطعہ کے اور کچھ شعر زیرک کے قطعے کے تفریح طبع ناظرین کے لئے نمونتاً لکھے جاتے ہیں ۔

اشعار قطعہ حزیں

شرح قومی شنو از من کہ ندارند نسب · ادب و شرم و حیا غیرت از ایشاں مطلب
ہمہ حمامی و دلاک بود اعلا نسل · ما بقی دلہ و سادہ دگر ارباب طرب
در حسب نامہ شاں از ہمہ خلق جدا · در نجابت لقب ارذل رسانند نسب
کس ندیدہ بوطن مردن کشمیری را · در جہاں چوں صفت رندہ دواں اند طلب
یک ازیں قوم ندیداست وفوت کشمیر · بنگرد دو چو ز سوراخ برآید عقرب
بے یکی ہیچ دوانند شتاباں بہ دمشق · نزد ایشاں دو قدم راہ بود تا بہ حلب
بے سبب نیست اگر وہ ہمی اظہار کنند · بعد اوست چو در آیند ہجو نیز سبب
در محبت چو ذباب و بمروت زنبور · بسخاوت چو غراب و بشجاعت ارنب
جزو نظمے کہ کند خامہ آنہا تحریر · ہنر و ساطم آنرا ہمہ بینی اجرب
گر کشند از تن زارت چو شپش خوں بجبر · دیر ناید ز کف ایشاں چہ عجب جیب

کفش و پاجامه نماند به یکے از عجمے — لنگ و عمامه تمامی برد از اہل عرب
تا نمی زاد در دنیائے دنی کشمیری — کاش این قحبه سترون بدی ابلیس عرب

جواب زیرک

شیخ شیطاں که حزیں نام و خطابش آمد — در سخن یافت رسا جز و زبان تا منصب
ہیچ آئینه در چشم و نه بر رو دارد — خاک و ساخت مخمر ز پئے خجلت رب
قلتباں چوں نه دہد طاق عروساں ساماں — مہماں جفته زنانند بجو البش ہر شب
ہمچو پیکاں به دلش غیر دل آزاری نیست — چوں کماں خم نشود پیش کسے جز مطلب
خانه اش نے به فلک ہست نه بروئے زمیں — سر بسر خانه برانداز چو ابن اسقنب
ساکن دیر قدیم و زائر بتخانۂ ہند — غور کن بودن اورا به بنارس چه سبب
کیست در شیطنت اے شیخ بگو استادت — که عزازیل بود پیش تو طفل مکتب
فتنه بازاد به ایراں ز وجودت شاید — مادرت ام خبائث شد و چوں بنت عنب
چوں تو موذی نبرد راه دگر ره بوطن — ره بسوراخ نه دید است و تو ہستی عقرب
حرف بد جز به زبان و لب بد کے آید — بد اگر در حق نیکاں تو بگوئی چه عجب
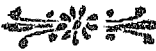
حرف سین

سب رنگ - قاضی عبدالمغنی نام تھا بدایوں کے رہنے والے تھے قمر صاحب کے شاگردوں میں تھے۔ ظرافت گوئی کا شوق تھا اور نہایت اچھے شعر اس رنگ میں نکال لیتے تھے۔ چند شعر مل سکے یہ ہیں۔

فضول کس لئے تکلیف ہو پکانے کی — لگاؤ تاک کہیں روٹیاں چرانے کی

اسی سے تو نے مرے دلمیں پھیر دی جھاڑو — تری نظر نہیں کنجی ہے مال خانے کی

اگرچہ گنج تو باقی نہیں ہے اب لیکن — ابھی تک آپکو عادت ہے سر کھجانے کی

وہ زندگی میں چرالے گئے تھے دل میرا — اب اُن کو فکر ہے میرا کفن چرانے کی

سنا ہے میں نے تمہیں اُلّو کاٹ کھاتے ہیں — یہی سزا ہے رقیبوں کے منھ لگانے کی

سنا ہے پیٹے ہیں آج اُن کے در دا ٹھا کر — مزا ملی انھیں سب رنگ کے ستانے کی

سجاد حسین - یہی مشہور معروف ذات تھی جنکی ادارت میں ہندوستان کا ہر دلعزیز ظریف اخبار اودھ پنچ سابق سنہ ۱۸۷۷ء سے سنہ ۱۹۱۲ء تک نہایت شان اور آن بان سے نکلتا رہا۔ منشی محمد سجاد حسین مرحوم کے والد منصور علیصاحب ڈپٹی کلکٹر تھے جو پنشن لینے کے بعد اک عرصہ دراز تک حیدرآباد میں سول جج کے عہدہ پر ممتاز رہے۔ منشی صاحب موصوف سنہ ۱۸۵۶ء میں بمقام کاکوری ضلع لکھنو پیدا ہوے اوائل عمر میں زیر نگرانی نواب فدا حسین صاحب لکھنؤ میں تعلیم پاتے رہے اور سنہ ۱۸۷۳ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کر کے کچھ دنوں تک کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف اے میں تعلیم پائی - مگر تعلیم سے دل اچاٹ ہو گیا۔ اسی لئے امتحان میں شریک ہوے

بتلاش معاش فیض آباد گئے۔ اور وہاں فوج میں اردو پڑھانے پر مقرر ہو گئے۔ لیکن طبیعت کو اس کام سے بھی کوئی خاص لگاؤ اور مناسبت نہ تھی۔ اس لئے چند ہی روز کے بعد اس شغل کو ترک کر کے منشی محفوظ علی صاحب کے مشورہ سے اودھ پنچ نکالنا شروع کیا۔ اور اس میں اپنی خداداد ذہانت سے وہ طباعی دکھائی کہ چند ہی روز میں یہ اخبار نہایت مقبول ہوا اور ایسے ایسے نامہ نگار آپ کو مل گئے جنھیں جانِ ظرافت کہنا کسی طرح سے بیجا نہیں ہے۔ مرزا مچھو بیگ ستم ظریف۔ تربھون ناتھ ہجر۔ نواب سید محمد خاں آزاد۔ سید اکبر حسین اکبر الٰہ آبادی منشی احمد علی شوق۔ منشی جوالا پرشاد برق۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار۔ منشی احمد علی کسمنڈوی ابو الکلام مولانا امید امیٹھوی وغیرہ وغیرہ۔ ان مضمون نگاروں نے اور بھی اخبار کو چار چاند لگا دیئے۔ اور انھیں کی بدولت آسمان شہرت آفتاب بنکر چمکا۔ اودھ پنچ نے زبان اور لٹریچر کی وہ گرانبہا قابل قدر خدمات انجام دیں کہ آج تک یادگار ہیں۔

اخبار کے علاوہ منشی صاحب موصوف نے چند ظریفانہ ناول بھی تصنیف کئے جو آج بھی دنیائے ظرافت کے لئے مایہ صد ناز ہیں۔ جن میں سے حاجی بغلول۔ احمق الذین۔ پیاری دنیا میٹھی چھری۔ قابل ذکر ہیں۔ رینالڈ کے ایک انگریزی ناول کا ترجمہ نہایت سلیس اور دلکش اُردو میں کیا۔ جسکا نام طلسمی فانوس ہے۔ گو یہ ناول ایک ترجمہ ہے۔ مگر طباعی اور ذہانت نے اس کو طبع زاد بنا دیا ہے ایک کتاب حیات شیخ چلی بھی نہایت دلچسپ آپ نے تصنیف فرمائی جسے ظریفانہ تاریخ میں ایک درجہ امتیاز حاصل ہے۔

منشی صاحب موصوف کو ایک مستقل شاعر کہنا زیادتی ہے۔ مگر اکثر جگہ اُن کی ذخار طبیعت سے نظم کے جواہر بھی نکل گئے ہیں۔ جو یقیناً ظرافت کے تاج کے لئے شاہوار موتیوں سے کم نہیں۔

آپ کی نثر کے فقرے۔ پھبتیاں بھی شعر سے کم نہیں ہیں۔ مگر ہم یہاں اُن کو نظرانداز کرتے ہیں اور صرف چند اشعار جو آپ کی تصانیف سے چنے ہیں درج کرتے ہیں۔

حیات شیخ چلی تمام ہوئی تو آپ نے یہ تاریخ لکھی ۔

چھپے ہیں قصے جو شوخیاں ہیں ہر طرف | ہیں جو ہر سو فی المثل فرخندگی

سال تاریخش جو ڈھونڈا ہاتف غیبی بگفت | شیخ چلی آگئے دنیا میں باسنجیدگی ۱۳۱۹

حاجی بغلول جب کنڈے والی پر عاشق ہوئے ہیں تو ہجر میں کچھ اشتیاقیہ شعر بغلول کی زبانی آپ نے لکھے ہیں ۔ ملاحظہ کیجئے ۔

مرے دل کے مونڈھے پہ بیٹھو صنم تم | تن زار گھنگر ٹھٹھیرا ہوا ہے

یاروں کو کیوں ہے واقعہ یہ کھیل ہو گیا | کیا امتحان عشق میں میں فیل ہو گیا

تن ہو گیا ہے سوکھ کے کانٹا ببول کا | اپنے تو حق میں عشق امر بیل ہو گیا

اسٹیشن عدم کو چلے ہم فراق میں | جانی تمہارا ہجر ہمیں ریل ہو گیا

دیوانی فوجداری سے جھگڑے ہیں عشق کے | بغلول کیا ڈرے گا اگر جیل ہو گیا

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند | دو ایک ہاتھ چاہ میں جب ڈول رہ گیا

پہونچا جب ان کے گاؤں میں تو وہ نکل گئے | منھ کھولے غم سے ہائے یہ بغلول رہ گیا

تالیوں ہم نے بطرز دگر ایجاد کیا | ساتھ سائیس کے بھی گاڑی میں پیدا کیا

بغلول کے تحت نامہ عامہ کا ایک شعر

سپردم آنکھیں مایۂ خویش را | وہ جانیں حساب کم و بیش را

حاجی صاحب جب مقدمہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو فرماتے ہیں ۔

عزیز وحق تعالیٰ کہہ رہا ہے | شرف جس نے عدالت کو دیا ہے

حاجی صاحب جب کڑھیا میں غرقاب ہو جاتے ہیں تو فرماتے ہیں ۔

ہوئے بیچ کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا ||| وہیں رہتے شل عینک کہ ہیں غائب کہتے

سخیؔ - تخلص سید پرورش علی نام - آپ کڑا ضلع الہ آباد کے باشندے اور سید جلال بخاری کی اولاد سے تھے - رند مشرب - آزاد مزاج - یار باش خوش خلق - پابند وضع آدمی تھے نماز روزہ کے پابند تھے - بھاکا اردو دونوں زبانوں کے شاعر تھے - بھاکا میں انور تخلص تھا اُردو کے کلام میں نہایت شستہ اور رفتہ ظرافت ہوتی تھی ۱۲۲۹ھ میں پیدا ہوئے اور پینسٹھ برس کی عمر پا کر ۱۲۹۳ھ میں وفات پائی - نمونہ کلام یہ ہے -

بوسہ بندہ سخی مانگتا ہے ||| ایک دیجئے گا تو دس پائیے گا

اتنا کہنا تھا کہ یوسف نہ کہو ||| گالیاں دیں سر بازار یہ کیا

کہاں دل کو گھر بے محل جائیگا ||| ابھی جھٹ پٹے میں نکل جائیے گا

مرے دل میں آئینے یہ فائدہ ہے ||| ذرا اور سانچے میں ڈھل جائیگا

شیخ جی کہتے ہیں غنا کو حرام ||| انسے پوچھو تو ہیں یہ گاتے کیا

سر جو ٹکراتا ہوں تو کہتے ہیں ||| میرے دیوار کا خدا حافظ

ایک میں جس کا نامۂ اعمال ||| دو فرشتے سیاہ کرتے ہیں

توبہ ہے شیخ جی بُرا نہ کہو ||| دیکھو وہ بت کہیں خدا ہی نہو

دل کھلو نہ نہیں جو کہتے ہو ||| ہم ہی لیں گے ہم ہی لینگے

سحرؔ مولوی - اودھ پنچ سابق کے ایک مضمون نگار ہیں جن کا نام اور حال معلوم نہیں غزل یہ ہے صنعت معرا عن المعنی میں کہی گئی ہے -

طباشیر سحر عکس بیاض رخ جاناں ہے ||| چاک خورشید عالمتاب کی تنویر خوباں ہے

الجھتی زلف لیلیٰ فام ہے شبدیز مجنوں پر ||| کہ ناقہ کو خیال لیلیٰ محشر خراماں ہے

نحافت میری پروردہ ہے کس انداز رعنا کی ‌ کہ مجھکو خواہش دید تغافل کیش ہر آں ہے
زبونی کش ہوا میں کب تحمل ہے نہانی کا ‌ مرا دل بھی گذرگاہ تجلی ہائے جاناں ہے
نہ کر منت کش تیغ ادائے یار عاشق کو ‌ کہ ہر اک لغزش دل پروردہ آغوش ارماں ہے
تمنائے مصیبت آزما کچھ اور کہتی ہے ‌ کہ وقف سادگی ہائے دل بیداد خوباں ہے
نہیں ہے رابطہ الفت کسی جز دو حسیناں سے ‌ کہ ہر اک بات میں اک راز اک انداز پنہاں ہے
میں احساں کش ہوں کیونکر تیرے لطف بے نہایت کا ‌ غم آوارگی ہائے صبا مجھکو فراواں ہے
وفا سے حسرت رنگیں بیاں سے عجب ارادت ہو ‌ تعجب کیا سحر گہ خار شبنم نکتہ سنجاں ہے

سرشار شیخ رمضان علی نام ہے سندیلہ کے رہنے والے ہیں۔ سید منصب علی صاحب ہنر تلمذ ہے۔ افیون کے متوالے ہیں اور اکثر اسی کی مدح میں شعر فرماتے ہیں۔ اب عمر تقریباً پچاس پچپن برس کی ہوگی تلاش کے بعد صرف دو شعر مل سکے وہ یہ ہیں۔

افیون پی کے کھائیں شیر کی ریوڑیاں ‌ کیا مکھیوں کے ٹھلے ہیں مجھ ناتواں پہ
ہمارے ساتھ بھی سامان کیا کیا پیش قیمت ہیں ‌ ادھر تھیلا ہے کولوں کا ادھر ڈبیا ہے افیوں کی

سرشار یعنی پنڈت رتن ناتھ سرشار مصنف فسانہ آزاد۔ سیر کہسار۔ جام سرشار وغیرہ آپ کے والد کا نام پنڈت بیجا دھر تھا۔ جو لکھنؤ کے ایک معزز کشمیری خاندان کے رکن تھے۔

سرشار مرحوم ظریف شاعر نہ تھے صرف نثار ظریف تھے۔ مگر روانی طبع میں اپنی نظموں میں وہ وہ چلبلے اور چٹکیلے شعر کہہ جاتے ہیں جو دوسروں سے بالارادہ کہنا بھی مشکل ہیں۔

اول اول میں اودھ پنچ میں ظریفانہ مضامین لکھتے تھے۔ اس اخبار سے بہت کچھ ان کی ظرافت نگاری کو ترقی ہوئی اور ایک عمدہ نثار ظریف کی قابلیت اس میں پیدا ہوگئی۔ مگر چند روز کے بعد اودھ پنچ کے نامہ نگاروں سے علیحدہ ہوگئے اور اودھ اخبار کی اڈیٹری کرلی۔ چونکہ

سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ اودھ اخبار پر ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے اور سرشار کو
جواب دینا پڑتا تھا اس لئے آخر میں دونوں صاحبوں کے تعلقات کچھ اچھے نہیں رہے تھے۔
مگر انصاف اور حقیقت یہ ہے کہ سرشار نے جو کچھ سیکھا وہ اودھ پنچ ہی سے سیکھا اور باوجود
اس کے کہ وہ شگفتہ بامحاورہ نثر لکھنے میں مشاق تھے۔ ہر طبقہ ہر فرقہ کے حالات اور محاورات
سے باخبر تھے۔ ظرافت نگاری ان کا جزو تحریر ہو گئی تھی۔ مگر سجاد حسین مرحوم کی ظرافت سے
اسکو ذرہ و آفتاب کی بھی نسبت نہیں ہے۔ رتن ناتھ سرشار جب ظرافت لکھتے ہیں۔ تو کچھ رسوم
ورواج کے نقشے کھینچکر کچھ محاکات پیدا کرتے ہیں کچھ اس فرقہ کے حالات لکھتے ہیں اور ان میں محاورات
کو داخل کرتے ہیں۔ کچھ اصطلاحات خاص لاتے ہیں۔ کچھ ضرب الامثال سے زینت کلام میں مدد
لیتے ہیں۔ کچھ ہنسنے ہنسانے والے الفاظ استعمال کرتے۔ کچھ کلام کو طول دیتے ہیں۔ کچھ
مشاہیر کے تڑپانے والے اشعار موقع بموقع لکھتے ہیں۔ تب کہیں جا کر عبارت میں ایک لطف
پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بھی ایک نقاد کی پہلی نظر نکتہ چیں کو آورد کا عیب صاف اور کھلا
ہوا نظر آتا ہے۔ اور دوسری نگاہ خوردہ بیں طوالت کلام کی وجہ سے ہر داستان کو سعدان
بن لند ہور کی داستان خیال کرتی ہے رنگین الفاظ کے قالب ظرافت کے نقش و نگار سے مزین اور
مزین معلوم ہوتے ہیں۔ مگر وہ نعمت چین سے زیادہ نہیں ہوتے نہ ان میں کوئی روح
ہے نہ جان ہے۔ عام نظروں کو دھوکہ دینے میں البتہ مدد کرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ پر
سجاد حسین مرحوم کی عبارت کو دیکھئے تو وہ عربی فارسی کے بلیغ اور وزنی الفاظ کی ثقالت
کے باوجود بھی اتنی رنگین ظرافت میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے کہ دیکھنے والے کو کوئی حصہ اور
کوئی بیرونی اور اندرونی پردہ اس سے خالی نظر نہیں آتا۔ غور کرنے پر اس کے لطف میں
برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک ایک سادہ فقرہ بھی ان تمام فرائض کو ادا کرتا ہے جنہیں
سرشار ایک ایک کر کے جمع کرتے ہیں۔ ایجاد۔ ایجاز۔ اختصار۔ فصاحت۔ بلاغت۔ ہر کیف
دوش بدوش نظر آتی ہیں۔ ایک ایک چبھتی ظرافت کے ایک ایک فقرہ کا جواب ہے۔

ہر فقرہ پکارتا ہے کہ جس جگہ میں ہوں اس کے لئے وضع ہوا ہوں - ہر جملہ بتاتا ہے کہ اس رنگ خاص کا میں ہی آغاز ہوں اور مجھی پر اس رنگ کا اختتام ہے - سجاد حسین مرحوم کی عبارت کا دیکھنے والا بیساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ ع بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری - راقم الحروف جب سجاد حسین کی کسی عبارت کو دیکھتا ہے تو نعمت خان عالی یاد آتا ہے - صرف زبان کا فرق رہتا ہے باقی کچھ نہیں - ہاں اس میں کلام نہیں کہ ان جواہرات کو جوہری ہی پرکھ سکتے ہیں یا ناشناسان ظاہر بیں اسکی بلاغتوں کو دیکھ نہیں سکتے - اسی لئے کہیں سجاد حسین کے مقابلہ پر سرشار کو ترجیح دیتے ہیں - اور کہیں کسی دوسرے کو - اس کے سوا کہ وہ اپنی پسند کے مختار ہیں عقل رسا - ذہن نقاد - ذوق سلیم - اُن کو مجبور محض بھی کہہ سکتا ہے - ایڈیٹر اودھ پنچ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اُن کا تبسم قہقہے کی حدود میں پہونچ جاتا ہے - مگر وہ یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ یہ تبسم اگر قہقہہ ہے تو اس سے ظرافتوں پر دوسرے خرمنوں پر بجلی گر جاتی ہے اور اگر تبسم ہے تو مزاج و مذاق کے ہرے بھرے چمن زار کو بھی یہی ایک غنچہ شرما دیتا ہے -

سرشار مرحوم نے پچپن چھپن برس کی عمر پا کر ۱۹۰۳ء میں بمقام حیدر آباد انتقال کیا شاعری میں منشی مظفر علی اسیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عقیدت رکھتے تھے - گو زیادہ کلام نہیں ملتا - مگر اُن کے متین کلام سے چند اشعار منتخب کر کے لکھتا ہوں -

از مثنوی تحفۂ سرشار

لندن کی پلا دو آتشہ مے — اے پیر مغاں کدھر چھپا ہے
دانا پلوا شراب اچھوتی — خوشبو خوش رنگ تیز چوکھی
کوثر کی کھنچی ہوئی ہے منظور — لیڈی وائن جسے پئے حور
بدمست ہوں پی کے ایک چلو — زاہد کو بنائیں خوب الو

تقویٰ کی کاشی کا کون مانے — لاکھوں میں اپنے کھلے خزانے

اے شیخ تجھے خدا کی سوگند — رندوں کی گرہ میں باندھ لے بند

لے منہ سے لگا لے جام بادہ — اک بوند بھی پی نہ پی زیادہ

کیوں شیخ کو اجتناب ہے یہ — کچھ زہر نہیں شراب ہے یہ

کیوں قبلہ اگر کوئی پری چھم — با ناز و کرشمہ و خم و چم

تجھ شوخ زپاے تا فرق — ہنستی کھلتی ہوئی انا البرق

پھڑکاتی ہوئی وہ بوٹی بوٹی — ابھرا سینہ کچوری چوٹی

پازیب کو خوب چھم چھماتی — پیاری پیاری پھبیں دکھاتی

اپنا کے سگلے کہے مری جان — جو کچھ کہوں مان لو میں قربان

پی لو یہ شراب پرتگالی — اٹھتی ہیں گھٹائیں کالی کالی

گورے ہاتھوں سے پی علی جان — میں صدقے لگا دو مجھکو اک پان

اس پان کو لے کے آپ کھاویں — بیٹھے بیٹھے مزے اوڑا دیں

ادھر ہم ہو دھر ہم ہو چپ ہو یا پاپ — جو کچھ کہے سب وہ کیجیے آپ

اور میں بھی کہوں اٹھا کے چلمن — تسلیم جناب قبلۂ من

ہٹ کے نشکلام پہ دھرم ہو — شب کو کھٹکن سے دھرم ہو

کھٹکن نہیں ہے دھرم کو کھٹکا — سیکھا اچھا ہے تم نے لٹکا

یار و دنیا سے دوں ہے کس کی — مسجد کی نہ ہیم کی نہ مس کی

جنٹل مینوں کو دے تو دسکی — کسکی رہی اور رہے گی کس کی

نیچرل شاعری کا بہترین نمونہ سرشار نے اس انداز سے دکھایا ہے کہ اُن جیسا ن بے خبر کو شرمانا چاہئے جو خواہ مخواہ ہر بے تکی بڑ کو شاعری سمجھکر اُسے نیچر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اے انجن ریل رہ نوردی — دے پھپھیہ جھکڑہ دو بردی
اے کاگ جہندہ لیمونیڈ — دے برق جہندۂ برگیڈ
اے رشک خرام ریل گاڑی — دے رد کش ٹانگن پہاڑی
اے در تگ و پو بر نگ دلدل — دے گولہ توپ جنگ کابل
اے تیر گمان ملک ایراں — دے برش خنجر صفاہاں
اے جوشش ابال گرم ہانڈی — دے قلقل بوتل برانڈی
اے ریگ روان دشت خفچاق — دے چنگاری سنگ چقماق

ایک اور ساقی نامہ ہے جو سرشار نے اپنے سب سے زیادہ دلچسپ ہیرو خوجی کے نام سے فسانہ آزاد کی جلد چہارم میں لکھا ہے۔ خوجی فسانہ آزاد میں وہی درجہ رکھتا ہے جو سجاد حسین مرحوم کے ناول حاجی بغلول میں خود بغلول اور حزقہ ریوڑی یا احمق الذین میں بھولے نواب۔ آپ ایک حماقت کی سربند پوٹ ہیں۔ جس کے کھولنے یا کھلنے پر انواع انواع کی غیر ضروری اور ضروری حماقتیں برآمد ہوتی ہیں اور جب خوجی کی ذات سے خوجی کی حماقتوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو وہ ایک حماقت سرا کی دلخوشکن اور مضحک تصویر بنکر رہجاتے ہیں۔ ساقی نامہ کی نقل یہ ہے۔

اے ساقی مشک رنگ شب فام — دے بھر کے افیم ناب کا جام
جب تک ہے بدن میں جان باقی — ٹپکا منہ میں افیم ساقی
چنیا بیگم کا عاشق زار — یعنی خواجہ بدیع بیمار
برسوں سے ترس رہا ہے ساقی — رہجائے یہ آرزو نہ باقی (خوجی)
ساقی قدح افیم دیدے — اور اس میں ملا کے نیم دیدے
نشے کے پینگ خوب بڑھجائیں — اور کڑوے کریلے نیم چڑھ جائیں
نشے میں جو کہنے بیٹھوں اشعار — پینک کا ہو دیو مجھپہ اسوار

کاغذ کا ورق سیاہ ہو جائے
دشمن میرا تباہ ہو جائے

سطریں ہوں رشک زلف خوباں
اور روکش کاکل حسیناں

ہر لفظ بنے جنبش کی دولھن
اور خواجہ بدیع شوہر ان

ساقی چینی کی پیالیاں لا
آب اسود کا جلوہ دکھلا

کر رحم بلا افیم چینی
نادرت بہ کشتم کہ نازنینی

ہونٹوں پر آ گئی مری جان
رنجم مفزا اے بادا دان

تو بے خبر اور میں ہوں رنجور
اس ملک کا کیا یہی ہے دستور

ہے میری دعا کہ خالق کن
برسائے تری دکان پر ہن

مجمع رہے وہاں افیمیوں کا
دل بادل چیونٹی مکھیوں کا

بیاری موت پر بلا ہے
بس اس کی افیم ہی دوا ہے

مرجاؤں گا گر نہ دے گا افیون
سوگند بذات پاک بیچون

پیاری ہے افیم جان و دل سے
پیاری ہے افیم تیرے تل سے

دوسرا ساقی نامہ بزبان خوجی (خواجہ بدیعا)

پلا ساقیا مالوے کی افیم
کہ ہے شوق گلگشت باغ نعیم

کرم کر ستمگر دل پہ مائی ڈیر
میں قربان جاؤں ذرا کم ہیر

پیاسا کئی دن کا ہوں ساقیا
چھلک آب اسود کی مجھکو دکھا

نہ مطرب نہ ساقی نہ مینا نہ چنگ
نہ چانڈو نہ افیون کا بجا نہ بنگ

جلائے دم واپسیں اے کریم
سر ہانے پہ کہہ قم باذن الافیم

نہ تاخیر کر ساقی مشک رنگ
پلا جام افیون ابھی بیدرنگ

دم پینک او غش ہے رنج و غم
پڑا ہوں پہ کلام فصیح عجم

کر اے ساقیا رحم بر حال سقیم
کہ ہستم اسیر کمند افیم

جو ٹپکے مرے منہ میں افیون ناب — تو کم ہو ذرا جوشش اضطراب

سخیاں ز افیون پر میخورند — سخیاں نبات و شکری خورند

نگہدار ما را ز راہ خطا — خطا در گذار و افیمم نما

ندارم بجز از تو فریاد رس — بدہ جام افیوں باقی ہوس

خراب و سیہ مست و تر دامنم — بدہ اوچیم اوچیم اوچیم

بدیعا بس اب روک لے اپنی زباں — دم صبح ہوتا ہے پینک کا یہاں

ایک جگہ خواجہ بدیع الزماں بدیعا معروف بہ خوجی ایک ڈاکٹر سے خفا ہیں تو فرماتے ہیں۔

خدا کی قسم سنکر کر شکر کر — قرولی سے خالی ہے میری کمر

ذرا پہنچے پاس ہوتا اگر — تو کچ کرکے میں پھونک دیتا جگر

جو پینک میں ہوتا نہیں بےخبر — تو بھٹے کی صورت اڑا دیتا سر

دو چار جگہ خواجہ بدیعا یعنی خوجی صاحب حلوائیوں کے ایسے پیچھے پڑے ہیں کہ اپنے تصور میں تمام حلوائی کی دوکان چٹ کر گئے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لی۔ اس رنگ کے شعر بھی دیکھئے۔

خواہش نہ قند کی ہے نہ خواہاں شکر کے ہیں — چسکے پڑے ہوئے تری میٹھی نظر کے ہیں

کھٹیاں وہ کھا کے رات کو اقرار سے ٹل گئے — افسوس مفلسی میں ہمارے دو دل گئے

رحم اے یار کرو گو ہیں گنہگار نہیں — ہم بھی اے غیرت شیریں ہیں فرہاد نہیں

کیا تری کاکل پیچاں کا کیا نظارہ — سو کمند اسے خیال کرتے ہیں گرفتار نہیں

بیچے حلوا سب کو گفتہ عجب ہے ہوشیار — ڈال لو شکر دہن لے کے بیمار نہیں

جسے پاس جو ہے گل کے لیے شیریں بھی — تم گل ہو چلے شکر خورد کی انتظار نہیں

کیوں زمانے میں مٹھائی ہوئی مہنگی اسکی — جابجا ہوتے ہیں مولو جو بازاروں میں
کیوں نہ عشاق رہیں چیونٹیوں کی صورت گرد — بدلے لونی کے ہے شکر تری دیواروں میں
عرق آلودہ وہ ابرو ہیں مزا ہے اے دل — ہے عوض آب کے شربت انہیں تلواروں میں
لب شیریں کی تیرے یوسف مصری کی طرح — دہوم ہے چاروں طرف مصر کے بازاروں میں
کیوں نہ باتوں میں ہوں حلاوت ہی حلاوت پیارے — صاف مصری کا مزا ہے تری گفتاروں میں

امتحان کو یہ کاری میں رہیں ثابت قدم — جو تیاں جسدن لگا کر چاہئے نان دیکھ لے

افیون کی کم میں یاں سے نکلے — تو قیر و گناہ دیکھئے گا
مزار کی اپنے افیم کا رنگ — سبحان اللہ دیکھئے گا

جبتک نہ دل کی بے کلی جاسے — او واتیرے واسطے گت چلی جائے

درِ بہشت آئی نظر جب تو یہ عاشق نے کہا — نشۂ افیوں کا بڑہا ہے یہ عمارت میری
کیوں نہ ستر کیا ہیں رہے گرد ہر اک افیونی — ڈہیر گنڈوں کا زمیں پر ہے کہ تربت میری
کہتا ہے خوانچہ فرنی کا کہ نبٹے کا طباق — ورق نقرہ سے کرے کوئی زینت میری
لوٹ سکتا نہیں افسوس تپا سا مجھسے — بہ گئی کہا کے مٹھائی پہ نزاکت میری
میں یہ سمجھا حبشی دیکھ کے حلوا سوہن — جلوہ دکھلاتی ہے شاید شبِ وصلت میری

مصری کی ڈلیا چلکے صنم نیچے افیم — ہے جا بے لطف کیسہ ہاں نیشکر کے ہیں

سرپٹ — محمد عباس نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں جناب قمر بدایونی سے اصلاح لیتے ہیں۔ نقد ظریف (جو قمر صاحب کے ظرافت گو شاگردوں کے کلام کا مجموعہ ہے) سے کلام کا انتخاب کیا گیا ہے۔ بجز نام کے دوسرے حالات سے اطلاع نہ ہو سکی۔

میں نے اس شان سے اُس شوخ کو اکثر دیکھا — ڈگڈگی ہاتھ میں اور ساتھ میں بندر دیکھا
بھونکتے کاٹتے اب تک نہیں دیکھا لیکن — موتتے میں نے انھیں ٹانگ اٹھا کر دیکھا ہے
آج تک میں نے کبھی نیم کی ڈنڈی کے سوا — ہاتھ میں اُن کے نہ شمشیر نہ خنجر دیکھا
کس طرف یار کو اب ڈھونڈنے جاؤں سرپٹ — ہم پلیس میں بھی گئی روز برابر دیکھا

خط لکھ کے کیا کرے کوئی اُنکی جناب میں — لاحول بھیجتے ہیں وہ خط کے جواب میں
ہر دن کی باندھ بوندھ سے اے خط نجات ہو — ہڑتال آپ کیوں نہ ملا لیں خضاب میں
وہ اس طرح تو عارضِ روشن دکھا چکے — ماچس ملے تو آگ لگا دوں نقاب میں
یہ کالے کالے تل رخ پر نور پر نہیں — کچھ مکھیاں بھنکتی ہیں چینی کی قاب میں
پینے کو دام گانٹھ گرہ میں نہیں رہے — اب بھیک مانگتے ہیں وہ جامِ شراب میں
آئندہ پیل سفت بھی بڑھ جائیں کیا عجب — بھینسے سے کم نہیں ہیں وہ عہدِ شباب میں

تڑپتا ہے دلِ وحشی مرا یوں اُنکی فرقت میں — کہ جیسے بانس کا کھپچا پھنسے کوئی نیستاں میں
تجھے سچ مچ کا یوسف کیوں نہ کر دوں دلِ ثانی — گرا دوں آج لیجا کر کسی ستے کی کنواں میں
کوئی تدبیرِ وصلِ یار بھی لکھتے تو ہم کہتے — چچا سعدی نے سب کچھ لکھ دیا اپنی گلستاں میں
منجھو کا ایک نسخہ میں جو سمرد مرتبہ اپنا — اب اُن سے کیا کہوں الٹا ہی ہمارا رنگ بچپن میں
وہ اپنے چھوٹے بھیا کو بھی اپنے ساتھ لاتے ہیں — کسے ترجیح دوں آخر میں لیبر اور شیطاں میں
تری یاد اس طرح آتی ہے دل میں اے مسیحا دم — کہ جیسے ڈاکٹر صبح کو آتا ہو زنداں میں

ملا دل ڈھونڈھنے کا خوب تم نے آج حسرت کو　　وہ کہتے ہیں جو ہم دیکھو ہماری زلف پیچاں میں

بڑھا کر نام لینا ہے تو یہ کہہ دو کہ مچھر ہو　　یہ کیا کہتے ہو تم ہر وقت دشمن سے کہ تم خر ہو

بڑا لے پر ہو مرگھٹ پر ہو جنگل کی سڑک پر ہو　　کہیں تو دید اُس اُلو کے پٹھے کی میسر ہو

کسی کم عمر سے قدر محبت ہو نہیں سکتی　　اگر ڈڑھیل ہو دلبر تو کم سے کم مچھندر ہو

الٰہی یوں نکالا جائے دشمن کوئے جاناں سے　　بغل میں بستر ہو اور گٹھا اُس کے سر پر ہو

تمہاری گول آنکھیں لال منہ اسٹول کی پھبک　　یہ سب باتیں بتاتی ہیں کہ تم دراصل بندر ہو

یہ کیا بندر کی صورت تم لائے ہو لاہے بیٹے　　ارے مرد خدا تم آدمی ہو یا قلندر ہو

عدو کے پیچھے پیچھے کیوں پھرا کرتے ہو پیر گو ہر　　خدا سمجھے تمہیں معشوق ہو یا اُس کے نوکر ہو

ستانے کا مزہ جبھی دکھا دو دل اسکو ستا　　جو میرے ہاتھ میں جوتا ہو اور اسکا گنجا سر ہو

وہ ننگے پاؤں آویں دھوتی رنگوا ل باندھے چھپکر　　ہمارے سامنے یا الٰہی لوٹ پٹا ہو چیتھڑ

مسٹر کوپ — دور موجودہ کے ایک خوش مذاق شاعر ہیں پوربی زبان کے گنواروں کی بولی میں شعر کہنے کی مہارت ہے چنانچہ اشعار ذیل انھی کا ٹپ کے ہیں ۔

ہم کا بتائی بات ہے کا ہمرے یار ماں　　مارو تو موت مارے ہی جھٹ سے ازار ماں

کیا بتائیں　　میں　　ازار

سب ناچگا سے دیتا ہیں چرچرا سے کے　　لیٹا کرب نہ آج سے سارے بیار ماں

پتیال

موڑے پہ اسکا رکھ کے ٹرنی چھپاک جات　　لگا جو کو تو روح اکیلا بچار ماں

گردن پہ　　اسکو　　نکلیا جو کسیان

کرتا ہے رنگ ایسے مرے بانکے یار کا　　ہوئی جاسے رات دن کا جو نکلے بیار ماں

کالا　　ایسا　　دن کو

دو دو دن سے ہکا دیکھ کے وہ بڑبڑانے لاگ — چلائے دیبے تنکو جو چھیڑ یو بچارماں

چلائے دیتے ہیں تھوڑا سا

دو دئی دانت گھس گئے نکسا لہو ہائے باپ — دانتن سے ایسے جو رہاں کاٹس بیاریاں

نکلا — زور کاٹا

مارے ڈرن کے بھاگ گیوں لیکے اپنی جان — دیکھوں لہو بھرا جو ہیں اسکی کٹاریاں

کرمن سے جہہ کا ڈیل ملا جیسے تاڑ سا — وہ یار چھپ سکت ہے بھلا کن بچاریاں

بھیتر اندھیری کٹھری ماں ہکا لٹائے کے — گھنٹن سے لاگ ہے سر آپن سنگاریاں

سرکو بتا راوٹا کرت ہے سکار تک — موتی پروت ہے جو وہ چھوٹے ہے باریاں

صبح — سر کے بال میں

سعدی - آپ کا اسم گرامی مصلح الدین تھا - مگر تحقیقات جدید کے مطابق معلوم ہوا ہے کہ شمس الدین آپ کا اصل نام تھا - بہر صورت آپ نام کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے تخلص کے ساتھ اسقدر مشہور ہوئے کہ آج دنیا کا بچہ بچہ آپ کو جانتا ہے یا کم از کم آپ کے تخلص سے آشنا ہے - بہت سے بزرگوں کا قول ہے کہ جو مقبولیت اور جو شہرت آپ کے کلام کو ہوئی وہ دنیا میں کم کسی کو نصیب ہوئی - آپ کی تعریف - اور آپ کے احوال کا لکھنا تحصیل حاصل ہے ہر شخص آپ کے کمال علمی سے واقف ہے - آپ جسطرح ہر صنف اور ہر رنگ کلام کے بادشاہ تھے اسی طرح صنف ظرافت کے استاد کامل تھے - اگرچہ ہزل و ظرافت سعدی کے نام کے ساتھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں مگر میں نے ایک قدیم نسخہ میں یہ عبارت دیکھی - کہ حضرت نے خود فرمایا ہے - کہ مجھے بعض امراء ایک نے دھمکی دی کہ تم ظرافت لکھو - مگر میں نے انکار کیا - یہاں تک کہ میرے قتل پر آمادہ ہو گئے - تب میں نے یہ ظرافت اور ہزل لکھی ہے - اگر سعدی یہ بھی نہ لکھتے تب بھی قابل الزام نہ تھے - کیونکہ بہت سے لوگوں کے نزدیک اُن کے کمال کو مکمل اور مسلم کرنے والی یہی دو چیزیں ہیں -

باب پنجم گلستاں در عشق و جوانی - اور ہزلیات

اُن کی ہزلیات رنگ زمانہ کے موافق سیکڑوں جگہ درجۂ فحش تک پہونچ گئی ہیں - مگر
اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ وہ جس رنگ میں ہیں ممتنع الجواب ہیں - بہت سی ظرافتیں ایسی ہیں
جنکی تہ میں ظرافت کے ساتھ نصیحت کے بیش بہا جواہر نظر آتے ہیں - بہت سی جگہ الفاظ [illegible]
ہیں مگر ایک ایک لفظ میں تنو تنو زعفران زار پوشیدہ ہیں اور ایک ایک سطر دیوارِ قہقہہ کا
جواب ہے - میں کوشش کروں گا کہ اُن کی ہر رنگ کی ظرافت سے کچھ کچھ انتخاب کرکے
لکھدوں - ملاحظہ فرمائیے -

زمانہ کے رجحانِ طبیعت کو دیکھتے ہوئے انھوں نے نوکر و غلام کے لئے یہ قید لگادی ہے

غلام آبکش باید و خشت زن بود بندہ نازنیں مشت زن

لطیفہ - ایک مرتبہ رات کے وقت آپ کا معشوق آیا - گھبراتے ہوئے اُٹھے چراغ
آستین سے بجھ گیا - وہ بگڑ گیا - اور چراغ بجھنا سخت برا معلوم ہوا - کہا کہ سعدی تم نے یہ کیا
حرکت کی کہ میرے آتے ہی چراغ بجھا دیا - آپ نے فی البدیہہ یہ قطعہ پڑھکر سنایا -

چوں گرانے بہ پیش شمع آید خیزش اندر میان جمع بکش
ور شکر خندہ ایست شیریں لب آستینش بگیر و شمع بکش

یعنی جب کوئی ایسا شخص شمع کے سامنے آئے کہ اسکا دیکھنا دل پر ایک گرانی کرے تو
ممکن ہو تو اٹھکر اس کو مار ڈال اور اگر کوئی معشوق ہے تو اسکی آستین پکڑ اور شمع کو مار ڈال -
یعنی بجھادے -

لطیفہ - ایک مرتبہ آپکا ایک محبوب یا معشوق سے کچھ جھگڑا ہوگیا - اور نوبت یہانتک
پہونچی کہ وہ ان کو چھوڑ کر چلدیا جدائی کے مصائب نے انھیں بہت پریشان کیا - مگر کیا کرتے مجبور ہوگئے
مدت کے بعد ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ وہ واپس آگیا - مگر اب وہ زمانہ حسن و شباب کا باقی نہ رہا تھا
ڈاڑھی مونچھیں نکل آئی تھیں اور وہ بہار زمانہ خزاں سے مبتل ہوگیا تھا - اب وہ نخرے

اور کرشمے ناز و انداز رخصت ہو گئے تھے۔ وہ حسب دستور ان کے پاس بھی ملنے کے لئے آیا۔ بادل ناخواستہ بغلگیر ہوئے۔ اور ہنسکر یہ قطعہ پڑھا۔

آمد وقتے کہ خط شاہد ما بود / صاحب نظر از نظر براندی

امروز بیامدی بہ صلحش / کش فتنہ و ضمہ برنشاندی

تازہ بہار تو کنون زرد شد / دیگ منہ کآتش ما سرد شد

چند خرامی و تکبر کنی / دولت پارینہ تصور کنی

پیش کسے رو کہ خریدار تست / ناز بر آن کن کہ طلبگار تست

معشوق کے سبزۂ خط پر آوازے کستے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔

سبزہ در باغ گفتہ اند خوش است / داند آنکس کہ این سخن گوید

یعنی از روے نیکوان خط سبز / دل عشاق بیشتر جوید

بوستان تو گندنا زاریست / بسکہ بر میکنی و میروید

پھر کہتے ہیں۔

گر دست بجان داشتمی ہمچو تو ریش / نگذاشتمی تا بہ قیامت کہ برآید

پھر کبھی جی سیر نہیں ہوتا تو ایک پھبتی بھی کہہ ڈالتے ہیں جو اردو میں یوں کہی جائیگی چاند کو چیونٹے چمٹے ہیں۔

سوال کردم و گفتم جمال روے ترا / چہ شد کہ مورچہ برگرد ماہ جوشیدست

ایک جگہ تجربہ کی بنا پر لکھتے ہیں۔

امرد آنگہ کہ خوب و شیرین است / تلخ گفتار و تند خوے بود

چون بریش آمد و بلا فتنہ شد / مردم آمیز و مہر جوے بود

ایک جگہ بڈھوں کی مذمت میں لکھتے ہیں۔ کہ ان سے نوجوان بیویاں خوش

نہیں رہ سکتیں ۔

پیری کہ ز جای خویش نتواند خاست   الا بہ عصا کیش عصا برخیزد

لطیفہ ۔ ایک بڈھے نے ایک نوجوان عورت گوہر نامی سے شادی کی ۔ مگر بوجہ ضعف کے یہ اپنی بیوی کو خوش نہیں رکھ سکتے تھے ۔ آخرکار دونوں میں جنگ ہوئی ۔ اور دن رات لڑائی جھگڑا رہنے لگا ۔ عورت نے علیحدگی اور طلاق کی عرضی قاضی کے یہاں دی ۔ بڈھے نے سر عدالت عورت کی بڑی مذمت کی ۔ اتفاق سے سعدی بھی وہاں موجود تھے آپ نے ایک بات کہکر فیصلہ کر دیا ۔ پوری حکایت ہے ۔

شنیدہ ام کہ دریں روزہا کہن پیری   خیال بست بہ پیرانہ سر کہ گیرد جفت
بخواست دخترکی خوبروی گوہر نام   چو درج گوہرش از چشم مردمان بنہفت
چنانکہ رسم عروسی بود تماشا کرد   ولی بہ حملۂ اول عصای شیخ بخفت
کمان کشید و نزد بر ہدف کہ نتوان دوخت   مگر بہ سوزن فولاد جامۂ ہنگفت
بہ دوستان گلہ آغاز کرد و حجت ساخت   کہ خان و مان من این شوخ دیدہ پاک برفت
میان شوہر و زن جنگ و فتنہ خاست چنان   کہ سر بہ شحنہ و قاضی کشید و سعدی گفت
پس از ملامت و شنعت گناہ دختر نیست   ترا کہ دست بلرزد گہر چہ دانی سفت

یہ ظرافتیں ہیں جو اُن کے کلام نظم و نثر میں زیادہ سے زیادہ پائی جاتی ہیں ۔ مگر ہزلیات جو از سرتاپا شوخی اور شرارت سے بھری ہوئی ہیں اُن میں حد سے گزر کر اکثر جگہ فحش کی حدود میں پہونچ گئے ہیں ۔ اس لئے انتخاب بھی نہایت دشوار ہو گیا ہے پھر بھی چند شعر انتخاب کرکے پیش کرتا ہوں ۔

آن شیفتہ را چو باد در پا افتاد   آن گنبد سیم رنگ در دو بباد
از ہر منارہ زاویہ وقف نکرد   ہمسایہ بہ خدای کس را دہ باد
آن عہد بیاد داری و دولت شاد   کز عاشق بیچارہ نمی کردی یاد

آں روز کہ بختی کہ کس چو تو نبود　　　وامروز بیا مدی کہ کس چو تو مباد

ایں ریش تو سخت دیر بر می آید　　　موئے ز نخت بزیر بر می آید
با اینہمہ چوں .... ن قوی آرم یاد　　　آیم بدہاں .... بر می آید

مردکے غرقہ بود در جیحوں　　　از سمرقند بود پندارم
بانگ میکرد و زار مینالید　　　کاسے دریغا کلاہ و دستارم

ایک مرتبہ ایک کریہ الصوت حافظ کو قرآن پڑھتے دیکھا تو فوراً یہ شعر پڑھے

گر تو قرآں بدیں نمط خوانی　　　ببری رونقِ مسلمانی

خدایں حافظانِ ناخوش آواز　　　بیا مرزد اگر سالے نخوانند

قلم بیاد تو درشت کس نمی گنجد　　　کہ در شمار کہ در یاست ایں و اُمید
ترا دوات سیہ کرد روزگار ہنوز　　　مرا ز چشم قلم میرود مداد سفید

حریف عمر بسر بردہ در فسوق و فجور　　　بوقت عمر پشیماں ہمی خورد سوگند
کہ توبہ کردم و دیگر گنہ نخواہم کرد　　　تو خود دگر نتوانی بریش خویش مخند

دلو گر صومعہ داری کند اندر ملکوت　　　ہمچو ابلیس ہماں طینت ماضی وارد
ناکس است آنکہ بہ پیراہہ و دستار کس است　　　دزد دزد است اگر جامہ قاضی دارد

امردے کانرا پلاسے در براست　　خوش بود از دخترے در چادرے

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد　　چوں باز کنی مادر مادر باشد

زربا مردکسے دہد بہ گزاف　　کہ نداند شریعت زردشت

دو منظور موافق روے درہم　　چہ خوش باشند ہم زانو وہمدم
ہرانچہ آنرا بود ایں را مہیا　　ہرانچہ ایں را بود آنرا مسلم
رفیق و حجرہ و گرمابہ و کوے　　بصحرا باہم و در خانہ درہم
مقدم در موخر بردہ تا ناف　　دگربار ایں موخر آں مقدم
گر ایں حرفہ نگہداری ہمہ عمر　　نہ دینارت زیاں باشد نہ درہم
من ایں پاکیزہ رویاں دوستارم　　اگر دشمن شوندم خلق عالم
عروسان مقنع بے شمارند　　عروسے را بدست آور مہمم
کہ گر بیروں کنی شلوارش از پاے　　تو پنداری کہ خرواریست شلغم
حجاب نام و ننگ از پیش بردار　　کہ محرم را نپوشانند ز محرم
اگر محکم بہ بندی عقد شلوار　　ہنوزت عقد صحبت نیست محکم
وصال دوستاں میخ است دیوار　　حدیث دشمناں باد است و پرچم
ہرآں کز پشت آدم زاد ناچار　　رود بر پشت فرزندان آدم
طریقت خواہی از سعدی بیاموز　　رہ ایں است اے برادر تا جہنم

ندیدم امردے سی سالہ چوں تو در اسلام　　کہ فتنہاے چنیں آخر الزماں باشد

اگر دوست تو یک ہفتہ قفا بندد　　ہفتۂ دگرت ریش تا میان باشد

اے خواجہ اگر با خرد و تمکینی　　جز جلق زدن کار دگر نگزینی
چہ خوشتر ازاں بود کہ ہنگام جماع　　تا خایہ فرد بری سرشش را بینی

مرکب از بہر راحتے باشد　　بندہ از اسپ خویش در رنج است
گوشت قطعاً بر استخوانش نیست　　راست مانند اسپ شطرنج است

سگ - ایک شخص قزوینی کا تخلص ہے جو شاہ عباس صفوی کے دربار میں ظرفا کے زمرہ میں ملازم تھا نہایت بے ادب گستاخ اور شوخ مزاج واقع ہوا تھا۔ ایک مرتبہ عیسیٰ خاں قورچی باشی اُس کے دروازہ سے گزر رہا تھا۔ اس کے بٹھانے سے تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گیا۔ اتفاق سے میاں سگ کے دروازہ پر ایک کتا سوتا تھا۔ عیسیٰ خاں نے پوچھا کہ یہ آپ کے یہاں کس عہدہ پر ملازم ہے۔ جواب دیا کہ قورچی باشی پر۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا۔ افسوس کہ ظریفانہ رنگ کے اشعار نہ مل سکے صرف ایک شعر سادہ ملا

بسحر آمدم بہ کویت بشکار رفتہ بودی　　تو کہ سگ نبردہ بودی بچہ کار رفتہ بودی

سگ کے متعلق بہت سے لطائف و ظرائف درج کئے گئے ہیں مگر اکثر اُن میں سے غیر مہذب ہیں اور بعض ہمارے تذکرہ کے منافی ہیں لہذا قلم انداز کر دیئے گئے

سوختہ آپ کا نام میر حسین کشمیری الاصل ہیں اور دور موجودہ کے ایک خوش مذاق خوش فکر ظرافت گو ہیں۔ علاوہ شاعری کے آپ ایک معزز اور موقر اہل قلم ہیں

چنانچہ ضیافت پنچ لاہور مدتوں تک آپ کی ایڈیٹری میں نکلتا رہا آپ نے اپنی ظریفانہ شاعری کا ایک دائرہ مقرر کر لیا ہے اشتہا کی طرح کبھی کلو واشر بولے باہر قدم نہیں رکھتے - ایک ایک شعر اشتہا انگیز اور آتش معدہ کو تیز کرنے والا ہوتا ہے - نمونۂ کلام یہ ہے

بحر قلزم جو بہے چائے کا دریا ہو کر
عکس خورشید نظر آئے کلیجا ہو کر

اترے مہتاب زمیں پر جو پراٹھا ہو کر
انجم چرخ برس آئے پکوڑا ہو کر

شوربا قاب میں بہتا ہو جو دریا ہو کر
حلق لبیک کہے کیوں نہ کشادہ ہو کر

لطف کھانے کا جو آیا ابھی تو بھوکا ہو کر
سوکھی روٹی بھی گئی حلق میں حلوا ہو کر

اے طبیبو کوئی تدیبر بتا دو ایسی
چائے نسخہ میں لکھی جائے نفشا ہو کر

کوفتے خواب میں بھی جو تو بہم کھالے
توڑ دیں تپ کو تری آلو بخارا ہو کر

عقد بریانی کا جس وقت مطنجن سے ہوا
کٹ گئے متت وہاں سیخ چھوہارا ہو کر

فرنیا قاب میں کی پر لے اتنی زاری
کھل گئی ریش بچارے کی بتاشا ہو کر

نوع اجناس کو حاصل ہوا پہلو بخات
پہلوے دیگ میں جل جل کے ہریسا ہو کر

اپنی ہستی سے گزر جائے جو دنیا میں فرشع
قدر شلغم کی ہوئی دیگ میں کشتا ہو کر

ہو نہ مغرور سر دار پہ چڑھ کر منصور
چڑھ گئے سیکڑوں یاں سیخ پہ قیما ہو کر

خشک سالی میں نہ کہ سوختہ اسپ پلاؤ
پس گئے سیکڑوں اس آس میں دلیا ہو کر

سفلی - عنایت خاں نام کالے خاں عرف تھا - نہایت بذلہ سنج اور لطیفہ گو تھے آگرے کے رہنے والے تھے - ہزل گوئی کا شوق تھا - اور اسی میں کافی مشہور ہو چکے تھے - عرائض نویسی سے اوقات بسر کرتے تھے نہایت حاضر جواب - خندہ پیشانی - زندہ دل لوگوں میں تھے - باتیں کرتے تو معلوم ہوتا کہ منہ سے پھول جھڑتے ہیں اسی ظرافت کی بدولت راجہ بلوان سنگھ کاشی کے دربار تک پہونچے - مولوی نیاز علی پریشان نے جو آگرہ میں ۱۸۶۲ء

میں مشاعرے کئے اُن میں شرکت کرتے تھے اور اُس وقت اُن کی عمر چالیس برس کی تھی تنگدست تھے مگر زندہ دلی اور آن بان میں کبھی فرق نہ آنے دیتے تھے - مرزا مہر اکبرآبادی کے شرف تلمذ سے بہرہ یاب تھے ظرافت میں وہ وہ باتیں نکالتے تھے کہ بے اختیار داد دینا پڑتی تھی مختلف اخباروں میں کلام شائع ہوتا رہتا تھا آخرکار ۱۸۹۶ء میں دنیائے فانی کو خیرباد کہا - دیوان مرتب ہو چکا تھا - مگر وہ شاید طبع نہیں ہوا اس لئے کلام کمیاب بلکہ نایاب ہو گیا - جو شعر مل سکے وہ درج کئے جاتے ہیں -

راہ وا رے ملک الموت تری باریکی — گھس گیا ناک میں نمرود کی مچھر ہو کر

معشوق بچہ زاد سے سفلی خدا بچائے — کیا انتشار ہوتا ہے کل مل کو دیکھکر

میں اپنی ناتوانی پہ روتا ہوں اسلیئے — اب لوگ دیکھتے مجھے عینک لگا کے ہیں

بادہ پیوں کہاں سے میں فصل بہار میں — نقدی تھی جسقدر وہ گئی سب اُدھار میں

انگور تر میں ہے نہ وہ لذت انار میں — منعم مزا ہے جو مری میٹھی جوار میں

اے گل ترے فراق میں کانٹا سا ہو گیا — مجھ سے زیادہ بوجھ ہے پھولوں کے ہار میں

عروضی خردہ گیر شاعران باصفا ٹھہرے — وہابی جسطرح سے عیب جوئے اولیا ٹھہرے

کہا کرتے ہیں فاسق میکشوں کو حضرت واعظ — بڑی داڑھی بڑھا کر یہ بڑے اک پارسا ٹھہرے

نکالو گھر سے ایسی چوٹی ماما کا کالا منھ — کہ جسکے پر نہ بیلیں اور نہ چولھے پر توا ٹھہرے

کریں اشراف کیا فرمائیے اس قحط سالی میں — نہیں تا بدن پر اور پابند قبا ٹھہرے

چڑھاؤ گل مرے مرقد پہ اے گل اندامو — پہ اپنے گالکے لیجاؤ زمیں خال کیلئے

بتاؤ مجھکو کفنگیر و کدھر گئے میکش — بھٹکتا پھرتا ہوں میں اپنے کارواں کیلئے

آیا صاحب کے میم کے مس کے — دل اٹھاؤں میں ناز کس کس کے

سودا - یعنی مرزا محمد رفیع سودا جنکی شہرہ بیانی کی چار دانگ عالم میں دھوم ہے

جن کی ہجو نگاری نے اپنے معاصرین کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ ان کے والد کا نام مرزا محمد شفیع تھا جو کابل سے دہلی میں آ بسے تھے۔ اور پیشہ تجارت سے بسر اوقات کرتے تھے ۱۱۲۵ھ میں سودا کی ولادت ہوئی۔ اور زمانہ کے دستور کے موافق تعلیم حاصل کرنے کے بعد شعر و شاعری کا شوق ہوا۔ شاہ حاتم کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ اپنے وقت کے مشاہیر اور اکابر شعراء سے معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں۔ اور دلی کے کوچہ کوچہ میں ان کی ہجویں مشہور ہو گئیں۔ مگر چونکہ خاندان تیموریہ کا چراغ اقبال برائے نام چل رہا تھا۔ اس میں روشنی بالکل باقی نہ رہی تھی۔ عروج کے درخت کی جڑ میں دیمک لگ گئی تھی۔ اس لئے قدر دان ناپید تھے۔ اہل کمال پریشان اور خستہ حال تھے۔ ادھر یہ عالم ادھر امرا و وزرا کا یہ زور شور یہ رنگ تھا کہ سلطنت کے مالک بن بیٹھے تھے۔ چنانچہ لکھنؤ میں وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر کا دور دورہ تھا ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے باکمال ادھر ہی کھنچے چلے آ رہے تھے میرزا سودا کو بھی مجبوراً ادھر کا رخ کرنا پڑا۔ فرخ آباد ہوتے ہوئے یہاں آئے قدر دانوں اور اہل کمال نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور خوبی قسمت نے چند روز کے بعد نواب کے دربار تک پہونچا دیا خطاب ملک الشعرائی جس کے صحیح طور پر وہ مستحق تھے شاہ عالم کے دربار سے پا چکے تھے۔ یہاں اسی کے مطابق عزت افزائی ہوتی رہی۔ انھوں نے بھی ایسے ایسے قصیدے نواب بہادر کی تعریف میں لکھے جو آج تک گل سر سبد معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی معلومات شاعرانہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا ایک ایک اعتراض کے سو سو جوابات دیتے تھے۔ جو آجتک اُن کے دیوان میں موجود ہیں اور انھیں سے اُن کی ظریفت المزاجی اور بذلہ سنجی کا پتہ چلتا ہے۔ جو آگے چلکر ہم درج کریں گے۔ سودا عالم شباب سے پیری تک لکھنؤ میں رہے۔ اور ۱۱۹۵ھ میں یہیں پیوند خاک ہو گئے۔

میر ضاحک جو میر انیس کے پردادا تھے ان کے زبردست حریف تھے۔ خدا معلوم کس بات پر چل گئی تھی کہ ادھر اور ادھر دونوں طرف سے ہجوؤں کی بھرمار رہتی تھی۔ مگر

زمانہ نے میر ضاحک کی محنت کو خاک میں ملا دیا سودا کی کہی ہوئی ہجویں اب تک موجود ہیں۔ چنانچہ یہ ترجیع بند میر ضاحک کی ہجو میں ہے۔

جا صبا ضاحک سے کہہ بعد از سلام ۔۔۔ کیوں کیا کرتا ہے ہجو خاص و عام
آپ کو کہتا ہے تو سید ہوں میں ۔۔۔ جد مرا پوچھو تو ہے خیر الانام
پس دکھا تو اب کسیکی ہجو میں ۔۔۔ ہو اگر ختم رسالت کا کلام
کون ہے تیری سیادت کا مقر ۔۔۔ جانتے ہیں خاص سے لے تا عوام
تیرے والد کو ہوئی تپ ایکسال ۔۔۔ تب حکیموں نے یہ تشخیص تمام
دق سمجھکر یہ دوا تجویز کی ۔۔۔ شیر خر با قرص کافور ایکدام
مول لے ایک مادہ خر پینے لگا ۔۔۔ ہر سحر اس شیر خر کا بھر کے جام
آخر کار اس مرض کے بھی لئے ۔۔۔ وہ جو مادہ خر تھی اسکی آئی کام

ریم سوزاک پدر ہے تو شریر
رحم مادر سے اُلٹ نکلا ہو میر

حسن تو تک لے نصف انسان نصف خر ۔۔۔ ہمنے کیا سید نہیں دیکھے مگر
جنبش وکم تجھ میں نہ دیکھا عقل و حمق ۔۔۔ نطفہ کی ترکیب کا ہے یہ اثر
گھر سے اپنے کھا کے جاوے جبکہ ہاں ۔۔۔ جاتے ہی مانگے ہے اس سے ماحضر
عقل کہتی ہے کہ کھالے پر نہ کھا ۔۔۔ حمق کہتا ہے کہ جیضے سے نہ ڈر
سید لے میر مثلث آپ کو ۔۔۔ کہنا آنا ہو کے بے خوف و خطر

ریم سوزاک پدر ہے تو شریر
رحم مادر سے اُلٹ نکلا ہو میر

ایک دوسری ہجو جو میر ضاحک کے متعلق لکھی ہے دیکھئے۔ متانت پناہ مانگتی ہے ظرافت انگشت بدنداں ہے۔

ضاحک کی اہلیہ نے ڈھول اپنے گھر دھروایا ۔ یوں چھ رات ساری ہمسایوں کو جگایا
بیٹھک میں بیٹھ بڈھے چونٹے کو جب پایا ۔ تب شیخ سدو اس پر غصہ کو کھاکے آیا
بولا کہ کیوں بے ضاحک بکرا کوئی منگایا

ضاحک نے تب کہا یوں تم نے زباں نکالی ۔ بے آج کو کہا ہے کل دوگے مجھکو گالی
بکرے کی شکل یا تو نے گوری ہے نہ کالی ۔ بی بی کو اور تم کو گھر دیا ہے خالی
بکرا وہ دے گی تمکو جن نے کہ سر چڑھایا

میراں یہ سن کے بولے پھر کہیو کیا کہا جی ۔ میں اس سوا نہیں کچھ اور حرف جانتا جی
بکرا اگر نہ آیا چھوڑوں گا کر چچا جی ۔ گالی تو اک طرف ہے یہ سن رکھو بچا جی
آگے ہے ڈھول دہیا میں تم کو کہہ سنایا

ضاحک نے تب کہا یوں مجھ پہ پاس ہے کوڑی ۔ گڑ کے تو گلگلے ہیں اور تیل کی پکوڑی
میٹھا کرو جو منہ کو دھیلے کی ہیں گنڈوڑی ۔ تب شیخ سدو بولا سنتا ہے اے نگوڑی
بھینسا ہی لیکے چھوڑوں خاطر میں کیا تو لایا

دمڑی میں منہ کو میٹھا تجھ سے کہاں ہے کرنا ۔ دو تیل کے پکوڑے آگے ہمارے دھرنا
گاوے اپنی پر مند یکھا بھس کا ہمارے بھرنا ۔ بکرا نہ لوں نہ بھینسا پر جی چاہوں تو آرنا
تب جانے گا تو بھڑوے پیروں کو میں منایا

بڑھاپے کی شادی پر ایک مخمس لکھا ہے جس سے ان کی انتہائی ظرافت کا پتہ چلتا ہے دیکھئے ۔

نائن کہے ہے شرم سے دولھا ہی سر نگوں ۔ اب کیونکہ تیل روئے مقدس کی میں ملوں
شانہ کروں میں ریش کو یا وسمہ سے رنگوں ۔ جی کی امان پاؤں تو کیا بات میں کہوں
منہ کو کلنگ اپنے لگاتے ہیں شیخ جی

القصہ شیخ جی کی جو حرمت خدا رکھے ۔ بارہ برس کی چھوکری یا جا بجا تے للے

آئے دولھن کے گھر سے جو مقنع میں چھپائے — جیسا ہمارے کنبے کو خاطر میں وہ نہ لائے

اپنے کئے کو تیسا ہی پاتے ہیں شیخ جی

تھے بسکہ شیخ بات سے دنیا کی پاک صاف — سو اک لیکے جورو سے کرنے لگے زفاف

اُن نے تب اپنی چوٹی سے یہ کھولکر مباف — مشکیں انھوں کی جکڑ کے کہا کیجے معاف

مجھکو تو کچھ ولی نظر آتے ہیں شیخ جی

لایا غضب ہیں شیخ کو گھر کا یہ بندوبست — مشکیں تڑا ایلچ گئے جورو سے کرکے جست

بال اسکے اُن کے ہاتھ پہ ریش انکی اسکے دست — عہدے سے بر نہ آسکے تھے از بس ضعیف و پست

پاپوشیں تب سے جورو کی کھاتے ہیں شیخ جی

جورو سے شیخ جی کو صحبت ہے اب مدام — بھڑوا مسخرا و مچھندر رہے ان کا نام

خلوت میں جب بلاتے ہیں اسکو وقت شام — دیتی ہے تب وہ بھیجکے لوگوں سے یہ پیام

بیٹی کو اپنی کیوں یہ بلاتے ہیں شیخ جی

یہ تو ہیں بڈھے خرس وہ ہے شوخ و چنچلی — ماری کبھو تو دھول کبھی داڑھی ایچ لی

ان کو تو جانتی ہے کہ ہیں شیخوں میں ولی — کھلتی ہے ان کی جورو کی تب اس طرح کلی

پھولے نہیں بدن میں سماتے ہیں شیخ جی

جب دیکھتی ہے وہ کہ ہے برسات کی ہوا — دس بیس دن جھڑی کو ہوئے مینہ نہیں کھلا

آتی ہے اُن کے پاس لیے تیل اور توا — کہتی ہے یہ نہ مانئے گا آپ اب بُرا

ہم تمکو شیخ دونہ بناتے ہیں شیخ جی

جب گج نگو بہن کے چلے ہی لٹکتی چال — آتا ہے شیخ جی کے تئیں اس سدا اچال

عمامہ سر سے پھینک کے ہوجاتے ہیں ننڈ بال — تب مہربانگی سے یہ کہتی ہے وہ چھنال

اب ہمکو اپنی چاہ جتاتے ہیں شیخ جی

اک روز شیخ جورو سے کو جوتے جا لڑے — کہنے لگی کہ تم ہو بڑوں کے مرے بڑے

اب بس ڈپٹی رکھو کہیں چوکا نہ گر پڑے ‌ ‌ ‌ ڈرتا نہیں ہے مجھ سے تو اے بھڑوے منہ بڑے

کہہ دوں ابھی دوا سے ستاتے ہیں شیخ جی

ایسی ہے بے ادب خدا سے بھی نہ ڈرے ‌ ‌ ‌ آ کر کے شیخ جی کے مصلے پہ ہگ بھرے

شانہ کو اُنکے ڈاڑھی کے لے بالوں میں کرے ‌ ‌ ‌ یا رب کہ وہ چھنال شتابی سے اب مرے

ورنہ ہمارے ہاتھ سے جاتے ہیں شیخ جی

جو روکے ہے شیخ سے لے شیخ تم سنو ‌ ‌ ‌ کچھوے کو تم نے دی ہے دغا جیسے ہو سو ہو

میں جانتی ہوں تمکو کہ تم فیلسوف ہو ‌ ‌ ‌ سودا زیادہ کیا کہے ہے باتاں گو مگو

جیسے ہیں ویسے جوتیاں کھاتے ہیں شیخ جی

کسی مولوی نے فتوی دیدیا کہ کوا حلال ہے - سودا کو ظرافت کے لیے ایک مسالہ ہاتھ آیا فوراً ایک ہجو لکھ ڈالی - اور وہ وہ ادھیاں سنائیں کہ آج تک دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں-

لشکر کے بیچ آج یہ جو قیل و قال ہے ‌ ‌ ‌ کھانے کی چیز کھانے کا سب کے خیال ہے

یوں دخل امر و نہی میں کرنا محال ہے ‌ ‌ ‌ جو فقہ داں ہیں سب کا یہ اُن کا خیال ہے

اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

حامی انھوں کے قول کا ہوئے ہے چاند خاں ‌ ‌ ‌ اور دوسرے میں کیا کہوں اک اپنے مہرباں

کچھ شک رہا ہے کس کو حلت کے درمیاں ‌ ‌ ‌ ہم سے جو کوئی پوچھے تو ہم بھی کہیں ہاں

اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

یارو سبو ہو تم اسی دیر خراب میں ‌ ‌ ‌ بیٹھا اٹھا کرو ہو سدا شیخ و شاب میں

حلت رکھے ہے زاغ کسو بھی کتاب میں ‌ ‌ ‌ جتنی کتب ہیں فقہ کی اُن کے جواب میں

اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

بگڑا ہے آج مجتہدوں بیچ کیا نیل ‌ ‌ ‌ ملا لطیف بولے کہ کھانا روا نہیں جمیل

کہتا ہے چاندخاں کہ یا کن نے حرام فیل　　حلت پہ مینڈکی کی میاںجی کی سو دلیل
اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

فدوی اک پنجابی شاعر تھے رسمی معلومات شاعرانہ بھی اچھی خاصی تھی۔ اتفاق سے اُن سے اور سودا سے کچھ بحث ہو گئی۔ سودا نے اس غریب کی اتنی ہجو کی کہ عاجز آگیا اُسنے بھی مجبوراً ایک کُند تلوار ہاتھ میں لی یعنی سودا کی ہجو میں اشعار کہے مگر نہ وہ اس زمانہ میں مشہور ہوئے اور نہ کہیں آج اُن کا پتہ ہے۔ سودا کے دیوان میں وہ ہجو بھی موجود اور محفوظ ہے۔

جہاں میں کون بناتا ہے اُلّو بنئے کا　　کسی سے بن کوئی آتا ہے اُلّو بنئے کا
بہت ہی جان کھپاتا ہے اُلّو بنئے کا　　بنا مجھی کو یہ آتا ہے اُلّو بنئے کا
کہ فدوی جگ میں کہاتا ہے اُلّو بنئے کا

کیا ہے خرچ بنانے میں اُسکے میں نے زر　　نہیں ہے اصلی و نقلی میں فرق ذرہ بھر
جو اور بوم ہو سو وہ یہ لگے ہے نر　　جو راہ باٹ میں آتا ہے صبح و شام نظر
کہے ہے خلق وہ جاتا ہے اُلّو بنئے کا

میں کاریگر ہوں اُستاد یکا سب ہے ظاہر　　جو کچھ کہے کوئی کرتا ہوں پیٹ کی خاطر
وہ بوم بننے میں گر نقص ہے ہو کچھ باہر　　تو اُسکی شکل کروں اور جانور کی پھر
عجیب شور مچاتا ہے اُلّو بنئے کا

غرض کہ اسی طرح ایک مولوی صاحب کشمیری کی ہجو میر ساطف کی مذمت مرزا فاخر مکین کا خاکہ مولوی ندرت کشمیری کی لڑکی کی تذلیل اور تضحیک اُن کے یہاں موجود ہے جو بوجہ طوالت کے نہیں لکھی جائیں۔

اگرچہ یہ کہنا زیادتی ہے کہ ہجو بھی داخل ظرافت ہے۔ مگر اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہجو نگار بھی تمام مسخراپن اور ٹھٹھول طعن و طنز و تشنیع کے ذرایع کام میں لاتا ہے ور

اور اسی سے ایک صورت ظرافت کی پیدا ہو جاتی ہے یہی سبب ہے کہ ہم نے سودا یا دوسرے ہجو گویوں کو بھی شریک تذکرہ کیا۔ ورنہ ظرافت اور ہجو کا ظاہری فرق کون نہیں جانتا

سوزی ۔ بابا سوزی قزوین کے رہنے والے تھے۔ اگرچہ ایک زبردست شاعر تھے۔ مگر ظرافت ہجو کی طرف طبیعت بیحد مائل تھے۔ چنانچہ ایک قطعہ جو ایک شخص کی ہجو میں کہا تھا یہ ہے۔

اے خیرہ بے تمیز بزندق لوندو عک | بے رزق و کاخ خوار الکد کوچ تک
گہ خوار و چوں کلاغ و سیہ چو غراب | غربلیہ گرچو صعوہ وچوں ماکیان کرک

....

ہر صبح باد گوز بریشت قشوں قشوں | ہر شام باد ...... پلک پلک

سوز تخلص ۔ سید محمد میر نام تھا۔ میر درد۔ سودا۔ و میر کے معاصر تھے۔ دلی میں ایک محلہ قرادل پورہ میں مکان تھا۔ ان کے بزرگوں کا اصلی وطن بخارا تھا۔ اور ان کے والد نہایت بزرگ تھے۔ اور تیر اندازی کی مشق کمال کو پہونچائی تھی۔ میر سوز اپنے نام کے آخری حصہ کی رعایت سے میر تخلص کرتے تھے۔ مگر میر تقی میر کی خاطر ان کو وہ تخلص چھوڑ کر سوز اختیار کرنا پڑا۔ اسی بات کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

کہتے تھے پہلے میر میر تب موے ہزار حیف | اب جو کہیں ہیں سوز سوز یعنی سدا جلا کرو

دلی کی تباہی اور بربادی کے بعد لکھنؤ چلے گئے تھے۔ مگر یہاں مدتوں قدر نہیں ہوئی پھر مرشد آباد چلے گئے۔ جب وہاں سے پھرے۔ تو نواب آصف الدولہ ان کے شاگرد ہوئے مگر موت نے زیادہ مہلت نہ دی ۱۲۱۱ھ میں پیوند خاک ہوئے۔

درویش مزاج۔ عالی طبع۔ بلند حوصلہ۔ نیک طینت۔ خوش گفتار آدمی تھے

کلام میں سادگی۔ صفائی۔ روانی کو زیادہ ملحوظ رکھتے تھے۔ اور تخیل کے مقابلہ پر بھی یہ چیز زیادہ اُن کے یہاں پائی جاتی ہے۔

وہ ظریف المزاج تھے۔ طبیعت میں مذاق۔ اور دل میں ظرافت کا جوہر۔ دماغ میں بذلہ سنجی کی ہوا موجود تھی یہی وجہ تھی کہ وہ کبھی کبھی ظریفانہ شعر لکھ جاتے ہیں۔ لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ اُن کی سادگی اتنی بڑھ جاتی ہے متانت کی حد میں نہیں رہتی۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ وہ بقول صاحب طبقات الشعراء ایک ظریف الطبع شخص تھے طبیعت کا رجحان اِدھر تھا۔ وقت بیوقت مختارانہ۔ یا بے اختیارانہ اُن کے قلم سے ایسے اشعار نکل جاتے تھے جنھیں اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ درجۂ تہذیب یا متانت سے گرے ہوئے ہیں۔ اُن کی ظرافت دستورِ زمانہ کے موافق ہزلیات۔ اور فواحش کی حد تک کبھی نہیں پہونچی۔ زبان کی سادگی۔ اور اندازِ بیان کی شگفتگی ایک ایک حرف سے ظاہر ہوتی ہے اور اس بات کی یہاں تک اُن کے یہاں پابندی ہے کہ میں جس کو ظریفانہ کہتا ہوں اگر کوئی میرا حریف ہو تو وہ اُسی کلام کو عاشقانہ اور متین ثابت کر سکتا ہے۔

گئے گھر سے جو ہم اپنے سویرے ۔۔۔ سلام اللہ خاں صاحب کے ڈیرے
وہاں دیکھے کئی طفل پریرو ۔۔۔ ارے رے رے رے ارے رے رے ارے رے

سنتے ہی سوز کی خبرِ مرگ خوش ہوا ۔۔۔ کہنے لگا کہ پنڈ تو چھوٹا بھلا ہوا

بہلا رے عشق تیری شوکتِ شان ۔۔۔ بھائی میرے تو اُڑ گئے اوسان

گیا ایک دن اُسکے کوچہ میں ناگاہ ۔۔۔ لگا کہنے چل بھاگ رے پھر نہ آنا

دُعا دی تو لگا کہنے کہ دُر ہو ۔۔۔ سنی میں نے دعا تیری دعا کی

کہا میں نے کہ کچھ خاطر میں ہوگا ۔۔۔ تمھارے ساتھ جو میں نے وفا کی
گریباں میں ذرا منھ ڈال دیکھو ۔۔۔ کہ تم نے اس وفا پر ہمسے کیا کی

تو کہتا ہے کہ بس بس چونچ بند کر　　　وفا لایا ہے ڈھٹ تیری وفا کی

کچھ کہہ تو قاصد آتا ہے وہ ماہ　　　الحمد للہ الحمد للہ

جھوٹے کے منھ میں آگے کہوں کیا　　　استغفر اللہ استغفر اللہ

یار آتا ہے ترے یار کی ایسی تیسی　　　آزماتا ہے ترے پیار کی ایسی تیسی

پھر اتنی بات سنتے ہی رو کر کہا کہ حیف　　　طوطا ہمارا مر گیا (اڑ گیا) کچھ بولتا ہوا

یار گر صاحب وفا ہوتا　　　کیوں میاں جان کیا مزا ہوتا

چلتر سن نیا عیّار کا تو　　　زبردستی مرا دل لے لیا ہے

چھپا مٹھی میں کہتا ہے کہ او میاں　　　ہمارے ہاتھ میں بوجھو تو کیا ہے

جسقدر اشعار لکھے گئے یہ انتخاب ہیں اُن انتخابوں کے جو اہل تذکرہ نے کئے ہیں مجھے افسوس ہے کہ میرے پیش نظر اُن کا دیوان نہیں ہے۔

سوزاں۔ منشی حبیب الدین نام تھا۔ خواجہ معین الدین سہارنپوری کے فرزند تھے۔ ابتدائے شباب کے ساتھ ہی دل میں حُسن پرستی کا مادہ پیدا ہوا اور سوز و گداز عاشقانہ طبیعت میں جوش زن ہو گیا۔ وطن کو چھوڑا دلی میں آئے اور مرزا غالب کے شاگرد ہوئے اور مرزا مرحوم کی حیات تک دلی ہی میں رہے۔ مگر اُن کے انتقال کے بعد یہاں جی نہ لگا اور پھر وطن مالوف چلے گئے۔ اگرچہ مفلوک الحال رہے۔ مگر افلاس میں بھی زندہ دلی نہ گئی۔ وہی آن بان آخر وقت تک رہی جو اوّل میں تھی تا اینکہ سنہ ۱۸۸۹ء میں شمع حیات صرصر اجل کے جھونکوں سے خاموش ہو گئی۔

حرف شین معجمہ

شاہی گیلان کی رہنے والی ایک فاحشہ عورت تھی۔ شاعری کا شوق بہت زیادہ تھا۔ مگر افسوس کہ اپنے افعال کی طرح اپنے اقوال کو بھی فواحش سے علیحدہ نہ رکھتی تھی حتیٰ کہ جسقدر کلام اُس کا میری نظر سے گذرا اُس میں سے ایک شعر بھی ایسا نہیں جو فحش نہ ہو اور انتخاب میں آسکے۔ لہذا صرف اسی نام پر اکتفا کرتا ہوں۔

شوخ۔ تخلص ہے منشی حسن جعفر صاحب لکھنوی کا۔ جب میں نے جیم کی ردیف لکھی تھی اُسوقت آپ جو کر تخلص کرتے تھے لہذا وہیں آپ کا نام اور کلام لکھا گیا۔ اب چونکہ آپ شوخ تخلص کرتے ہیں اس لئے تذکرہ یہاں نام لکھدیا گیا ہے۔

شرف۔ افسوس کہ مجھے آپکے نام سے اطلاع نہیں شاید رائے بریلی۔ یا بارہ بنکی کے ضلع کے رہنے والے ہیں۔ پہلے کسی ریاست میں مخبر تھے اب ہومیوپیتھک علاج کرتے ہیں اکثر لکھنؤ آتے رہتے ہیں۔ راقم الحروف کے جاننے والوں میں ہیں۔ اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں۔ کلام دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ ظرافت بھی اور عاشقانہ متین بھی۔ ظرافت میں نمک کم ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی بعض شعر نکل آتے ہیں۔ آپ کی اسوقت عمر تخمیناً ۵۰ برس کی ہوگی میں نے دو چار مرتبہ آپ سے آپ کے کلام کے لئے استدعا کی۔ اور آپ نے شد و مد کے ساتھ وعدہ بھی کیا۔ مگر افسوس کہ وہ وعدہ شاعرانہ وعدہ بنکر رہ گیا۔ دو چار شعر جو ادھر اُدھر سے مل سکے وہ درج کرتا ہوں۔

ساغر لئے ہوئے کبھی مینا لئے ہوئے　　آتا ہے روز ایک تماشا لئے ہوئے

آئے ہیں آج غیر کو لیکر وہ میرے گھر سامانِ انبساط ادھورا لئے ہوئے

شاکی سید اکبر حسین نام ہے۔ ضلع الٰہ آباد کے رہنے والے ہیں۔ مدتوں سے بسلسلہ ملازمت لکھنؤ میں قیام ہے پہلے اودھ اخبار میں مترجم تھے۔ اب حقیقت اخبار میں کام کرتے ہیں۔ آپ شیعی المذہب ہیں مگر نہایت بے تعصب اور نیک آدمی ہیں۔ فارسی قابلیت بھی کافی ہے۔ اور سخنگوئی کی مشق اپنے درجۂ کمال کو پہونچ چکی ہے ظرافت اور عاشقانہ دونوں رنگوں میں طبع آزمائی فرماتے ہیں اور دونوں میں خوب خوب شعر کہتے ہیں۔ ظرافت میں اکبر الٰہ آبادی مرحوم کا اتباع کرتے ہیں۔ راقم الحروف کے شناسا ہیں۔ کلام عنایت فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ مگر شاید عدیم الفرصتی کی وجہ سے ایفا نہ فرما سکے۔ چونکہ اخبارات میں آپ کا ظریفانہ کلام اکثر شائع ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے دو ایک شعر نمونتاً اخبار حقیقت سے نقل کرتا ہوں۔ شاکی صاحب ایک پرگو شاعر ہیں۔ اسوقت عمر تخمیناً پچاس برس کی ہوگی۔

ہے تو اچھا قوم کی خدمت گوارا کیجئے اپنے قومی درد کا دنیا میں چرچا کیجئے

قوم کے جلسوں میں جاکر کیجئے تقریر خوب پر اثر مضمون اخباروں میں چھپا کیجئے

اس سے جب فرصت ملے حل کیجئے قومی امور یا کوئی اسکیم چندہ کی مہیا کیجئے

ہاں مگر ہرگز نہیں ہے آپ شرط لیڈری قوم کا بڑھتا ہوا افلاس دیکھا کیجئے

ہمنے مانا ہوگئے ہیں آپ بھی ناصح قوم اس ہماری مفلسی کا تو مداوا کیجئے

یہ نہیں ممکن تو شاکی ہے یہ سب بیکار غم اس سے تو بہتر ہے گھر میں بیٹھے رویا کیجئے

لالہ انگریزی میں جب فائق ہوئے مغربی تہذیب کے شائق ہوئے

باپ کو کہنے لگے مائی ڈیر واہ کیا لائق یہ نالائق ہوئے

شیخ نے بکہ کیا لالہ نے بیچا تیل گڑ — وہ پھرے دردر تو یہ کہتے ہے بیتا پول
چھ مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ لٹیہ بٹ گئی — ان کا پکیہ بک گیا اور لے لیا لالہ نے مول

شمشاد۔ شاید غلام پنجتن نام ہے اٹاوہ کے رہنے والے ہیں۔ ظرافت گوئی کا شوق ہے مگر ظرافت ہزل اور فواحش کے درجہ پر پہونچ جاتی ہے حتی کہ مجھے جسقدر کلام آپ کا ملا اس میں ایک شعر بھی ایسا نہیں تھا جو غیر مہذب الفاظ سے خالی ہو۔ مجبوراً نام پر اکتفا کی۔

شوق حافظ غلام رسول نام تھا۔ دلی کے رہنے والے تھے۔ ویسے ہی شعر کہتے تھے جیسے پہلے لوگ کہا کرتے تھے یعنی غزل میں آدھے شعر عاشقانہ اور آدھے ایسے کہ جنھیں دیکھکر آج سامان تفریح مہیا ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ظرافت کی طرف مائل ہو۔ قلعہ سے کچھ تنخواہ مقرر تھی محلے کے شوقین نوجوان لڑکے اصلاح بھی لیتے تھے۔ اور کچھ لے دے کر غزلیں کہلوا لیا کرتے تھے۔ ذوق مرحوم کو انھیں کے یہاں سے شعر سن سن کر بچپن میں شاعری کا شوق پیدا ہوگیا تھا۔ شاہ نصیر وغیرہ کے معاصر تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مزا انگور کا ہے رنگترے میں — عسل زنبور کا ہے رنگترے میں
ہیں اشعار ہلالی اس کی پھانکیں — یہ مضمون دور کا ہے رنگترے میں
نہیں ہے اسکی پھانکوں میں یہ زیرا — یہ لشکر مور کا ہے رنگترے میں
ہے گلگون مجسم یا بھرا خوں — کسی مہجور کا ہے رنگترے میں
مزاج اب جسکا صفراوی ہے اے شوق — دل اس رنجور کا ہے رنگترے میں

کر کے مژگاں چشم ستمگر آ کے جگر میں کھوپ لگی — آہ کہ ہمدم سانگ ادھر سے جنگ
وعدہ کیا تھا شام کا مجھ سے شوق جنھوں نے کل دن کو — آج وہ آئے پاس مرے

فاقہ مست عدمے بڑا ایسا ہی چھچھورا کار جٹا ہے ۔۔۔ نالی جس کی آئی پاٹھی میں
شیخ بگھارے اپنی شیخی مفت کے لقمے کھاتا ہے ۔۔۔ دودھ ملیدا

شوکت ۔ مجدد السنۂ مشرقیہ مولانا احمد حسن میرٹھی مرحوم کا تخلص ہے آپ کی قابلیت اور معلومات مسلم تھی ۔ اور ملک کے نہایت موقر شعراء و اہل قلم میں آپ کا شمار ہوتا تھا ۔ عربی و فارسی میں فاضل بے بدل اور عالم بے مثل تھے ۔ مدتوں تک ملک کے ظریفانہ اخبار طوطی ہند میرٹھ کے ایڈیٹر رہے ۔ جس میں سیکڑوں مضمون ظریفانہ آپ کے قلم سے نکلے اور ملک میں مشہور ہوئے ۔ غالب ۔ مومن ۔ خاقانی وغیرہ کے مشکل کلام کی شرح کی طرف پہلے آپ ہی نے توجہ منعطف فرمائی تھی ۔ آپ کا عاشقانہ معشوقانہ ہر رنگ کا کلام موجود ہے اسی کے ساتھ ظرافت میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا ۔ اور اس میں بھی آپ نے وہ گلکاریاں کی ہیں جو قابل دید ہیں ۔ بھاشا کی معلومات بھی نہایت کافی تھی ۔۔ نمونہ کلام یہ ہے ۔

پادری تثلیث پر ناحق ہیں غش ۔۔۔ تین میں سے دو نہیں ہیں کام کے

شہدا ۔ دلی کا رہنے والا تھا ۔ احسان کا شاگرد تھا زیادہ حال معلوم نہیں ہوا چند شعر مل گئے ۔ وہی درج کرتا ہوں ۔

کیا ہی عاشق ہے بت طناز پہ سانڈ ۔۔۔ دوڑتا صاف چلا آتا ہے آواز پہ سانڈ
ناقہ اونٹوں کی ترے سامنے کچھ قدر نہیں ۔۔۔ کیا کوئی چاہئے عاشق ترے انداز پہ سانڈ

لے گیا دل کو بغل میں داب کر ۔۔۔ ہے دغا ڈاکو نہیں ہے چور ہے

ننگا ہی کرو دفن مجھے اپنی گلی میں ۔۔۔ ایسا نہ ہو لیجائے کفن کوئی کفن چور
میں غم سے گھلا جب تو وہ غمزے سے لیلا ۔۔۔ کیا دیکھتے ہو اسکو کہ ہے اسکا بدن چور
اپنے دل محزوں کو میں کس کس سے بچاؤں ۔۔۔ ظالم کی نظر چور کمر چور دہن چور

میاں مجھکو ستانا پر ذرا یہ بھی سمجھ لینا | جو تو عیار ہے بیرحم ہے تو میں بھی شہدا ہوں

شہباز۔ اسم گرامی مولوی عبد الغفور تھا۔ اورنگ آباد کے کسی کالج میں پروفیسر تھے۔ اردو کے بڑے زبردست نثار اور زباں دان تھے۔ آپ نے نظیر اکبر آبادی کے کلام پر نظر ثانی کر کے اس کو ترتیب دیا۔ وہ مجموعہ نولکشور پریس میں نہایت بہتر حالت میں چھپا تھا۔ اُس کے ساتھ ہی نظیر اکبر آبادی کی سوانح عمری سنہ ۱۸۹۲ء میں ترتیب دی۔ آپ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ مجھے نظیر کے کلام سے عشق تھا۔ اس کا ثبوت اس سوانح عمری سے ملتا ہے۔ میں نے جتنی مرتبہ یہ کتاب دیکھی عبارت میں ایک نیا لطف آیا۔ عقیدتمند لوگوں کا قول ہے کہ آبحیات مولوی محمد حسین آزاد کی عبارت بے مثل ہے۔ اس میں شک نہیں مگر شہباز کی عبارت سے اس کو کوئی نسبت نہیں اس میں اُن کی زباندانی اور شیوا بیانی نے حرف حرف میں موتی جڑ دیئے ہیں۔ دلکش عنوان اور کھا طرز بیان نُورٌ علیٰ نُور ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اگرچہ اُن کو نظیر کے حالات کما حقہٗ نہیں ملے سکے ہیں پھر بھی انھوں نے ان کے کلام سے مدد لیکر سوانح عمری کو مکمل کر دیا ہے اور اسقدر صحیح استدلال کیا ہے کہ بلا تشبیہ وہ مولوی محمد حسین آزاد کی غلط بیانیوں سے بڑھ گیا ہے۔ ہر حالت کا ایک منظر دکھا دیا ہے۔ اور کتاب کو آئینہ حالات نظیر بنا دیا ہے۔ زباندانی کا یہ کمال ہے کہ ایک ایک حرف کے متعدد مرادفات۔ ایک ایک جنس کی مختلف انواع اور نام۔ اگر دیکھا جائے۔ اور انصاف سے کام لیا جاوے۔ تو اُن مدعیان بے خبر کے لئے جو زبان کے بارہ میں شب و روز اناولا غیری کا وظیفہ رٹا کرتے ہیں یہ ایک تازیانہ عبرت ہے۔

مولانا شہباز ظرافت کے مرد میداں تھے۔ اکبر کے رنگ میں اودھ پنچ سابق میں اُنکی وہ وہ نظمیں چھپی ہیں جن میں بہت کچھ اکبر کا رنگ موجود ہے۔ میں کچھ اشعار نقل کرتا ہوں۔ مولانا شہباز آخر عمر میں کلکتہ میں رہتے تھے۔ اور نواب سید محمد خاں آزاد کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ عرصہ ہوا کہ انتقال ہو گیا۔

تہذیب قیس

لیلیٰ کے کہنے سننے سے آخر کو قیس نے
لکھوایا نام نجد کے انگلش سکول میں

اے بی کے بعد پڑھنے لگا ایسی ریڈریں
تعلیم خوش معاشی ہے جن کے اصول میں

ٹپٹامٹر میں دیکھتا تھا انبساط کو
پاتا تھا انقباض فعولن فعول میں

ازبر تھے یوکلڈ کے تھیورم پرابلم
اقلیم حافظہ تھی گرامر کے رول میں

تھا تکیہ کلام کی صورت زبان پر
کیا جانے کیا مزا تھا بھرا ڈیم فول میں

القصہ انٹرنس ہوا پھر ہوا ایف اے
بی۔اے۔ایم اے کے پاس بھی آئے حصول میں

ہمت بڑھی کہ کیجئے بیرسٹری بھی پاس
رہکر عرب میں وحشیوں کے ہول شمول میں

لندن گیا تو اوک میں پانی لگا مزا
حاصل تھا وہ جو نجد کے بن کی ببول میں

آئی نظر جو اوک کی کرسی پہ ایک مس
کھٹمل کی طرح عشق گھسا دل کی چول میں

بال اُسکے سر پہ صاف شعاعیں تھیں مہر کی
ریشم کو جو شمار کریں جنس اول میں

گردن شکست دیتی تھی ظبی الفلاۃ کو
قامت دبا کے سرو کو ابھرا تھا طول میں

پھل سیب نے لگائے تھے قامت کے شاخ میں
رنگت بھری تھی روز ان عارض کے پھول میں

دیکھا جو یہ بجا رہے قیس کے حواس
لگتی نہیں ہے دیر بلا کے نزول میں

مجنوں کو دوستوں کی جلد یوں نہ سکی ڈھال
میری پڑی تذبذب رد و قبول میں

ممبری کے کورٹ شپ کا بڑھا تازہ ذوق شوق
لیلیٰ کا عشق کہنہ ملا خاک و دھول میں

شہپارہ ہے کلام کا اکبر کے یہ جواب
لیکن بڑا ہے فرق فروع و اصول میں

قانون قسمت

ہم نے پوچھا یہ اپنی قسمت سے
دور کیوں ہم سے گنج مطلب ہیں

بولی، رنگت ہے کیا گل میں
کالی رنگت سے گر ہیں شب ہیں

شب ہی کو ہے سدا چمکتا چاند — شب ہی کو جگمگاتے کوکب ہیں

کالی رنگت سے تل ہیں نقطۂ زیب — جن سے روئے بتاں مزیب ہیں

کالی رنگت سے گیسوئے جاناں — لیلۃ القدر سے مخاطب ہیں

کالی رنگت سے ابروئے خمدار — تیغ و خنجر ہیں جفت عقرب ہیں

کالی رنگت سے پتلیاں دونو — چشم کے آسماں پہ کوکب ہیں

رنگ کے زیب سے مسی کاجل — راحت چشم و زینت لب ہیں

کسطرح دیں جگہ نہ آنکھوں میں — فائدے کحل کے مجرب ہیں

زیب دیتا ہے تن پہ کالا سوٹ — متفق اسپہ کل مہذب ہیں

حجر اسود کے منہ ہی بوسے — بوسہ لعل سے بھی اعذب ہیں

پاک کعبے کے کالے کالے غلاف — سرمۂ چشم دین و مذہب ہیں

گوری رنگت سے گر سبب اسکا — ہم ہیں بھی کالے کم نہیں سب ہیں

رنگ ابیض سدا نہیں مطبوع — ورنہ کیوں داڑھیاں مخضب ہیں

ڈرتے ہیں داغ برص سے یوں لوگ — جیسے مبروص کے معذب ہیں

شکل ہے سنکھیا شکر کی ایک — جتنے ابیض ہیں کب سب اعذب ہیں

فرض کرلیں سفید کو گر دن — دن بھی خالی کسوف سے کب ہیں

پتلیاں گر سپید ہو جائیں — ہر قدم پر مذبذب ہیں

رشتہ مندوں میں خولا گر ہو سفید — لاکھ اقرب ہوں پھر بھی عقرب ہیں

رنگ نقرہ برا ہے گھوڑے جو ہیں — اسپ شاہد صفات مرکب ہیں

اچھے سے ہے سہاگنیں سبزا — کیونکہ رنگیں سہاگنیں سب ہیں

سچ بتا اسپہ کیوں تو ریجھی ہے — جسے فخر سے یہ کیوں اچھے ہیں

بولی قسمت فضول ہے تقریر — ویسی باتیں نظر میں کب ہیں

کالے گورے پہ کچھ نہیں موقوف　　دل کے آنے کے اور ہی ڈھب ہیں

معذرت انگریزی

ایک مرغے نے یہ مرغی سے کہا　　لوٹتی ہے خاک پر کیوں بے تمیز
ہنس کے مرغی نے دیا اس کو جواب　　جسم پر ملتی ہوں پوڈر اے عزیز
بولا مرغا ہے یہ پوڈر کیا بلا　　بولی مرغی ہے یہ اک فیشن کی چیز
پوچھا مرغے نے کہ ہے فیشن یہ کیا　　بولی مرغی بچہ کمفرٹ وائز
ڈانٹا مرغے نے کہ انگریزی نہ بول　　بولی مرغی مرغی تیرے سر میں ہے ڈزیز
مرغا جھنجھلایا کہ پھر پھر وہی　　مرغی بولی چپ کبھی رہ لے بد تمیز
وہ زباں جو ہے زبانوں کی کوئن　　بولی وہ ہے جسکی ہر بولی کنیز
چھوٹ سکتی ہے چھڑائے سے کہیں　　جبتلک ہے کوٹ پتلون اور کمیز
حبذا شہباز کا حسن کلام　　مرحبا باغ فصاحت کی بریز

پادری ولیم نے احمد سے کہا　　لو پڑھو انجیل سے سیکھو تمیز
بولا احمد اس کی اب حاجت نہیں　　پڑھ چکا ہوں میں تو صاحب سٹریز

حرف صاد

صاحبقران تخلص امام علی نام تھا۔ باپ کا نام سید غلام حسین رضوی تھا بلگرام ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے۔ جرأت اور انشاء کے معاصر تھے۔ ریختی۔ ہزل ظرافت۔ ان کے کلام میں سب موجود ہیں۔ مگر افسوس کہ اعتدال کو مدنظر نہیں رکھتے تھے بلکہ اکثر جگہ کلام فحش کے درجہ تک پہونچ گیا ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ مولف تذکرہ گلشن بے خار نے ان کا ذکر لکھتے ہوئے لکھا ہے۔ شرم وحجاب از دلش بمراحل دور۔ و طبعش از آداب واخلاق مہجور۔ ہر چند داب جامع ایں اوراق نیست کہ عیاذاً باللہ کسے را بہ بدی نام برد۔ اما درخصوص اینکس نظر بفحش و ہزلش خلاف عنوان ناخواست حرفے چند از نوک خامہ بر صفحۂ نامہ ثبت گردید" صاحبقراں کے یہاں مضامین دلکش کی کمی نہیں۔ مگر فواحشات نے اسطرح ان کے کلام کے حصول کو گھیر رکھا ہے جسطرح کہ گلاب کے پھول کو کانٹے گھیر لیتے ہیں۔ گلچیں کی دسترس نہیں ہوتی کہ بے باکانہ انکی طرف ہاتھ بڑھائے۔ دیوان ان کا غیر مطبوعہ نہایت تلاش سے کہیں کہیں ملتا ہے چنانچہ میں نے سخت محنت اور تلاش کے بعد آن کا دیوان تلاش کر کے نہایت محنت سے چند اشعار منتخب کئے۔ جو درج کرتا ہوں۔

کملو یہ لگی کہنے مری دیکھ کے حالت — شہوت سے نہ کر چاک گریبان ادھر آ

دیکر عرق مکوہ کا پادا بدل لیا — صندل کا ریت دیکے بڑادا بدل لیا

یہ روز چال سیکھی ہے کملو نے انڑوں — بازی جو دیکھی مات سپیادا بدل لیا

صاحبقراں وہ لعل سا دل تنگ سا رخ ہے — کملو نے جان کر مجھے سادا بدل لیا

سُنا جو چکلے میں کہتی تھی ہر جوان سے پیر — زمانہ چاہا کیا جب تلک جمال رہا

رات روشن سے اندھیرے میں کیا کچھ کر گیا — اس نئی گری کو سنکر میں ہنسی سے مر گیا

دمبدم لڑتی ہے کشتی مجھ سے جو خم ٹھونک کر — یہ کچھ والا کیا کوئی تعلیم تجھکو کر گیا

چھپکے جو کرتی تھی اسکو برملا کرنے لگی — خوش ہوے مہتاب جب اس کا ہے شوہر گیا

میں تو چکلے میں ڈر گیا جاکر — کوئی ماکھو بنی کوئی بچپا

آج صاحبقراں کی آمد ہے — چوکیوں پر بچھاؤ غالیچا

جہاں آیا کوئی مفلس کے گھر میں ملتجی ہو کر — ہزاروں بار رکھوا لیتی ہے پانی پائخانے میں

وہ موئے نسالا راجہ بھینس پہ بھوری کے بیاہ میں — غیرت سے بیل ڈوبتے پھرتے ہیں چاہ میں

جوبن کو نورتن کے یار وشتاب لوٹو — آئی ہے حج پہ کرکے دوڑو ثواب لوٹو

سنتے ہیں میکدے سے نورن چلی ہے حج کو — اب تو سو چوہے کھا کے بلی چلی ہے حج کو

چتون غضب ہے ننھی کی ہے بے مثال آنکھ — چھوٹے سے سن میں اسکی بڑی ہے چھنال آنکھ

کملو مجلس سے کوئی ٹلتی ہے — میری چھاتی پہ مونگ دلتی ہے

زاہدہ نے کرتہ نیلا رنگا یا بسنت میں — جو روسیہ ہیں کیا انھیں پر البسنت ہیں

ایک میں کڑھتا ہوں اپنے یار جانی کیلئے — ورنہ سب روتے ہیں خالہ اور نانی کے لئے

پہاڑوں میں اوقات کٹتی ہے اپنی — کبھی توپ اور توپ خانا نہ جانا

جو پوچھا کہ صاحبقراں سے ہے واقف — تو بولی کہ ایسے کو جانا نہ جانا

کانوں کی اپنے بالی او میری بھولی بھالی — ہاتھوں سے کیوں چھپالی او میری بھولی بھالی

باریک سا دوپٹہ لازم ہے گرمیوں میں — اوڑھا نہ کر نہالی او میری بھولی بھالی

منھ سے بڑا نوالہ کلہ کو پھاڑتا ہے — باتیں نہ کر رذالی او میری بھولی بھالی

جس میں کہ چاہ سے تو کھاتی ہو دال خشکا — تھوری سے یا سفالی او میری بھولی بھالی

جو دیکھتا ہے سر کو پتھر سے مارتا ہو — ہونٹوں کی تیرے لالی او میری بھولی بھالی
صاحبقران کی خاطر لازم ہے ہمنے مانا — راون کی ہو تو سالی او میری بھولی بھالی

نہیں لگتی جو مفلسوں کے ہاتھ — سخت وہ قحبہ مالزادی ہے
وہ نہ کیونکر چلے غرور کی چال — بھڑوا شیطان جسکا ہادی ہے
اس کو پالا ہے اک زمانے نے — نہ کوئی دادا ہے نہ دادی ہے

گر اسی کا نام گرمی ہے تو ہم ٹھنڈے ہوئے — دمبدم گالی ہے اور بیزار اٹھتے بیٹھتے
وہ ہاتھ میرے لگے احسان آپکا کیا — پکا جو بیل یار وہ کوے کے باپ کا کیا
چکلا جسے کہتے ہیں اندر کا اکھاڑا ہو — پریوں پہ نہ عاشق ہو جائے گا دیوانہ
میں نے صاحبقراں پوچھا کہ تمہے بوسہ پر — کس کے بوسہ کا نشاں ہے کہا تجھکو کیا
بے خزاں حسن کا گلزار نہیں رہنے کا — یہ سدا غنچے اور بہار نہیں رہنے کا
رات کہتی تھی گنا بخشی سے — دل ہے صاحبقران میں میرا
وہ سادگی تری نہ رہی اب نک غرور — چینی کی تشتری میں تری بال آگیا
مجھے بھاتا ہے جنگجو کا نشہ میں — بہکنا اڑ گھڑانا اور مٹکنا
رنگ غصہ سے ہو گیا نیلا — دیکھو نورن کا مکر اور حیلا
اسکی کھبتی کو پکڑ میں نہ ٹلا بیٹھ گیا — چھنی اسطرح وہ چرخ کہ گلا بیٹھ گیا
گل ہنستے ہنستے اسکے دامن پہ رنگ لالا — مطلب نکال لیتے ہیں ہم باتوں بات اپنا
قدر کر چاہنے والوں کی اری سنتی ہو — جب گیا حسن دوبارہ نہیں پھر آئیگا
چھاتی پہ اسکی جب ہاتھ اپنا جا پڑا ہو — دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا
مجھے بے فی سوا بھاتا نہیں کچھ — پڑا ہے جب سے ان میٹھوں سے پالا

آگے لونڈوں کے سبب سینہ مرا چاک ہوا — اب جو رنڈی سے لگا ملنے تو سوزاک ہوا

جفت ہونے کا اپنے طاق رہا — نفس شوم اپنا طاق رہا

جونکوں کی طرح لو ہو پیا کرتی ہو دن رات — مسجد لال ترا کیوں نہوا یحیاں غنچا کا

کہا جو میں نے کہ سنتی تو کہیں گھر میں ہو — وہ ہنسکے بولی مجھے منہ کہاں ہوا نہوا

اگر ہاتھ آئے کبھی ننھی سی چوہیا — میرا کیلا کب کھائے ننھی سی چوہیا

منگا دوں چھچھوندر اسے چھیڑنے کو — الہیا اگر کاٹے ننھی سی چوہیا

اچھل کر رکابی سے لیجائے بوٹی — جو کھانے کی بو پائے ننھی سی چوہیا

نقد دل اپنا لگے مانگنے عاشق سارے — قدر جاتی رہی جس وقت دوالا نکلا

رستم کی اگرچہ ہو نواسی — جب وقت پڑے تو دغا کیا

کسبی کتنے ایک سے ہیں ہم تم — کیا غیر وہاں اور آشنا کیا

شیخ جی بھول کے جو بیٹھ گئے غایت کو — جب فراغت ہوئی کہنے لگے ہاں ہاں لوٹا

ترا دشمن کڑک مرغی کی مانند — رہے تاپے میں غم کے تا قیامت

ہاتھ میں نے نہ لگایا تھا اسے خطرہ سے — دھر دیا اسنے زبردستی پکڑ ہاتھ پہ ہاتھ

مت مجھکو بہکا نا آج — صدقے جاؤں آنا آج

تجھکو میری قدر نہیں — آنا میں نے جانا آج

گدھے کو اپنے دھوبن ہانکتی جاتی ہے ٹخ ٹخ — وہاں سے لاد کر کپڑوں کو پھر آتی ہے ٹخ ٹخ

نہ دھر مٹ ہے نہ پٹہ ہے کہ رواہے نہ ٹھٹھری ہے — کہیں جو سست ہوتی ہے تو پھر گاتی ہے ٹخ ٹخ

اب تو صاحبقراں لڑا یا کر — گھوڑے سے گھوڑا سانڈ سے سانڈ

گو زہے یا کہ ہے صاحبقراں آدمی کی — ایک پسکی میں اڑاتے ہیں ٹٹے پتھر

عیاں الفت نہ ہو شیریں لبوں کی — میاں بہتر ہے کھانا گڑ چھپا کر

کہیں صاحبقراں تو عقد کر لے — نہیں رہنے کی بے شوہر آجا گر

بیوفاؤں کے نام پر پاپوش ‌‌ اُن کے اخلاق خام پر پاپوش

اتنا رسوا کیا محبت نے ‌‌ آشنائی کے نام پر پاپوش

کہا ککلو نے کچھ بگڑ کا کے اپنی ‌‌ جو الو سمجھتی ہوں بیل تو بیل

خرگوش تیرا ہوش میں بندے سے کم نہیں ‌‌ ہر خانہ زاد تیرا مچھندر سے کم نہیں

گو سوکھ سا کھ ظالم اچھور ہو گئی ہے ‌‌ لیکن ہوے نہ اب تک تار و کے دانت کھٹے

دیکھو بھوری پہ موہا عاشق ہے ‌‌ پدمنی بھینس جو یا عاشق ہے

مرد کب چھوڑتے ہیں رنڈی کو ‌‌ گھوڑی کیسی ہو گھوڑا عاشق ہے

روز لاتا ہے ماش کی پوری ‌‌ کیا کروں میں بڑا وڑا عاشق ہے

رات سنگی دیکھکر میری طرف کہنے لگی ‌‌ اس نگوڑی کی تو کچھ صورت ہے پہچانی ہوئی

تھا یہی کافر کہ کل جسنے ستایا تھا مجھے ‌‌ خوش ہوئی بس آج میں اسکی مسلمانی ہوئی

میکدے کے رہنے والوں سے نہ بولا کیجئے ‌‌ میکدے میں آپ پیر افیون گھولا کیجئے

بند ہو جو بیان کب امساک سے ‌‌ سیل رک سکتی نہیں خاشاک سے

گھورتا عینک سے ہے صاحبقراں ‌‌ کب اٹھائے ہاتھ اپنی ناک سے

صاحبقراں سے مغلو کہتی تھی نہ خفا ہو ‌‌ ہرگز نہیں ہیں لائق تیرے چھوڑنے کے

میں جانتی تو بوسہ تجھکو نہ دیتی ہرگز ‌‌ یہ تیز دانت تیرے قابل ہیں توڑنے کے

کہا صاحبقراں نو رن سے میں نے ‌‌ ہماری کیجیو تو عیب پوشی

خفا ہو کر لگی کہنے کہ چپ رہ ‌‌ جواب جاہلاں باشد خموشی

صاحبقراں کل گئے تھے چکلے ناگاہ ‌‌ لیکن نہ کسی پہ ڈالی شہوت کی نگاہ

پر جب ہوا احتلام پو حضرت ‌‌ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

صاحبقراں اپنی اوسط عمر میں لکھنؤ آ گئے تھے اور یہاں نواب آصف الدولہ مرزا سلیمان شکوہ وغیرہ کی سرکاروں میں ملازم رہے اور تا حین حیات زندگی بفراغت

گزاری۔ جس کا جابجا اُن کے کلام سے پتہ چلتا ہے۔ وہ ایک مرنجاں مرنج ہنسوڑ رنگیلے مزاج کے آدمی تھے اُن کے قال سے اُن کے حال کو کوئی نسبت قریبی نہیں تھی۔

صفدر۔ آپ نے اپنے نام کے جزو اول کو تخلص قرار دیا ہے۔ مرزا پور آپ کا مولد و مسکن تھا۔ مگر بہت عرصہ سے لکھنؤ میں قیام ہے۔ اور یہیں شادی بھی کرلی ہے آپ ایک نیک مزاج بھولے مگر نہایت کہنہ مشق اور زود گو شاعر ہیں۔ بہت سے معرکوں میں آپ نے نہایت عمدہ عمدہ شعر کہے ہیں۔ اور حریفوں کو تاب مقابلہ سے عاجز کردیا ہے۔ متین مہذب نیک دل ہیں معلومات شاعرانہ بقدر ضرورت کافی ہے۔ تین چار کتابیں مشاطۂ سخن۔ مرقع ادب وغیرہ آپ کی تالیفات سے ہیں جو نہایت مقبول ہیں ہر صنف سخن میں کلام موجود ہے۔ آپ کے معاصر آپ کی طبیعت خداداد سے ہمیشہ آپ سے چلتے رہتے ہیں۔ مگر اس سے کچھ ہو نہیں سکتا آپ کی مشق سخن گوئی کو تقویت پہونچتی ہے۔ اگرچہ آپ کا کلام قدیم رنگ میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ بجائے خود ایک چیز ہے۔ اور اگرچہ یہ دعوی دوراز کار ہے کہ ہمیشہ ہر مشاعرہ میں آپ ہی کی غزل اچھی رہتی ہے یہ غلط اور بیکار ہے۔ مگر تاہم اکثر شعر اچھے ہوتے ہیں۔ منشی امیر احمد مرحوم کے شاگرد تھے اُن کے انتقال کے بعد جلیل صاحب اور ریاض صاحب خیر آبادی سے اصلاح لی۔ اور اب بھی اکثر اپنی غزلیں ریاض صاحب کو دکھاتے ہیں راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں کبھی کبھی مکان پر تشریف لاتے ہیں۔ ظرافت مستقلاً آپ کے کلام میں نہیں ہوتی مگر کبھی کبھی تفنن طبع کے طور پر کچھ نہ کچھ فرماتے ہیں۔ نمونتاً چند شعر حاضر ہیں جو انھوں نے میرے اصرار پر خود عنایت فرمائے تھے۔

کوئی عاشق نہیں ملتا پریشاں حسن والے ہیں
جنابِ عشق بھی اب لب پہ یا دہنا سنبھالے ہیں

خدائی بھر سے نخرے نرالے دنیا کے نرالے ہیں
یہ وہ ہٹ سیاہ جسے پر جسے لاکھوں کھنڈالے ہیں

ابے او پیر گردوں غیر کے ارماں نکالے ہیں
ہمیں چاکر ہیں رکھتا ہے ہمیں سے ٹالے بالے ہیں

جو کھڑکی سے تمھاری ونٹ سی گردن نکالے ہیں
یہی لیلے کے بھائی ہیں یہی مجنوں کے سالے ہیں

بندر بھبکی دکھائینگے رقیب رو سیہ ہم کو
سنا ہے آجکل تم نے نئے بندر یہ پالے ہیں

تماشہ ہے کہ میں جوتے پہ بھی ہے چاٹ ہونکی
میاں مجنوں زباں جیسی نکالے تھے نکالے ہیں

خم ابرو کسی کا دیکھ کر بدہو میاں بولے
ہجا ڑوں موڑا اس نہیا سے تونے کاٹ ڈالے ہیں

سمجھ کر مٹی کا ہوا مرا دل توڑ ڈالا ہے
ٹمے ہی ننھے منے ہیں تمے ہی بھولے بھالے ہیں

خدا رکھے طویل المرتبہ تاروں سے بھی یہ ہیں
جو تہمد باندھتے ہیں اور لمبی داڑھی ڈالے ہیں

کوئی دھنیا جو ملجاتا تو گل تکیہ میں بنواتا
تمھارے گال کیا ہیں جاناں روئی کے گالے ہیں

کہاں بے موسم گل دہجیاں اڑتی تھیں دامن کی
کہاں اب بن بہار آتی ہیں اور وحشت کے لالے ہیں

تمھاری نا تک بے طرح اب چھتی لگاتی ہے
بلا سے بیٹھ رہتے ہیں ہاتھ تو گردن پہ ڈالے ہیں

ثقاہت یہ مگر وعدہ کوئی سچا نہیں کرتے
جناب شیخ بھی شاید گیا سکہ رہتے تھے اللہ ہیں

گل عارض لئے بیٹھے ہیں بازار محبت میں
کروں کس کس کا میں سودا ہزاروں تن کا لالے ہیں

بھلا دو چار خم میں حضرت صفدر کا کیا ہوگا
پلائے جا انھیں ساقی اگر وہ بہت پینے والے ہیں

شب فرقت عدو سے جان سر بستر نکلتے ہیں
لہو پینے کو کھٹمل کاٹنے مچھر نکلتے ہیں

خدا محفوظ رکھے زال دنیا کی محبت سے
اسی بڑھیا کے مارے نوجواں اکثر نکلتے ہیں

کیا ہے بند ارمانوں کو اپنے دل کی کٹھری میں
تمھیں آکر نکالو یہ کبھوں تو گھونگر سے نکلتے ہیں

ملے جس دن مجھے وہ چاند گنجی کر کے چھوڑونگا
گلی سے آپکی اخبار کیوں ہو کر نکلتے ہیں

دیار عشق میں اے رشک لیلی ہوگئے دیوانہ
میاں مجنوں بھی لیکر ہاتھ میں پتھر نکلتے ہیں

زمانہ دیکھتا ہے ہم گرے جاتے ہیں غیرت سے
جو تھے پردہ نشیں وہ ہانکتے موٹر نکلتے ہیں

بچاتے ہیں جسے عشاق کو نزلہ زکام دیکھ
انھیں کے گھر سے انساں بن کے گھن چکر نکلتے ہیں

بچائیں اپنے اپنے جھونپڑے کہدو رقیبوں سے
مرے پرسوز نالے پھونکتے چھپر نکلتے ہیں

بھلا فیشن کا ہو پردہ نشینوں کا یہ عالم ہے ۔۔۔ سر بازار سینہ کھول کر تن کر نکلتے ہیں
یہ چیٹ سالے کی کہتی ہے اک کمسن کی بادنجی ۔۔۔ پری بننے کو ہیں نام خدا اب پر نکلتے ہیں
رپٹ تھانے میں لکھی ہے تلاشی ہے یہ قیبو کی ۔۔۔ گلی میں شہ چھڑا[1] کے آپ کے زیور نکلتے ہیں
جناب شیخ اس پیرانہ سالی پر بھی اے صفدر
بتوں کے گھورنے کو دیر سے اکثر نکلتے ہیں

[1] شاہ چھڑا کی گلی لکھنؤ میں ایک محلہ ہے ۱۲

ضاحک تخلص ہے مولانا میر غلام حسین کا جو میر حسن صاحب مثنوی سحر البیان کے والد اور میر انیس مرحوم کے پردادا تھے۔ علم عربی و فارسی کے فاضل تھے ناظم و ناثر نہایت اچھے تھے۔ درویش مزاج نیک خو توکل پیشہ شیعی المذہب بزرگ تھے۔ دنیا کے تعلقات قطع کرکے تیس پینتیس برس تک آزادانہ زندگی بسر کی۔ موسیقی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا شوق بدرجہ اتم تھا اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ نا قدردان زمانہ کے رنگ اور کس مپرسی نے دل توڑ دیا تھا۔ اسی وجہ سے قدیم رنگ عاشقانہ کو ترک کر دیا تھا۔ اور ہزل گوئی اپنا شعار بنا لیا تھا مگر اسمیں بھی زبان عجیب و غریب ایجاد کی تھی میر حسن مرحوم نے لکھا ہے کہ وہ زبان ہے جو آدم سے لیکر اب تک کسی متنفس نے استعمال نہیں کی۔ مولوی ساجد کی ہجویں اور مرزا رفیع سودا کی ہجویں ایسی ایسی کہیں جسے اہل زمانہ سنکر پھڑک پھڑک گئے مگر افسوس کہ اُن کا کلام ضائع ہو گیا۔ اور اب کہیں بھی نہیں ملتا چالیس پچاس شعر کی غزل اور ہزل کہتے تھے اس کے شروع میں تھوڑی سی نثر بھی لکھتے تھے۔ ہزل کا صرف ایک مطلع ملتا ہے وہی نقل کرتا ہوں۔

یا ایہا الناس انکہ کرد جہلا نکہ کل تو کچی پرایہ فرویکا سرہ

ضاحک نام و مقام معلوم نہیں اودھ پنچ سابق میں دو شعر کا ایک قطعہ اس تخلص سے ملا وہی نقل کرتا ہوں۔ یہ اپریل ۱۹۰۵ء کے اودھ پنچ میں شایع ہوا تھا

اس زمانہ کی یادگار ہے جب لارڈ کرزن نے ہندوستانیوں کو جھوٹا کہا تھا۔ اور اسی مفہوم کے لئے اکبر مرحوم الہ آبادی نے یہ رباعی کہی تھی۔

جھوٹے ہیں ہم تو آپ بھی ہیں مہرباں ۔۔۔ جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

قطعۂ مذکورہ ضاحک یہ ہے۔

ہمارے لارڈ صاحب خیر خواہ ہند ہیں بیشک ۔۔۔ غلط کل مصلحان سفدت انگیز کہتے ہیں
برا ہے ہماری پالیسی ورلاٹ صاحب کی ۔۔۔ کہ دونوں ہی دروغ مصلحت آمیز کہتے ہیں

اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا قطعہ اسی بحث پہ مصلحت انگیز کے نام سے لکھا ہوا ہے غالبًا یہ بھی انھیں ضاحک کا ہے۔

کل چلتے چلتے سچ کو ملا جھوٹ راہ میں ۔۔۔ قلعی شدہ ہو جیسے کوئی اجبت مسی
پوچھا کہ ایشیا ہی میں کیا ہے ترا رواج ۔۔۔ میری طرف سے کیا ہے ہمیں صرف اب جسی
کہنے لگا کہ ہاں تو ہے سچا معاملہ ۔۔۔ یورپ میں جاکے دیکھے کوئی میری پاکی

ضیغم۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامعلوم الاسم نامہ نگار کا تخلص ہے جن کے یہ دو شعر مل سکے۔ غالبًا شیر خاں نام تھا۔

آں شیر بیشۂ اسد اللہیاں منم ۔۔۔ روباہ را حریف غضنفر نمی کنم
کو مرغ سدرہ کو ز غرور تفر نیستی ۔۔۔ طوبے بہ شاخ سرو برابر نمی کنم

حرف طاء مہملہ

ظریف - منشی حسین الدین نام تھا - ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے - صرف ظرافت کے شعر کہتے تھے جن میں پھکڑ پن بہت زیادہ شامل ہوتا تھا - ایک بیاض سے چند شعر مل سکے لیکن اسکے علاوہ نہ حال معلوم ہوا - نہ مقام و مسکن کا صحیح پتہ لگا

آج ہی گھر کا رقیبوں کے مٹادوں آثار
اُن کی دیوار پہ جا بیٹھوں جو اُلّو ہوکر

ہمہ تن جوش بنا حسن سے تیرے یعنی
رنگیا سارا جہاں بیج سنبھالو ہوکر

نیکیاں بھی کبھی ہوجاتی ہیں سرزد مجھسے
کام تیسے کا بھی کرلیتا ہوں کدو ہوکر

پیٹ زندان مصیبت ہے زمانہ میں ظریف
جو غذا اس میں گئی نکلی وہی گو ہوکر

نوچ کر وہ رہزن دل بوٹی بوٹی لیگیا
پہلے ٹوپی لیگیا تھا اب لنگوٹی لیگیا

کردیا قلاش القصہ تمھارے عشق نے
انتہا یہ ہے کہ بندر آکے روٹی لیگیا

دل کی خارش کو بھی اک زخم بنا جاتے ہیں
جب وہ آتے ہیں نمک مرچ لگا جاتے ہیں

مرا بستر ہے سر رہگذر ہے
نہ مچھر کا غم ہے نہ کھٹمل کا ڈر ہے

مرے طائر دل کو کیا کیجئے گا
فقط چونچ ہے آنکھیں ہیں نہ پر ہے

طرزی - ان کی ظریفانہ شاعری کا بہترین جوہر ظرافت یہ ہے کہ انھوں نے دعوی کیا تھا کہ زبان فارسی بھی اس قابل ہے کہ عربی زبان کا مقابلہ کرسکے - اس کے اسما کو بھی مصادر قرار دیا جاسکتا ہے اور اس سے مختلف صیغوں کا اشتقاق بوجہ احسن ہوسکتا ہے - اسی خیال کی بنا پر انھوں نے اپنی زبان اور شاعری کو اس خیال

اور صنعت پر مبنی کر دیا تھا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کمالات اور خیالات ارباب ادب کے نزدیک ظرافت بن گئے اور اُن کی شاعری سے ظریف شاعروں میں ایک فرد کا اضافہ ہو گیا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ طرزی ایک خوش طبع ظریف المزاج بذلہ سنج شاعر تھے رندان بادہ نوش۔ اور مستان امرد پرست کے لئے شعر کہتے تھے۔ اور اسی مذاق کے لوگ اس کو گلی گلی اور کوچے کوچے شہر میں گاتے پھرتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

در دیدۂ من آکہ بہی ازثقلینا ۔۔۔ پر کردہ ام از مہر تو جیب و بغلینا
جز وصل تو مطلب دلم نیست نگارا ۔۔۔ گر دنیا و عقبی دہیم فی الثلینا
با من دلخستہ اے دلدار بنگیدن چرا ۔۔۔ تو غزال گلشن حسنی پلنگیدن چرا
با مسلمانان مسکیں کافریدن بہرچہ ۔۔۔ با گرفتاران مستضعف فرنگیدن چرا
تا آفتاب چہرہ عیانیدہ مرا ۔۔۔ اے نو بہار حسن خزانیدہ مرا
الا اے مہ کہ زلفت می کمندد ۔۔۔ دل من در کفنت می مستمندد
بدفع چشم اعدائے تو طرزی ۔۔۔ دل خود را در آتش می سپندد
تا ابروئے تو دیدہ جنونیدہ ایم ما ۔۔۔ فتنا ختند خلق کہ چونیدہ ایم ما
قامت خمیدہ و دل چو نقطہ سیاہ داغ ۔۔۔ از عین و شین و قاف تو نونیدہ ایم ما
گہ در فراق روئے تو کاہیدہ ایم ما ۔۔۔ گہ چوں کتاں ز حسن تو ماہیدہ ایم ما
افتادہ دل بچاہ زنخ ساقیا بلطف ۔۔۔ حبل المتیں زلف کہ چاہیدہ ایم ما
در جنب رحمت تو بود در حساب ہیچ ۔۔۔ ہر چند بے شمار گناہیدہ ایم ما
اگر بے تو ہرگز شرابیدہ باشم ۔۔۔ بکانون ہجرت کبابیدہ باشم
خورد خواب بر من حرامیدہ باشد ۔۔۔ اگر در غمت خورد و خوابیدہ باشم
گراز جملہ چاکرانم شماری ۔۔۔ ز لطف تو عزت مآبیدہ باشم

حرف ظاء معجمہ

ظرّاف شیخ نور محمد نام ہے۔ شاید محلہ حسین گنج لکھنؤ میں قیام ہے۔ معمولی سے پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ ہم نے ایک مرتبہ حسین گنج کے مشاعروں میں دیکھا ہے۔ مرزا محمد ذکی سے جن کا اسی تذکرہ میں ذکر آچکا ہے تلمذ رکھتے ہیں۔ بعض بعض شعر اچھے کہہ لیتے ہیں۔

صدا یہ دیتے ہیں وہ ختم اب جوانی ہے ۔۔۔ خرید دگا ہکو سودا دکان بڑھانی ہے
تلاش دل جو تھی تھیلی لئے پھرا برسوں ۔۔۔ تمھارے کوچہ کی اک عمر خاک چھانی ہے
ہیں لوٹنے کے تمھیں خوب نسخہ یاد ۔۔۔ جو سب عشق میں معجون لن ترانی ہے
محاورہ ہے یہ کتنا فصیح سنیے گا ۔۔۔ ذرا سا کیوں میاں پشتا منک بیانی ہے
کفن میں چوروں سے اپنے بانہ پھیر تاہوں ۔۔۔ سنا ہی جب سے کہ دنیا یہ دار فانی ہے
گھٹا گھٹا کے سر آتا ہی غیر واہ رے شوق ۔۔۔ بنی جو یار کے جوتہ پہ کامدانی ہے
نہ ہے کسی سے رفاقت نہ کوئی اپنہ مرے ۔۔۔ میں جسپہ مرتا ہوں مفلس سا اک کرانی ہے
ادھر حسین ہے بیٹھے کوئی دکان کھولی ۔۔۔ صدا وہ دیتے ہیں شربت بھی زعفرانی ہے
دبا کے دیکھتے ہو آنکھ اثر ہے صحبت کا ۔۔۔ ضرور شیخ جی جورو تمھاری کانی ہے
تماشے لے گئے سرکار لاد کر غلّہ ۔۔۔ شکم میں آپکے گھر میں مرے گرانی ہے
کہیں نہ آپکو اس دل لگی میں ہو خفت ۔۔۔ نہ کھینچیے کہ لنگوٹی مری پرانی ہے
ہے صدقہ آپ پہ آپ اسپہ کیوں نہیں مرتے ۔۔۔ غضب کی آپکے ظراف پر جوانی ہے

ظریف۔ میراں اللہ نام تھا لاہور کے رہنے والے تھے۔ لیکن چالیس برس تک

وطن سے علیحدہ رہے اور دلی یا بنارس میں قیام رہا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ نہایت عمدہ ظرافت گو تھے۔ مگر افسوس کہ ظریفانہ رنگ کا کلام نہ مل سکا۔ ترتیب تذکرہ گلستان سخن کے وقت زندہ و بخیریت تھے۔

ظریف ۔ سید ظریف حسین نام ہے ظریف تخلص ہے۔ قصبہ تسہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہیں ۱۹۱۵ء میں دلی میں تھے۔ اب کا حال معلوم نہیں۔ چند شعر ظریفانہ ان کے دستیاب ہوئے۔ وہ درج تذکرہ کئے جاتے ہیں۔

تمھاری چاہ مبارک ہے عدو کے لئے ۔۔۔ اگر یہ چاہنے والے ہیں آخ تھو کے لئے
پڑھی نماز تیمم سے ہم نے دلی میں ۔۔۔ ٹکے کو آتی ہے بدھنی یہاں وضو کے لئے
بتائیں کیا تمہیں صرف کفش شوق جمال ۔۔۔ ہزار جوتیاں ٹوٹیں اک آرزو کے لئے
ازل سے تم نے نہ کی اپنے فائدہ پہ نظر ۔۔۔ کہ جتنے چاہنے والے لئے وہ بھو کے لئے
ملا جو غیر سے تو اس سے پوچھنا یہ بات ۔۔۔ چلن سے چوکے کس کے لئے شاو کے لئے
تمہارے لال کا دامن نکل گیا مریم ۔۔۔ منگا کے سوزن عیسیٰ رکھو رفو کے لئے
ظریف ہے یہ تمنا ظریف کو دیکھیں ۔۔۔ تڑپتا رہتا ہے دل اپنا لکھنؤ کے لئے

محبت اپنی بیوی سے یہ دروازہ ہے ایماں کا ۔۔۔ چٹکنا چار سو اچھا نہیں ہوتا ہے انساں کا
پنجے مارتی ہے اس پہ بچے پیار کرتے ہیں ۔۔۔ تعلق کس قدر گہرا ہے بلی اور انساں کا
بہت ہی سخت ہے پردہ کے بارہ میں میری بیوی ۔۔۔ ڈپٹتی ہے اگر دیوار سے بچے نے بھی جھانکا
جہاں بخیہ کیا ہے سائے دامن محبت کے ۔۔۔ لگا دو اچھی بابی تم گریباں میں بھی ٹانکا
بھلا سمجھی ہو کیونکر یہ سب کے دل میں گھر کرلیں ۔۔۔ اطاعت ان کی دیکھو اور غصہ فرماں کا

ظریف - سید مقبول حسین نام ہے۔ مولوی گنج لکھنؤ میں رہتے ہیں جناب صفی لکھنوی کے چھوٹے بھائی اور محمد جعفر صاحب بہار سکریٹری معین الادب کے ساڑھو ہیں -

بقدر ضرورت فارسی اور ترکی سے آشنا ہیں - نہایت خلیق نیک مزاج ہیں اس سے پہلے شیعہ یتیم خانہ کے سکریٹری تھے - مگر دو تین سال سے اب کوئی تعلق اُس سے نہیں ہے - جناب ظریف کی عمر اب تخمیناً ۵۵ یا ۶۰ برس کی ہوگی حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ظرافت وہ ظرافت ہے جس کا نشان بڑے بڑے پختہ کاروں کے کلام میں بھی نہیں ملتا - اس میں شک نہیں کہ بہ نسبت آمد کے اُن کے کلام میں آورد بہت زیادہ ہے - اور لفظ لفظ سے بناوٹ اور تصنع ظاہر ہوتا ہے - قدیم تشبیہیں اور استعارات جابجا موجود ہیں - اور کہیں کہیں دائرہ ظرافت سے علیحدہ ہو کر کلام ہزل سے بھی مماثل ہو جاتا ہے - مگر با ایں ہمہ اُن کی پختہ کاری - مشاقی - زباندانی - اور خلقی ظرافت کلام کو مجموعی حیثیت سے اسقدر بہتر بنا دیتی ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی - اُن کے یہاں کے ادنیٰ اور بیش پا افتادہ مضامین ایسے ہیں جن کا مقابلہ بڑے بڑے ظریف نہیں کر سکتے اور بلا شک ظرافت گوئی میں وہ ہندوستان کے تمام شعرا میں ایک بڑا اور خاص امتیازی درجہ رکھتے ہیں - ظرافت کے رنگ میں ہر صنعت میں اُن کا کلام موجود ہے - اور اُن کی بعض بعض بلکہ اکثر نظمیں ایسی ہیں جن کا جواب نہیں ہو سکتا - نہایت خلیق اعلیٰ درجہ کے سخن فہم ہیں - زبان اردو کے سچے بہی خواہ ہیں - چنانچہ زمانہ حال میں بعض بعض جریدہ نگاروں نے جو ایک جدید روش اختیار کر کے اردو کو خراب کرنے پر کمر باندھ لی ہے آپ اُن کے خلاف ہمیشہ اخبارات میں نظمیں لکھکر صدائے احتجاج بلند کرتے رہتے ہیں - میں چاہتا تھا کہ جناب موصوف کا نیا کلام بھی درج کروں - مگر ایسا اتفاق ہی نہ ہوا کہ اُسے حاصل کر سکتا - مجبوراً رنگ قدیم ہی سے کچھ اشعار درج کرتا ہوں -

جنوں میں کیوں چلا میں مڑ کر پھول چوم میرا
حماقت کی نشانی بن گیا نقش قدم میرا

شمیم زلف مشکیں سونگھ کر نکسیر پھوٹی ہے
تجھے بالونکی بو سے ناک میں آیا ہے دم میرا

وفور شوق میں معشوق کو دے پٹکتا ہوں
کوئی خلوت سرائے ناز میں دیکھے اودھم میرا

ضعیف ناتواں ہوں مجھکو الفت نے بنایا ہے
ہے بھر پیٹے پن کا ذریعہ ہے قدم میرا

یہ دونوں جانور ملکر ایسے کچا ہی کھا جاتے ہیں
شتر گربہ کے ڈر سے آ نہیں سکتا ہے ہم میرا

یہاں فرہاد و مجنوں شیخ چلی ہو رہے ہیں
وہ کہتے ہیں عرب میرا وہ کہتے ہیں عجم میرا

ارے داتا اسے بھرنا نہ بھرنا کام ہے تیرا
مگر کشکول سائل سے مشابہ ہے شکم میرا

فلک سا ہے بلند کئی مرتبہ دل کا
جواب شیش محل ہے دو منزلا دل کا

ستارے ہیں جو ان کے معاملا دل کا
پڑا ہوا ہے کھٹائی میں فیصلہ دل کا

علم کسم ابھی دار وے درد ملجائے
کہیں تو حال للاین سے کچھ للا دل کا

علم میں جھینگر سے بڑھکر کامراں کوئی نہیں
چاٹ جاتا ہے کتابیں امتحاں کوئی نہیں

آئے مس ہیں کہ جڑواں انکو کہنا چاہیے
پرچیا تو فلک نہیں جواں کوئی نہیں

حضرت حوا سے کم کچھ حضرت عیسیٰ نہ تھے
باپ انکا بھی نہیں گر ان کی ماں کوئی نہیں

لکھنؤ دہلی انھیں شہروں پہ کیا موقوف ہے
ہر جگہ اہل زباں ہیں بے زباں کوئی نہیں

مستقبلوں کے پیٹ سے آتی ہے یہ صدا
میں اک قرابہ ہوں عرق خانہ ساز کا

شیطان کی جو آنت سے ہوتا مقابلہ
کھل جاتا حال آپ کی زلف دراز کا

کچھ ایسی غم و رنج کی ہے کہنہ رنجائی
ابر اگر اٹھ آیا تو استر نہ اٹھے گا

اغیار کی شرکت اٹھانی بھی گراں ہے
مجھسے ترے احسان کا چھپر نہ اٹھے گا

تا حشر کہرے میں تو ہی بند رہے گا
مردے سے اگر قبر کا پتھر نہ اٹھے گا

یہ شب کو پوچھ رہا تھا کل اس سے اک آشنا — چرا کھڑا ہے یہاں تو جو کار راہ میں ہے
نئی ادا سے نکالی ہے طرز استغنا — کہ خود کھڑا ہے لب بام دبار راہ میں ہے
ترا جواب یہی تھا دوسرا کی بھٹیاری — کہ واں چولھے پہ ہو اور بگھار راہ میں ہے
ظریف ہے، وہ جو شوخ کس قدر آزاد — جو سر گھٹا ہے لئے پشت خار راہ میں ہے

خیالی ہجر میں فرضی مریض غم کا مرجانا — یہ سب کیا ہی سلامت جھٹ کے پل سے اترجانا
دولتی سے ہٹنا ناز کی غیروں کا مرجانا — یہی تو ہو طویلہ کی بلا بندر کے سر جانا
رخ روشن کا جھڑ جی حسن کا گویا ٹھٹھر جانا — قیامت ہے کسی معشوق کا سن سے اتر جانا
مری آہ حزیں تو پھونکا وہ خالی خولی سرپٹو — وہ آنکا لاٹ صاحب کی طرح تحریر کے گھر جانا
مہندی چوٹی [illegible] ہے یہ معشوق خیالی کا — کہ دزدیدہ نگہ سے دل کا لینا اور مکر جانا
مریض عشق [illegible] ہلچل کا گرنا سرد مہری سے — وہ آخر تختہ مشق اطبا کا بکھر جانا
بچھڑ گیا [illegible] چلانا وہ سرپٹ اپنے ناقہ کا — میاں مجنوں کا چلانا کہ بی لیلی ٹھہر جانا
جو انار [illegible] لگے میں گل لگے مضمون کے لیکر — ظریف اچھا ہو اور دو شاعری کا طاق جانا

سپٹ کر [illegible] ہے ہٹے عشاق کا وہاں ہونا — اور وہ نالہ و فریاد کا جوڑ وال ہونا
گھر سمجھا [illegible] ہے نہ کچھ باپ کا اسکے گھر ہے — غیر کے ساتھ مرے گھر میں مہماں ہونا
خوب نقد دل عشاق کو لوٹا تونے — شہد پن یہ ہے اسے کہتے ہیں سیاں ہونا
یا تو کچھ [illegible] بھی پہنا کر کبھی دکھلا دو ہمیں — یا تو یا ندھا نہ کرو شمع کا عریاں ہونا
[illegible] ہیں وہ دربار پہ میرا پڑھنا — ان کے چہرے کا وہ غصہ سے گلستاں ہونا
صاف الفاظ میں ہے ہلتے ہوئے دانتوں کا [illegible] — دہن یار کا درج در غلطاں ہونا
درد و بیمار یہ کیوں کانپتے ہیں تھر تھر — کیا مرے گھر میں گھس آیا ہے بیاباں ہونا
وہ کفن [illegible] شہیدان وفا دینے لگے — ناپ کر ہر اک کو دو گز کھارو دینے لگے

مغ پیچا کر تشنہ کامان محبت کو حضور — شربت دیدار کا پی پی گھونٹ دینے لگے

جب سے عاشق ہو گئے اس بت پہ جو کیمیا گر — سونے والو جاگتے رہنا صدا دینے لگے

جو بڑے عاشق اسے بڑا کر اور کیا تیغے بہتر — ہو گئے گندہ دہن بوسے وفا دینے لگے

پیٹ ضبط آہ سے عشاق کا پھولا جہاں — دھونکنی کی طرح سے جھٹ ہوا دینے لگے

سسکیاں لیں منہ بسورا عاشقوں کے سامنے — رہ کھیا کر داد کو داد و فغا دینے لگے

اُن کے بیمار کا گھنگھرو بولنا جب سن لیا — جلدی جلدی تال جھٹکا لگا دینے لگے

جب مسیحا سے نہ اچھے ہو سکے بیمار غم — ہو کے کھسیانے سجونا سنکھیا دینے لگے

ترے کپڑوں کی لادی لانا جب یاد کرتے ہیں — تو اکثر شب کے دھوبی کے گدھے فریاد کرتے ہیں

ستم ایجاد کہتے ہیں یہ کیوں معشوق کو شاعر — ستم بھی کیا کوئی کل ہے جسے ایجاد کرتے ہیں

بگولہ ہیں کوئی معشوق آندھی ہیں کہ جھکڑ ہیں — کہ چلکر عاشقوں کی خاک کو برباد کرتے ہیں

سپوتوں کی شادی دخت رز کے ساتھ ٹھہرائی — مبارک حضرت پیر مغاں امداد کرتے ہیں

یہ واٹر پلس کوئی بلی گرم آہیں لگا یا ہے — کہ ہم کو ہچکیاں آتی ہیں جب تب یاد کرتے ہیں

حسینوں کیا تمہارے باپ کے ہیں ہم غلام آخر — جو کہتے ہو طریقہ اب ہم تمہیں آزاد کرتے ہیں

دلیل کسی اپاس سے بڑا کر اور کیا ہو گی — کہ جوڑا یاد نہیں اس شوخ کے بچکانہ آتا ہے

صفت تو دیکھئے ہر چند بدمت خوش درخت ہو — زنانہ یہ پہنکر جامہ مردانہ آتا ہے

پسینہ خال رخ پر یہ تجلیل تد نظم آن کے — گلاب قند میں بھیگا نظر بیدانہ آتا ہے

اذان دیتے ہوئے مرغوں کے آگے پھینک دیتے ہیں — بتوں کے ہاتھ میں جب سبحہ صد دانہ آتا ہے

رقیب آئے تو اس سے چھوٹا لڑنے کا ارادہ ہے — پٹا آتا ہے یا بانک آتی ہے مجھکو یا نہ آتا ہے

مسیحا دیکھ جا پیٹا اپنے بیمار محبت کا — آئے پیٹا یا آتا ہے نہ اب یاد آتا ہے

کوئی دل بیتاب کو ڈانٹے کہ ٹھہر بھی — اُدھالی کے بینگن تو ادھر بھی اور ادھر بھی

جھگڑا لڑنے لگے کوئی تو اقرار ہے منڈا — وعدہ ہو دہی جیسا اگر کبھی ہو مگر بھی

ہے چوک کا بازار ترے دانتوں کا چوکا
دلال زباں ہے جو ادھر بھی ہو اُدھر بھی

گہہ رخ پہ نقاب اسکے ہے گہہ ہاتھ میں تلوار
معشوق وہ معشوق جو مادہ بھی ہو نر بھی

سن لیجیے بغیر اس کے ہے تشبیہ بھی نازک
عیسیٰ ہیں اگر آپ تو اک پالیے خر بھی

تحریر کا عنوان نئی تہذیب نے بدلا
معشوق کے القاب میں ہے مائی ڈیئر بھی

یہ حسن نرالا ہے کہ دو عضو ندارد
معشوق وہ ہے جسکے دہن بھی ہو کمر بھی

کہتی ہے سدا صاحب مقدور کی اولاد
ترکہ ملے ہمکو ارے جلدی کہیں مر بھی

بلبل کہو تم شوق سے ایسے شعرا کو
ایک چونچ بھی جسکے ہو ظریف ادب پر بھی

گو نذر دانی وقت پہ ملتی نہیں ہم پر کھلا
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

آپ نے الٹی رخ روشن سے جالی کی نقاب
میں یہ سمجھا حسن کی دکان کا شٹر کھلا

اسقدر ہے مختصر چادر معیشت کی ظریف
پاؤں پھیلائے فراغت کیلئے بستر کھلا

دال دھوئی ماش کی کھائی گئے نازک تھے دوست
بالش و بستر سے مجھکو آرہی ہے بوے دوست

کی جو کرپا غیر کی ہیں صاف چار ابروے دوست
چونہ ہو برکا چاند بیشک ہوگیا ابروے دوست

عاشقان زرد رو کے طایر دل ہیں مقیم
دو بیسکے بھونج ہیں الجھے ہوئے گیسوے دوست

ڈھونڈتے پھرتے ہیں عاشق پر نشاں پاتا نہیں
آگئی چوڑی سڑک میں سینہ بن کوے دوست

حسن کے دلکش ہلوا پر یہ ہے بنا رخوے دوست
ہے سمندر نانہ یا اڑیل کوئی ٹٹوے دوست

کم حقیقت نقش زن اغیار ہیں بیٹھے ہوئے
دیکھ لو دیکھے نہ ہوں تم نے اگر پسوے دوست

دور تک آہ رقیبوں کو بھگا آتی ہے
مچھر اڑ جاتے ہیں جس وقت ہوا آتی ہے

نجد سے ناقۂ لیلیٰ کی صدا آتی ہے
بلبلاتی ہوئی مجنوں کی قضا آتی ہے

وہی کام آتے ہیں معشوقوں کو دنیا میں فقط | یا جفا آتی ہے یا اُن کو دغا آتی ہے
نفع اتنا تو ہوا اس میڈیکل کالج سے | تیرے بیمار کے جینے کو دوا آتی ہے
رنگ غصہ میں بدلتے ہیں وہ گرگٹ کی طرح | حسن کی اپنے دکھاتے ہیں کرامات مجھے

ظ۔ ح۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جو کاکوری کے رہنے والے ہیں۔ نہایت شوخ ظریف ہیں بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں چندہ کا جیسا زور شور رہا ہے اسکو وہی لوگ جانتے ہیں جن کو بار بار اپنی بھری ہوئی جیبیں خالی کر دینا پڑی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں مصیبت زدوں میں شاعر مذکور بھی ہیں۔ ایک غزل فارسی ملتی ہے جس کے ساتھ یہ عبارت بھی انھیں کے قلم سے نکلی ہے۔

" یا ایہا القوم ہوت۔ کون بے وقت غل مچا رہا ہے۔ ارے میاں تمھیں جاگ رہے ہو یا کوئی اور بھی ہے میں جاگتا ہوا سوتا ہوں اور لوگ خرّاٹے لے رہے ہیں سنو بھی سنو۔

ما ڈہل در گردن وخر در خلاب افگندہ ایم

بہت اچھا کیا ترقی یونہی کرتے ہیں۔ غلط اگر اس کیچڑ نفاق سے مسلمان نکل گئے ہوتے تو کام بنا لیا تھا۔ مگر کمبخت گدہا پھسل پڑا اور ہم لنڈھک گئے۔ ذرا ہاتھ تھام لو۔ خیریت سے ڈھول ملامت قوم کے لئے سلامت ہے۔ آؤ جلدی آؤ اٹھیں تو تمھیں کچھ سنائیں تنہائی میں رونے کا لطف ہے نہ گانے کا۔ ایک تان تم اڑاؤ تو ایک نالہ ہم کریں۔ صدائے برنخاست شاید سمجھے کوئی چندہ مانگنے والا ہے۔ فریب سخن دے رہا ہے کچھ اور نہ لے مرے۔ جوں توں خود ہی اٹھے۔ رہوار کو بھی اٹھایا۔ پھر سوار ہوئے۔ سوار کیا ہوئے حماقت سوار ہوئی۔ وہ یہ کہ قوم پر غصہ آگیا پھر کیا تھا۔ کھلا منھ چلی زبان۔ بجے ڈھول۔ پک پھم۔ پک پھم۔ دھم۔ دھم۔ دھم۔ خلق خدا کی۔ ملک شہنشاہ

مجازی اڈیورڈ ہفتم کا - حال و قال رفارمروں کا - و ہو ہذا -

کوشش اصلاح را در پیچ و تاب افگندہ ایم — ما دل در گردن و خرد در خلاب افگندہ ایم

کار دنیا ہرج گردد از نماز پنج وقت — ما امید از طاعت و چشم از ثواب افگندہ ایم

از زکوٰۃ و حج صلوٰۃ و صوم فارغ گشتہ ایم — شاہد اندر قصص افیون در شراب افگندہ ایم

لکھنؤ زر سیہ پر آباد باشد تا ابد — سایۂ سیمرغ ہمت بر خراب افگندہ ایم

مد و جزر بحر سودا را بماند حسب قوم — دل بہ دریا و سپر بر روئے لب افگندہ ایم

تا قیامت باد نفریں نقص قرآں ہم مثال — بازی پوشند و ما بر آفتاب افگندہ ایم

پہلوان علم مغرب در علیگڈھ آمدہ — گر برو غالب شویم افراسیاب افگندہ ایم

آفریں بر حضرت سعدی چہ خوش فرمودہ است — ما دل در گردن و خرد در خلاب افگندہ ایم

عالی ۔ یعنی نعمت خان عالی شیرازی ۔ ان کا نام اصل میں میرزا محمد تھا ۔ اور نعمت خاں خطاب تھا ۔ مگر یہ اپنے خطاب کے ساتھ ایسے مشہور و معروف ہوئے کہ اصل نام سے بیخبر ہو گئے ۔ ان کے والد کا نام فتح الدین تھا ۔ جو اپنے زمانہ کے ایک زبردست حکیم تھے ۔ میرزا محمد ہندوستان ہی میں پیدا ہوئے اور یہیں نشو و نما پائی ۔ مگر کمسنی کے زمانہ میں اپنے باپ کے ساتھ شیراز چلے گئے ۔ مروجہ اور ضروری علوم بھی وہیں حاصل کئے ۔ شاعری بھی وہیں شروع کی جس میں ملا شفیعائے یزدی کے شاگرد ہوئے ۔ جب شیراز سے واپس ہوئے تو عالمگیر بادشاہ ہندوستان کے زمرہ ملازمان میں داخل ہوئے حیدرآباد کی فتح پر اُن کو زمرہ مصاحبین میں جگہ دیدی گئی ۔ اور سنہ ۱۱۰۴ھ میں بکاول یعنی داروغہ باورچیخانہ کی خدمت پر مامور ہوئے اور نعمت خاں خطاب عطا ہوا ۔

عالی کا مرتبہ شاعری میں بہت بلند ہے ۔ اور کسی طرح متقدمین سے کم درجہ پر نہیں رہا ۔ مگر سب سے زیادہ کمال ان کو ہجو گوئی اور ظرافت نگاری میں ہے اُنکی ہجو گوئی کی ایک خاص وجہ ہے ۔ عالمگیر ایک راسخ العقیدہ سنی المذہب بادشاہ تھا اور نعمت خان عالی شیعہ مذہب رکھتے تھے ۔ اور اسی کے ساتھ اپنے مذہب کے نہایت پکے تھے ۔ اسواسطے یہ ہمیشہ در پردہ ہجو کیا کرتے تھے ۔ عالمگیر کچھ نا سمجھ نہ تھا وہ سب کچھ جانتا تھا ۔ مگر نعمت خاں کی لیاقت کا سکہ اتنا اُس کے دل پر بیٹھا ہوا تھا کہ وہ ہمیشہ ٹال جاتا تھا ۔ چنانچہ ایک مرتبہ بادشاہ کی تعریف میں یہ قطعہ کہکر گزرانا ۔

اے عمر صورت و عثمان سیرت — کہ ابوبکر نگہبان تو باد

روز محشر کہ بخود رمانی — پسر بوسفیاں یار تو باد

بادشاہ اس قطعہ کو سنکر سمجھ گئے۔ مگر یہ کہا (اگرچہ این کہنہ قرم ساق بدانست خود ہجو کردہ است۔ لیکن سعادت ماست بنویسند در بیاض خاص)

ایک مرتبہ بادشاہ نے ایک خصی بکرے کو جسکی داڑھی بہت بڑھی ہوئی تھی اور عمر بھی زیادہ تھی دیکھکر کہا کہ اس کا کوئی نام رکھنا چاہیئے۔ نعمت خان عالی نے کہا کہ حضور ابوبکر نام رکھدیجئے۔ اگرچہ بادشاہ کو یہ بات نہایت ناگوار گزری مگر ہنسکر ٹال دیا۔

غرضکہ اسی طرح بادشاہ۔ اور امراے دولت پر برابر طعن و تشنیع کی بھرمار کرتے رہتے تھے۔ اور سب لوگ اُن کی باتوں کو مسخرگی سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اُنکی ہجویں بقول مولانا غلام علی آزاد مرحوم کے تیغ تیز سے کم نہیں ہیں۔ اُن کی ظرافت نہایت عمیق ہوتی ہے۔ جسمیں قانونی پہلوؤں کو بچاتے ہوئے مشہور ضرب الامثال اور آیات سے صریح گلکاری کرتے ہیں کہ قابل دید ہوتی ہے۔

ان کی تصانیف میں سے دیوان فارسی۔ وقائع۔ جنگنامہ حسن و عشق اور مضحکات بہت مشہور ہیں کچھ ظریفانہ رقعات بھی ہیں جو کہیں نہیں ملتے۔

عالی پہلے اپنے پیشہ کی مناسبت سے حکیم تخلص کرتے تھے مگر کسی شخص نے ایک دن کہا کہ حکیم۔ اور چکیم ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے اسی لئے انھوں نے اس تخلص کو چھوڑکر عالی تخلص اختیار کیا۔

ایک مرتبہ نعمت خان عالی نے اپنا ایک جیغہ مرصع گرو رکھنے کیلئے نواب زیب النسا بیگم دختر عالمگیر بادشاہ کے پاس بھیجا مدتوں تک نہ وہ جیغہ واپس آیا اور نہ روپیہ آیا۔ تو نعمت خان عالی نے یہ رباعی کہکر بھیجی۔ بیگم نے پڑھی اور

پانچ ہزار روپیہ معہ خیمہ کے واپس کر دیئے۔ رباعی یہ ہے۔

اے بندگیت سعادت اختر من　　در خدمت تو عیاں شدہ جوہر من
گر خیمہ خریدنی است پس کو زر من　　ورنیست خریدنی بزن بر سر من

عالی کی ہجووں کا پایہ اسقدر بلند ہے کہ اُن کا جواب اُن کے معاصرین یا
ماتقدمین کے یہاں نہیں ملتا۔ اسمیں شک نہیں کہ ایران میں سیکڑوں ہجو گو اور
ہزال گزرے مگر نعمت خان عالی نے جو طرز خاص ایجاد کیا اسکا کسی دوسرے
شاعر کے یہاں نشان بھی نہیں ہے۔ لطف یہ ہے کہ اگر اُن ہجووں کو متانت کے
لحاظ سے دیکھیئے تو بھی اُن کا پایہ اتنا ہی بلند ہے اور اگر مسخرگی اور ہزل کی نوعیت
سے ان پر نگاہ ڈالیئے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا مسخرہ بھانڈ بھی ان کا
مقابل نہیں ہے۔ وہ ظرافت یا ہجو میں صرف ہزل اور مسخرگی اور الفاظ سے کام
نہیں لیتے بلکہ ہمیشہ اس میں انتہائی معنی آفرینی کا خیال رکھتے ہیں۔ چنانچہ انھوں
نے ایک قطعہ جو کامگار خاں پسر جعفر خاں وزیر کی کتخدائی کے موقعہ پر کہا ہے
دیوان میں موجود ہے جس نے بڑے بڑے ہجویہ قصیدوں کو شرما دیا بلکہ انپر پانی پھیر دیا
ہے۔ ہجو ظرافت ہزل کو نظر انداز کرتے ہوے جب اسکی بلاغت پر نظر ڈالتے ہیں
تو علوم کا ایک ذخار دریا موجزن نظر آتا ہے۔ ایک ایک لفظ کو فصاحت و
بلاغت کا خزانہ کہا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بار دیگر کد خدا شد خان عالی منزلت　　باکمال عز و تمکیں با وقار و زیب و زین
مہرہ در ششدر بیفتد گر گشادی رود دہم　　میزند بر تختہ از ترس حریفاں کعبتین
زاد راہے در سفر بر داشت از ساق عروس　　ماند آنہم ہمچناں بر گردنش مانند دین
نفقہ و کسوت بسر افتاد و ننگ رفتہ جہاز　　قدر جمع من جانب البلدہ بخفی الحنین
آں شد از جبر آور داین شد از اختیار　　ایں بکوں ہم درمیاں ماند است امر بین بینا

زاں طرف خفتن شہ باشد زیطرف خاستن — شرطہا شد وقت ایجاب و قبول از جانبین

گفت بہر من جہاز آوردہ کاید بکار — گفت آرے ہم جہیش آوردہ ام ہم کلبتین

گفت خان الصبر مفتاح الفرج را ساکن است — کثرت استعمال مفتوحش کند لے نور عین

گفت نون شد جزم چشم نیست شد و مد جزر — در محالات است فتح الیاس حد الراحتین

گفت دخلے میکنم بشنو دو قسم آمد حلول — ہست سریانی و طریانی بنا بر مذہبین

گفت تو شکل عروس از ہندسہ گر خواندہ — ضلع عمود آنی المثلث قائماً بالقاعدتین

گفت من در انتظار ساعتم معذور دار — شمس طالع زہرہ راجع ماہ باید در بطین

از طبیبے ہم دوائے خواستم نادیدہ گفت — از برودتہائے تو پیداست ضعف کاتبین

ساخت زر عونی ز خولنجان و جوز و زنجبیل — تودری و دار فلفل سعد قسط و بہمنین

گفت بیخ اینہا نمی آید بکار از من شنو — چارہ ات فصد و دو ابسن دی کی فصد غلطتین

حجلہ ام را مدرسہ کردی تو اے خانہ خراب — ہم زباں آمد بدر دار گفتگو ہم لوتین

دخلہا در موشگافی کار ملازادہ است — تو بحث اللفظ و اعنا کشتہ چوں ملا حسین

یہ پورا قطعہ نہیں ہے۔ بعض اشعار اس سے نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔ اسکی شرح بھی ایک مرتبہ میری نظر سے گزری تھی۔

شیخ در خواب دید شیطاں را — رہزن دین و دزد ایماں را

از صفا بسکہ دل چو آئینہ ساخت — آں لعیں را ہمیں کہ دید شناخت

بملامت عتاب پیش گرفت — بر سرش زد بے دریش گرفت

کہ چہا میکنی تو اے مردود — شدہ از درگہ خدا مطرود

ہم دیگر چو شیخ برد بکار — شد از آں ضرب سست خود بیدار

چوں تریش ز خواب شیریں جست — دید ریش خودش بدست خود است

قلعہ گولکنڈہ کے محاصرہ کے وقت عالمگیر کو جب دقتیں پڑیں اور طرح طرح

کے نقصان اٹھائے یہاں تک کہ لشکر بے سر و سامان ہو گیا۔ تو نعمت خان عالی کے لئے ایک سامان تفریح ہاتھ آگیا اور اس نے طرح طرح کے قصیدے لکھے جن میں سے بعض اشعار منتخب کرکے لکھے جاتے ہیں۔

الہ است اللہ و رحمان خدائے — مگر او کند رحم بر فوج شاہ
رحیم است و غفار آمرزگار — ندانم چہ شد حصۂ ایں سپاہ
رجل مرد و مراۃ زن زوج جفت — جدا گشتہ از یکدگر سال و ماہ
ملک پادشاہ جند لشکر بود — بر اں ضحک و خندہ بریق و قاہ

چیست عنقا و چہ کبریت احمر اشرفی — کیمیا نوکر شدن یک ہفتہ پیش بو الحسن
فقر و فاقہ عیلہ و عسرت صبوری انتظار — انچہ باشد نوکراں بادشہ را در دکن
ممتنع معدوم دیں ہر دو بطرز لفت و نشر — دانہ کاہ و دواب و نفقہ فرزند و زن
الثقیل و الغایظ آبے کہ درین لشکر است — الاجل حکم طبیباں المرض احوال تن
لم یقع چہ فتح قلعہ لم یکن یعنی یورش — سہو سیبہ لہو زینہ لغو توپ انداختن
صدق آں حرفے کہ ہرگز گفت باشد گفتنی — کذب گفتارے کہ سازد مایہ دار و سوختن
فلفسی آنکس کہ بگوید خلا باشد محال — در خزانہ گر رود ہرگز نگوید ایں سخن
ما و لا و ان و لن چوں لم حروف نافی اند — میکنند اینہا عمل در دفتر بخشی تن
من و عن با و الی احتی و فی جر میکنند — لیک از قحطے کہ کار افتد بدیوان دکن
کان صار اصبح و امسی افعال ناقص اند — ہمچو تدبیرات و تسخیرات در ملک دکن

دریں ملک خراب امروز کس را نیست سامانے — چو گنج افتادہ اند اہل ہنر در کنج ویرانے
بسر حدے رسیدہ خلق را افراط ناداری — کہ معنی ہم ندارد ایں زماں حرف سخندانے

سپاہی ہم بمیدان قناعت میکند جولاں   ز شمشیر و سپر دارد دم آبے لب نانے
طبیب از علم طب دریا و میدارد ہمیں معنی   نباشد خوب تر از شربت دینار درمانے
منجم را نشد غیر از فلاکت از فلک حاصل   ز ضعف جوع بیند قرص مہ را گردۂ نانے
ولیس عطار مشتاق است قوت لایموتی را   بچشمش آش و ناں آید چو بنویسد اشنانے
نباشد آنقدر سرمایہ ہم جراح مسکیں را   کہ بر زخم دل خود سرنگوں سازد نمکدانے
چو طفل نے سوار از بہر روزی مید ود کاتب   ز کلک خود کمیتے دارد و از صفحہ میدانے
محاسب سال را بنوشت ماہ روزہ در دفتر   برائے اینکہ معلومش نشد شوال شعبانے
ز حیرت گفت قاری من کلو میخواندہ ام یارب   نخواندم ہیچگہ لا تاکلوا در ہیچ قرآنے
دریں لشکر بہا ہم یار و ہم با خویش می سنجد   نماندہ در دکاں بقال را جز سنگ و میزانے
ز گنڈہ پالی یکے پرسید از روزت چہ ماند آیا   بگفت احوال گر این است بہر ساعتے آنے
صدائے ماتمے از خانہ برخاست پرسیدم   چہ شد گفتند دریں خانہ وارد گشتہ مہمانے
زجائے غلغلہ شادی شنیدم گفت ہمسایہ   کہ شخصے دید شب در واقعہ پر آروا بنانے

اسی طرح قصائد اور نظموں میں جا بجا شاہ عالمگیر کی تدبیروں اور اُس کے لشکر وغیرہ پر پھبتیاں کہی گئی ہیں نثر میں بھی اُن کی ظرافت قابل داد ہے نعمت خان عالی نے سنہ ۱۱۲۱ھ میں حیدر آباد میں انتقال کیا۔

عارف محمد عارف نام تھا۔ دلی کے رہنے والے کشمیری الاصل میر و میرزا کے معاصر شاہ مبارک آبرو کے شاگرد تھے۔ رنگ زمانہ کے موافق کبھی کبھی ظرافت میں بھی شعر کہتے تھے ایک شعر مل سکا۔

درخت رز سے کہو کہ آن ملے
ورنہ عارف افیم کھاتا ہے

عاجز۔ کمترین کے شاگرد تھے اور میر تقی میر کے معاصر۔ اسی زمانہ میں ایک شخص حافظ عبدالحلیم نامی تھے جنکی شاعری بو اسحاق اطعمہ کی طرح صرف کھانوں کی تعریف میں ہوتی تھی اور اسمیں ظرافت کا نمک مرچ لگا دیا کرتے تھے کبھی ظرافت گویوں کو بلا کر مشاعرہ بھی کرتے تھے۔ ان کے یہاں عاجز بھی شریک ہوتے تھے۔ چونکہ عاجز خود ایک اوباش مزاج رند لاابالی تھے۔ اس لئے حافظ حلیم سے خوب بنتی تھی میر تقی میر نے نکات الشعرا میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی کوئی مصرع اچھا بھی کہہ لیتا ہے۔ ایک شعر نمونۃً ظرافت مل سکا۔

دل بغل مارے لئے جاتے ہیں سیاکتب کے طفل　　　شیخ سعدی تم بھی اب لیکر گلستاں دوڑیو

عبید زاکانی۔ قزوین کے نواح زاکان کا رہنے والا آٹھویں صدی ہجری کا نہایت مشہور و معروف خوش مذاق نقاد ظریف۔ شاعر۔ ادیب بلکہ مورخ۔ نظام الدین عبیداللہ نام تھا۔ عبید زاکانی کے نام مشہور تھے۔ شاہ ابو اسحٰق انجو کے زمانہ میں شیراز میں تعلیم پائی۔ اور ضروریات زمانہ کے موافق تمام درسیات سے فراغت حاصل کی۔ ازاں بعد زاکان میں آئے اور عہدہ قضا پر مامور ہوئے۔ چونکہ اس زمانہ میں ترکوں کا بڑا عروج تھا۔ اور تمام ایران انھیں کی حکومت سے متاثر تھا دل کی خواہش کے مطابق کسی فرد بشر کو آزادی نصیب نہ تھی۔ اسی حالت نے عبید زاکانی کے دل میں درد پیدا کیا۔ اور ایک کتاب موسوم بہ اخلاق الاشراف لکھی۔ جو ایک لغت کے طریقہ پر تھی۔ اور اس کے الفاظ لغات سے اس پرآشوب عہد کے تمام حالات ناظرین کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ چنانچہ نمونہ کے طریق پر چند لغات درج کئے جاتے ہیں"

العالم۔ بیدولت + الجاہل۔ دولت یار + الجواد۔ درویش + المخنیس بالذات الامراد۔ طالب علم + المتحب۔ دوزخی + الشاعر۔ طامع خود پسند + العطار

جو سب کو بیمار دیکھنا چاہے + المحروم - وہ ہوشیار جو مستوں کی مجلس میں بیٹھے + القلتبان - سسر + البکارت - اسم بامسمیٰ + المخلوق - دستگیر مفلساں + المشرف - چور + الکلب الاکبر - وہ مولوی جو کسی امیر کبیر کا ملازم ہو + العس - چوریاں کو ڈاکہ مارنے اور دوں کو لوگوں سے پہرہ داری کی اجرت مانگے + القاضی + جو سب پر لعنت بھیجے + الوکیل - حق کو باطل کر دینے والا + الرشوت - بیچارہ لوگوں کی کارساز + الخطیب - تقریر کرنیوالا گدھا + الواعظ - اوروں کو نصیحت آپ کو فضیحت کی مصداق + الندیم - خوشامدی + الطبیب - جلاد + المنجم - کذاب + الملک الموت - ساقی ریش دار + الہادم اللذات ماہ رمضان + الذ والقرنین - دو چوروں کا شوہر + بدبخت - بڈھی عورت کا جوان شوہر + الدیوث - جوان عورت کا بڈھا شوہر + الذات الجنب - ہمسایہ + الریش - غریبوں کی دستاویز + الشیخ - ابلیس + صوفی - دوسروں کی کمائی کھانے والا کاہل + الحاجی - کعبہ کی جھوٹی قسم کھانے والا + البیاکی و شیخی + شریفوں کی تجارت کا سرمایہ + الہیچ و پوچ - شریفوں کا وجود + البیمغز - شرفا کے آداب و تہذیب - الغرور و الحماقت - شریفوں کی گفتگو + الدوکان دار + خدا سے نہ ڈرنے والا آدمی + الدلال بازار کا مستند چور + الشراب - بے چینی اور اضطراب کا چشمہ + بھنگ - صوفیوں کو حال میں لانے والی دوا + الزندہ دل - شراب اور بھنگ دونوں کا استعمال کرنے والا + النوجوان - بڈھوں کی ڈاڑھی پر ہنسنے والا + اللالیعنی - صاحب خانہ کی زندگی + النصیب آوارہ لڑکی کا باپ + الحریف - صاحب خانہ کا بھائی + الخوشی بعد الغم - طلاق ثلاثہ + الخانم - بہت سے عاشقوں کی معشوقہ + البیگم - معدودے چند عاشقوں کی چہیتی + الپاکباز - ایک عاشق پر اکتفا کرنے والی عورت -

غرض کہ یہ تمام لغت اسی قسم کے لغات پر مشتمل ہے - مذاق کے پیرایہ اور ظرافت کے پردہ میں قوم کی بگڑی ہوئی حالت - مظلومی اور بد چلنیوں بد قماشیوں کی

تصویر کھینچدی اور اس کو تاریخ کی صورت میں لے آئے ہیں۔ اور بہت سے مورخوں نے اس کو پسند کیا ہے۔ یہ طرز غالباً عبید زاکانی ہی کی ایجاد ہے۔ جسکا اتباع ملا دوپیازہ۔ اور جعفر زٹلی نے بھی کیا۔ نعمت خان عالی اسکو نظم کے سانچے میں ڈھالا راقم الحروف نے بھی ایک کتاب لغات الظرفا نامی اسی انداز میں لکھی ہے۔ مگر اس سے ذرا اچھی ہوئی ہے۔ کیونکہ اب سے پہلے عبید زاکانی کی اس کتاب کو میں نے نہ دیکھا تھا۔ اسوجہ سے لغات الظرفا میں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ انشاء اللہ آئندہ اضافہ کروں گا۔

عبید زاکانی نے اس قسم کی کئی کتابیں لکھیں۔ جو اب اکثر نہیں ملتی ہیں۔ آنکے ظریفوں کے زمرہ میں شامل ہونے کے وجوہات مورخوں نے جو کچھ بیان کئے ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے۔ کہ عبید نے ایک رسالہ علم معانی و بیان میں لکھا تھا اور خواہش تھی کہ بادشاہ وقت کی نظر سے گزرے۔ مگر عیش پرست بادشاہوں کے یہاں سوائے مسخروں کے علم و دانش کی باتوں کا کیا کام ہے۔ اسی لئے وزراء اور امرا نے عبید کی سعی اور کوشش کو بادشاہ تک نہ پہنچنے دیا۔ یا پہنچی تو بیکار رہی اور کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ عبید نے زمانہ کی ہوا کا رخ دیکھ لیا اور نہایت افسوس کے ساتھ یہ قطعہ کہا۔

اے خواجہ مکن تا بتوانی طلب علم — کاندر طلب راتب ہر روزہ بمانی
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز — تا داد خود از مہتر و کہتر بستانی

اس کے بعد ظرافت اور ہزل کی طرف جھک پڑے اور ایسے جھکے کہ اسی میں عمر گزار دی۔ اب ان کا کلام شائع ہو گیا ہے چند شعر نمونتاً درج کرتا ہوں۔

در علم و ہنر چو من مشو صاحب فن — تا نزد عزیزاں نشوی خوار چو من
خواہی کہ شوی قبول ارباب زمن — کنگ آور و کنگری کن و کنگرہ زن

شاہ ابو اسحق انجو کے معزز وزیر امین الدین نے ایک عورت جہاں خاتون نامے

سے شادی کی تو عبید زاکانی نے یہ قطعہ کہا۔

وزیرا جہاں قحبۂ بو فاست | ترا زچنیں قحبہ ننگ نیست
فراخی و گر را بخواہ | خدائے جہاں را جہاں تنگ نیست

لطیفہ۔ ایک مرتبہ خواجہ سلمان کو عبید زاکانی کی شہرت اور خوش طبعی پر رشک ہوا تو ایک قطعہ نظم کیا۔

جہنمی و ہجا گو عبید زاکانی | مقرر است بہ بد دلیتی و بیدینی
اگرچہ نیست ز قزوین و روستا زاست | ولیک میشود اندر حدیث قزوینی

شدہ شدہ یہ خبر عبید کو بھی پہونچ گئی زمانہ مساعد نہ تھا مجبوراً خاموش رہا۔ ایک مرتبہ اتفاق ہوا کہ عبید کہیں جا رہا تھا ایک دریا پر پہونچا۔ جہاں خیمے پڑے ہوئے تھے۔ نوکر چاکر ادھر ادھر اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ کنیزان ماہرو اپنی اپنی خدمات میں سرگرم دوادوش تھیں۔ غریب عبید نے یہ تزک واحتشام دیکھکر دریافت کیا کہ کون یہاں اترا ہوا ہے معلوم ہوا کہ خواجہ سلمان ہیں۔ یہ تو سن ہی چکے تھے کہ خواجہ صاحب کے خیالات میری طرف سے اچھے نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی ہمت کی اور خواجہ صاحب کی بزم سرور میں پہونچ گئے۔ خواجہ نے پوچھا کہ کیوں بھئی کون ہو کہاں سے آئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ قزوین سے آتا ہوں۔ کہا کہ خواجہ سلمان کا نام تمنے سنا ہے۔ جواب دیا کہ جی ہاں۔ کہا کہ کچھ اسکا کلام یاد ہے۔ کہنے لگے ہاں۔ کہا کہ سناؤ۔ عبید نے یہ دو شعر پڑھے۔

من خراباتیم و بادہ پرست | در خرابات مغاں عاشق و مست
می کشندم چو سبو دوش بدوش | می برندم چو قدح دست بدست

یہ شعر پڑھکر کہا کہ میں نے سنا ہے خواجہ سلمان ایک فاضل متبحر ہے۔ لیکن اسقدر

یہ شعر کیوں کہے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ یہ شعر اسکی بیوی نے کہے ہیں۔ خواجہ سلمان نے یہ سنتے ہی پہچان لیا۔ کہ ہو نہ ہو یہ عبید زاکانی ہے۔ پہلے تو یہی پوچھا کہ کیا تم عبید ہو پھر قسم دلائی۔ جب بہت مصر ہوا تو عبید نے اقرار کیا۔ اور نہایت غصہ ہو کر کہا کہ بغیر دیکھے کسی کی ہجو کرنا علما کا شیوہ نہیں ہے۔ واللہ صرف آپ ہی کے ملنے اور آپ کے کیفر کردار کی سزا دینے کے لئے میں بغداد جا رہا تھا۔ اچھا ہوا کہ آپ یہاں مل گئے۔ خواجہ سلمان نے بہت معذرت کی۔ اور بات گئی گزری ہو گئی۔ اس کے بعد دونوں ہمیشہ دوست بنکر رہے۔

مردم بعیش خوش شد و من مبتلائے قرض	ہر کس بعیش و شغلے و من در بلائے قرض
قرض خدا و قرض خلائق بہ گردنم	آیا ادائے فرض کنم یا ادائے قرض
در کوچہ قرض دارم و اندر محلہ قرض	در شہر قرض دارم و اندر سرائے قرض
عرضم چو آبروئے گدایان بباد رفت	از بسکہ خواستم ز در ہر گدائے قرض
گر خواجہ تربیت نکند مر عبید را	مسکین ہیچگونہ نیارد بجائے قرض

افسوس کہ زیادہ اشعار زیادہ تر خواجہ شان تک پہونچتے ہیں لہذا قلم انداز کرتا ہوں۔

فتحی۔ نام فتح اللہ تھا۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ ہزل اور ہجو کی طرف طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا۔ ملا مشفقی کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی۔

اے مشفقیک چوں تو برو انختہ ایم	با اشتر خود ترا قریں ساختہ ایم
او گوز ہمیزند تو میگوئی شعر	او را بتو در بدیہہ انداختہ ایم

عرش۔ گیا کے رہنے والے ضمیر الدین نام منشی امیر اللہ تسلیم مرحوم کے نہایت

مشہور و معروف اور ممتاز شاگردوں میں ہیں۔ عربی فارسی کی لیاقت بقدر ضرورت شعر کافی ہے۔ اکثر غزلیں رسالوں وغیرہ میں چھپتی رہتی ہیں۔ عرش صاحب کی عمر اب پچاس پچپن برس کی ہوگی۔ گو مجھکو یہ نہ معلوم تھا کہ آپ ظرافت کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں۔ مگر ایک غزل مطبوعہ اسی رنگ میں اودھ پنچ سابق سے دستیاب ہوئی جن کے ساتھ کچھ ظریفانہ عبارت بھی ہے۔ بجنسہ نقل کرتا ہوں وہو ہذا۔

مرزا اردھ پچنا۔ روایت صحیح ہے کہ ایک روز ہیچمدان صبحدم بعد فراغت نماز سحری بیٹھا محو دعائے اصلاح قوم تھا کہ پچھم کی جانب سے ایک لبکھوڑا پڑا نا پختہ ڈیہ پیالا قوال ہاتھ میں سنہری سہانی چوڑیاں پہنے لباس زنانے میں ستارے سے اک بظاہر مرد طرحدار کے جو فی نفسہ زن مکارہ و عیارہ تھی آدھمکا اک عبرت سی ہوگئی تسبیح شریف پھینک کر قریب تھا کہ پاجامے سے باہر ہوجاتا۔ کہ یا شیخ المدد کہکر بڑی زور سے مٹھی میں دل کو جکڑ بند کر لیا وحشت دور ہوگئی اب اس قوال و زن چھبیلے نے یوں الاپتے اور ستار ٹنٹناتے ٹنٹناتے توڑ ہی ڈالا۔ غزلچہ

شرافت تو سمجھتے ہے بدکار بیوی
بھلا کھائے شوہر کی کیوں مار بیوی

نہیں اب جہاں میں وفادار بیوی
کہاں سے کوئی لائے غمخوار بیوی

کرے خاک تاکید پڑھنے کی شوہر
نکلنے کو ہر دم ہے تیار بیوی

اگر اس زمانے میں عیاش بھی ہو
نہیں پیش خالق گنہگار بیوی

نہ کیونکر دعا موت کی مانگے شوہر
بہت آجکل سر پہ ہے بار بیوی

اگر کھانے کپڑے کی تکلیف کچھ دو
لگا دے وہیں جوتیاں چار بیوی

نیا گل کھلا ہے یہ باغ جہاں میں
کہ شوہر جو گل ہے تو ہے خار بیوی

اگر دیکھے بل ابروئے میاں کے
تو دوڑے وہیں لیکے تلوار بیوی

مہذب گھروں کی یہ تعلیم سیکھے
نہ پابند شوہر ہو نہ ہشیار بیوی

کہا ایک ٹھ بیاسے بیگم نے ہنسکر ‏ شریفوں کے گھر کی ہیں عیار بیوی
یقیں کے ہے لائق فقط اسکی عصمت ‏ نگلے کی ہو شوہر کے جو یار بیوی
طرفدار غیروں کی تعریف جب ہے ‏ نہ دے ساتھ شوہر کا زنہار بیوی
مبارک مبارک بلا ٹالی سر سے ‏ جواری جو ہے ہیں گئے ہار بیوی
اگر میلے ٹھیلے میں جانے دو بیدل ‏ تو سو بار تمکو کرے پیار بیوی
کمانے کی حاجت نہیں جب میاں کو ‏ بلا سے جہاں میں ہو بیکار بیوی
خجالت کا دریا رواں بیچ میں ہے ‏ ہیں اس پار شوہر تو اس پار بیوی
کرے گا اگر تیل پانی کی خاطر ‏ رہیگی ترے گھر نہ زنہار بیوی
نہیں نوکری ملتی جب مردوں کو ‏ نہ ہو کیوں کمانے کو تیار بیوی
ادھر ٹھک کے کاموں کو کیوں لگ رہے ہیں ‏ ادھر جام پی کر ہے سرشار بیوی
خصم کی اطاعت نہیں فرض ہرگز ‏ خبردار بیوی خبردار بیوی
میں عاشق ہوں سو جانشینِ وقت پیری ‏ ملی ہے مجھے اک طرحدار بیوی
نہ اب دانت کا ٹو نہ اب ٹر لبس ہیں ‏ ہے دکھتا بہت ہی تن زار بیوی
تری پیٹھ پر سیکڑوں لوٹ جوتے ‏ ترے منھ پہ لاکھوں ہی پھٹکار بیوی

عرشی - یعقوب خاں نام تھا - قصبہ بندکی ضلع فتحپور میں سنہ ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوئے - آبائی وطن دہلی میں تھا - ان کے والد محمد زماں خاں اور ان کے دادا دارالسلطنت دہلی میں شاہ عالم بادشاہ کے توپخانہ کے گولہ انداز تھے - جب بادشاہ موصوف کی آنکھیں نکال لی گئیں - تو اُن کے والد ترک سکونت کر کے اس قصبہ میں آرہے - عرشی مرحوم کی ابتدائی تعلیم و تربیت بندکی میں ہوئی - مگر جب ان کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا - تو یہ ضلع باندا چلے گئے - اور وہیں علوم رسمی کی تکمیل کی -

بعد تعلیم پھر بندکی واپس آئے۔ اور شاعری کا شوق ہوا۔ منشی جمیل الدین صاحب وکیل فتحپور کے شاگرد ہوئے۔ چونکہ نہایت نازک خیال اور خوش گو تھے۔ تمام معزز لوگ ان کی تعظیم کرتے اور ان کو مانتے تھے۔ عاشقانہ شاعری بھی کرتے تھے مگر زیادہ تر نعت گوئی کا شوق تھا۔ مولانا فضل الرحمن شاہ گنج مرادآباد کے مریدوں میں تھے۔ اور نہایت عسرت و تنگ حالی سے بسر کرتے تھے تفنن طبع کے طور پر کبھی ظرافت کے شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ ہجو گوئی میں بھی کمال حاصل تھا کلام میں استادانہ بندشیں۔ نازک خیالیاں۔ خوبی اسلوب بیان بدرجۂ اتم ملحوظ رکھتے تھے۔ آخر وقت تک شعر گوئی کا سلسلہ جاری رہا۔ اور ۱۷ء ۱۹ میں بمقام بندکی انتقال کیا نمونہ کلام ظرافت و ہجو یہ ہے۔

میں بند قبا کو کمر بند سمجھا	عجب بے تکا ہوں خدا جانتا ہے
دو رنگی زمانہ سے ہم تو تباہ ہیں	موچھیں سفید ہو گئیں.... سیاہ ہیں

ایک مرتبہ کلکٹر صاحب فتحپور کو ایک ظریفانہ عرضداشت اپنی غربت و بیکسی کے اظہار کے واسطے لکھی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں۔

اس ضلع کے حضور حاکم ہیں	عرض کیونکر کروں نہ اپنا حال
چھ مہینے گذر گئے کھاتے	خشک روٹی و بن مگھاری دال
نہیں ہوتی نصیب ترکاری	دمڑی کی مولیاں تلک ہیں محال
نیند کیا خاک آئے راتوں کو	چارپائی کا ہے شکستہ حال
شور اب میری تشنہ کامی کا	پانی پت سے گیا ہے نینی تال
پان کی یاد جبکہ آتی ہے	مار کر اینٹ کرتا ہوں منھ لال
جوتیاں تک نہیں مقدر میں	دونوں تلوؤں کی اڑ گئی ہے کھال
پیسے جڑتے نہیں حجامت کو	بال بھی سر کے ہو گئے ہیں وبال

چہرے کا خط بنا ہے اک دفتر — مونچھ داڑھی ہے صورت اشکال
سیہ بختی سے پھٹ گیا وہ بھی — تھا جو کمبل مرا بجائے شال
دود آہ جگر نکلتا ہے — دل کو آتا ہے حقہ کا جو خیال
گھر جو بندگی میں ہے سکونت کا — اس کی بگڑی ہوئی ہے صورت حال
ٹوٹی پھوٹی کھڑی ہیں دیواریں — بیٹھ جائینگی غالباً امسال
دن کو چھنتی ہے دہوپ اسکو ادہر — ہیں چھتیں گھر کی صورت غربال
آندھیاں تہ در شور سے آئیں — اڑکے چھپر پہونچگیا نیپال
مانگتا ہوں گھڑی گھڑی کی خیر — ہر گھڑی ہے مرے لئے گھڑیال

عرشی مرحوم کو اتفاقاً کسی وکسنیٹر سے کچھ صدمہ پہونچا - پھر ان کو تاب کہاں تھی وہ وہ ہجویں لکھیں کہ توبہ ہی توبہ -

وکسنیٹر ہے قوم کا حجام — نائیوں سے کراتا ہے ......
مارے جوتوں کے ہوگیا گنجہ — جھڑ گئے سر کے موے عنبر فام
باندھتا ہے عمامۂ کابل — فرقۂ بد معاش کا ہے امام
آکے بندگی میں بنگیا ہے شریف — باپ دادا تھے نائیوں کے غلام
اے میاں جاتے ہو جو تم گھر کو — اپنی ماں سے ہمارا کہنا سلام
نانی تیری ہے آنکھ کی کانی — جسپہ عاشق ہوے ہیں تو دے رام
اکہ والوں کی رہ کے صحبت میں — تو بھی چلنے لگا قدم ستم گام
اپنی رنڈی کو کہتا ہے مادر — کرتا ہے اس سے روز و شب بدکام

اگر دعوی ہے وکسی نٹیری کا — ہمارے آگے آئے ...... کا
پڑے ہیں جوتے سر پر جھڑ گئے بال — یہی ہے مرد گنجی کھو پڑی کا

مزا ذردے کا کیا جانے کمینہ — وہ کھانے والا ہے روٹی بٹری کا

عرشی کی ہجویں اور بھی موجود ہیں مگر وہ فحش سے قریب اور ظرافت سے دور ہیں اس لئے اور کیا انتخاب کریں مجبور ہیں۔

عرب ۔ میرزا عرب مشہدی تمام ہزل و تمسخر میں جواب نہ رکھتے تھے۔ شعرائے ایران کے دور متوسط کے شاعر ہیں۔

حیوان پرستی جان من ۔ من اسپ و اشتر نیستم — پیشت ندارم عزتے فہمیدۂ خر نیستم

عزیز۔ سید قلندر کاشی کا تخلص ہے ۔ شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ کے ایک زبردست ہزال اور ظراف تھے۔ اتفاق سے بیوی بھی شاعرہ تھی ایک دفعہ عزیز نے یہ شعر کہا ؎

زنم را قحبہ می گفتند و من باور نمیکردم — بحمد اللہ کہ ہر دم تا بچشم خویشتن دیدم

عورت نے فوراً جواب دیا

زنت را قحبہ می گفتند و دیدی — بر و بابا ستر دیدی ندیدی

عکس ۔ بدر الدین نام تھا ۔ مٹیا محل دلی میں رہتے تھے ۔ نہایت بیوقوف اور مسخرے آدمی تھے اسپر آپ کی ہیئت کذائی اور بھی تنزہت ناظرین تھی فلینظر الی الابل کیف خلقت کی بنی بنائی تصویر تھے ۔ بدقسمتی سے شعر و شاعری کا بھی ذوق و شوق تھا ۔ اس میں بھی ایک نئی بات نکالی تھی جب غزل کہتے تھے تو اس کو تین حصوں پر تقسیم فرماتے تھے ۔ نر ۔ مادہ ۔ استادہ تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب سے پہلے روپوش قنا ہو چکے تھے ۔ ایک شعر ملتا ہے

مگر مشتے نمونہ از خروارے سمجھکر اسی پر تمام و کمال کلام کو قیاس کر لیجئے۔

کیوں بے او لُتّے چلا تھا کیا یہ جھگڑا انکو	کس لئے آیا تھا تیرے گھر وہ مکڑا انکو

عشاق - ایک قدیم ہندو شاعر کا تخلص ہے زیادہ حال معلوم نہیں صرف ایک شعر مل سکا۔

سرسبز خط سے اور ہوا حسن یار کا	آخر خزاں نے کچھ نہ اکھاڑا بہار کا

عشرت کسی ریختی گو کا تخلص ہے جن کے دو ایک شعر تو ملے مگر تذکروں میں نہ نام ملا اور نہ حالات کا پتہ چلا۔

خدا نے دی ہے کیا طاقت بوا ایسی جوانی میں	ترے سر کی قسم ہوتی ہے کل سے نہیں انو نہیں
تجھے اپنی پڑی ہے میں مری جاتی ہوں جل جل کے بھی	موئے سنتا نہیں کیا تیل ڈال آیا ہے کانوں میں
حسین بھی ہیں کٹے بھی ہیں مگر کچھ جوش تیرے نہیں	بوا تنگ آگئی ہے عشرت یہ کابل کے پٹھانوں میں

عصمت تخلص ہے امجد علی خاں کا جو ریختی نہایت عمدہ کہتے تھے اور حسین علی خاں لکھنوی شاگرد محمد علی خاں مسیحا کے فرزند تھے چند شعر ملے جو درج کرتا ہوں۔

جو کم سنی میں دیکھ چکی منہ ہزار کے	بیٹھے گی کب خبر تجھے یہ وہ ایک یار کے
بی تم نے کیوں کنوار پنے میں چبائے پان	موتی سے دانت بن گئے دانے انار کے
نرگس کی چھوکری کا وہ دیدہ ہوائی ہے	کندن کو سا را دیدیا گہنا اتار کے

نتیجہ اے بوا اچھا نہیں دو دن کی صحبت کا	کھلے گا تو مہینے بعد گل اس عیش عشرت کا

نہ لیتی نام تک ہرگز نکھٹو کا کبھی ماما
مگر کچھ پاس ہے مجھ کو نگوڑے پوڑہوں کی عزت کا
نگوڑے شیخ نے پھر آج افیوں لا کھائی ہے
میں ڈرتی ہوں بُوا پھر سامنا ہوگا قیامت کا
تری خاطر میاں گھر سے دن ڈھلے آتی ہوں ورنہ
کسی نے آج تک آنچل نہیں دیکھا ہے عصمت کا

عطا - عطا اللہ نام تھا عطا تخلص تھا - عالمگیر کے زمانے میں خوش و خرم دلی میں زندگی بسر کرتے تھے - دلی ہی زاد بوم تھی اور دلی ہی میں پیوند خاک ہوے - اپنے زمانہ کے بانکوں میں تھے - اور تمام وضع قطع وہی تھی - ٹیڑھی ٹوپی لچکا ٹکا ہوا نیچی نیچی ڈھیلی ڈھیلی آستینیں - کرتے کا دامن بہت نیچا اور سپر بیل لگی ہوئی - ڈاڑھی چڑھی ہوا ں مونچھیں بل دی ہوئی کندھے پر ایک رومال - انگلیوں میں کئی کئی انگوٹھیاں اور چھلے ہاتھ میں ایک سونٹا - میر جعفر زٹل سے ہمیشہ نوک جھونک رہتی تھی - نہایت بیباک اور شورہ پشت تھے - ایک مرتبہ بادشاہ نے ناراض ہوکر قید کر دیا اور مدتوں تک زندان مصیبت میں اسیر بلا رہے - اتفاقاً ایک روز بادشاہ نے ایک مصرع کہا -

ع بسترم خاک و خشت بالین است

اسپر دوسرا مصرع حسب دلخواہ نہ لگتا تھا - بہت سے لوگوں نے مصرع لگائے مگر ناکام رہے - شدہ شدہ یہ خبر عطا کو بھی پہونچ گئی - کہا کہ اگر بادشاہ مجھے آزاد کریں اور اس بلا سے رہائی دیں تو ایسا ہی مصرع کہہ دوں گا - بادشاہ نے یہ شرط منظور کر لی عطا نے مصرع کہا ع یکے از سرگزشت من این است - بادشاہ نے بھی وعدہ وفا کیا - ان کا کلام بالکل جعفر زٹل کے رنگ میں ہے - میر تقی میر اور میر حسن نے ان کو اوباش وضع لکھا ہے' نمونۂ کلام یہ ہے -

اے در بر دحسن تو کشتہ بہ چار چشم
زیر خرزدہ نہفتہ چو آہو بہ چار چشم
بر فلک شب نمی طپد انجم
دل ز ستم تو سہم می دہد کہ

دست و پا میزند عادو درزن　　ہمچو پدڑی کہ در قفس پھڑکد

عقاب جناب قمر بدایونی کے ایک شاگرد ہیں۔ عمدہ شعر کہتے ہیں ظرافت بھی نہایت شستہ ہوتی ہے۔

کہتا تھا میں کہ پردے کی مٹی ہوئی خراب　　بے غیرتی نے بڑھ کے دیا مجھکو یہ جواب
شرم و حیا کے ساتھ وہ دن اپنے جناب　　اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع حجاب
پروانہ جان دینے کو تیار ہوگیا

وہ عورتیں کہ جنکی حیا کا نہ تھا جواب　　کوشاں ہیں اب کہ پردے کی مٹی کریں خراب
اتنا خیال ان کو نہیں تم لے انقلاب　　اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع بے حجاب
پروانہ جان دینے کو تیار ہوگیا

اس پری سے میں نے جب چھپا کر لے پڑھ لیا　　غیر سے بے پردہ ہونا یہ بھی کوئی راز ہے
ہنس کے بولی لے میاں اس بات کا افسوس کیا　　تم ہی سمجھو کہ وہ اک آلہ پرواز ہے

اب دیر کیا ہے آئیے مونچھیں منڈا لیئے　　داڑھی کی گھاس پھوس کو لو کا لگائیے
ڈبے کی مچھلی کھائیے وسکی اڑائیے　　القصہ جسطرح بھی ہو فیشن بنائیے
جو بات اس مئی میں ہے اس جون میں نہ ہو
اک پائنچہ بھی آگے کو پتلون میں نہ ہو

چھوڑی ہے اپنی وضع تو ہر بات چھوڑیے　　مونچھوں کی طرح ناک سے بھی منہ کو موڑیے
جوڑے ہیں پہلے ہاتھ تو اب پانوں جوڑیے　　ہونٹوں کی یل سے کھائیے دانتوں کو توڑیے
پلکیں فضول چیز ہیں انکو بھی مونڈ لیے

ناحق بھویں عزیز ہیں انکو بھی مونڈ لیجیے

جدت کا جس میں دخل نہ ہو چھوڑ دیجیے وہ کام
گھوڑے کے منھ میں بھی ہر دم میاں ہے لگام

ہاتھوں سے قطع راہ ہو ٹھوکریں ہوسلام
اس منھ سے اشتہا لئے ہے یہ طریق عام

جو چیز اس سے قبل تھی رائج وہ چھوڑ دیجیے
عینک سے کام لیجیے آنکھوں کو پھوڑ لیجیے

عمر۔ دکن کے رہنے والے تھے معتبر خاں نام تھا۔ منصب داران شاہی میں کسی عہدہ پر سرفراز تھے۔ شعر و شاعری کا ذوق تھا اور زیادہ تر ظریفانہ رنگ کے شعر کہتے تھے۔ ولی کے زمانہ میں تھے اور انھیں کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ آج تذکروں میں صرف دو شعر ان کے نام سے ملتے ہیں جن میں ظرافت کا ہلکا ہلکا رنگ ہے۔

بس کرو زلف کو لپیٹ رکھو
کیا اسیروں کو مار ڈالو گے

ایک رسوا بہت ہے شہرت کو
جمع کر کیا اجاڑ ڈالو گے

علی۔ قلچماق۔ اوباشِ اصفہان کا سر برآوردہ شخص تھا۔ اسی مذاق کے شعر کہتا تھا۔ ایک شعر یہ ہے۔

تعلیم بچہ یہ دہیت گر ہوس بود
برخیز و سر بیا ہے علی قلچماق نہ

عماد لر۔ ایران کا ایک زبردست ہزال تھا۔ کلام جو ملتا ہے وہ تہذیب سے معرا ہے لہذا نظر انداز کرتا ہوں۔

حرف غین معجمہ

غازی الدین یعنی نواب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر وزیر عالمگیر ثانی - ان کا ایک شعر اس رنگ میں ملتا ہے - گمان ہوتا ہے کہ شاید مستقلاً ظرافت کے اشعار کہے ہوں بہر حال شعر یہ ہے -

سر سے پاؤں تک سفیدی آگئی تسپر حال　　　شمع سی ہمنے نہیں دیکھی کوئی بوڑھی چھنال

غمگین - مولوی عبد القادر مرحوم متوطن رامپور کا تخلص ہے نہایت جید نہایت عالم و فاضل تھے - مراد آباد میں عہدہ جلیلہ صدر الصدوری پر ممتاز تھے تذکرہ صابر میں لکھا ہے کہ باوجود پیرانہ سری کے ظرافت پسند تھے مگر افسوس کہ انکا کچھ کلام ظریفانہ درج نہیں کیا صرف دو تین شعر جن میں شوخی بیان پائی جاتی ہے درج کیے ہیں -

خدمتیں ساری فراموش شکایت اک یاد　　　شبہ میں اک خطا کے ہمہ نیکی برباد

بندگی صاحب من خانۂ نیکی آباد　　　گر تہادت ہمہ این است زہے نیک نہاد

در شتت ہمہ این است زہے نیک نہاد

جو بچے رہی تو تو شیشہ جھکا کے ساقی نے　　　کہا یہ رندوں سے لیجئے سلام شیشہ کا

بندہ کی طلب ہووے تو سرکار میں آوے　　　خلوت میں نہو حکم تو دربار میں آوے

غیاث الملک ۔ افسوس ہے کہ نہ آپ کا نام معلوم ہو سکا۔ اور نہ حالات کا پتہ چلا صرف (علامہ غیاث الملک کے معنی بیز خیالات) کے عنوان عظیم الشان سے ایک غزل مل سکی۔ جو مرزا غالب کی غزل پر کہی گئی ہے بفضلہ معنی سے بالکل معرا معلوم ہوتی ہے۔ مگر اُن لوگوں کے لئے سامان عبرت ہے جو عظیم الشان پر عجب اور سنگین الفاظ رکھکر شعر کے مقصود اصلی تک پہونچنا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو غالبًا اس صدی میں علامہ غیاث الملک سے ایسے شاعر ایک ہی دو پیدا ہو کر پیدا وار بند ہو گئی ہوگی اور ع ترا کشیدہ دولت از قلم کشید خدا۔ والا معاملہ پیش آیا ہو گا۔ بہر صورت غزل یہ ہے۔

شب چراغ شعل تصدیع خم فانوس تھا — کسوت شمعوں کا خ غیرت فانوس تھا
زار آور شمومیں غرفش نا قوس تھا — لایح لامع لعوق زاہد سالوس تھا
زندر و ذیلع ثریغ آسودہ ناموس تھا — زورق رو ہلاک تختہ کابوس تھا
شبع لذاغ ایاد خلاغ عنت ریود — قسوت قرطاس قیطاس قاموس تھا
قلقل صغلے ترح کرو بیال — محیط مخروط آلعب شمسہ قابوس تھا
مزل نخاس کوس چلنفاس جوع — قلع زنگا رقسط قصر کیگاوس تھا
شحنہ جوع البقر جم مغاک قعر صیغر — صفر نت نفوس نیرنا ؤس تھا
مخلع کلغ خشون نربل کیفا اللبوس — بسر مس ملین قطرب جاسوس تھا
صعفر نفرس قاع حاطماق لیف خلد — محبس قطبی فصال نفخ لطلیموس تھا
حرقت محرق قسطاس نق جا و برد — شیون شیخ خل گرزم گنجوس تھا
سرت ناسو ت سود فلسطین مستقیم — سوسما رسو و سنباب طائر محبوس تھا
سند لولوس حجاب سنوات رقود — سم سلجوق حمار قطر جالینوس تھا
لخشہ لحن نکبا قمر منجیا روث — فصد قشر نمی خمار رغبت طاوس تھا

لف ونشر حریر شیاد خناس شیل — نیر فے یاز و مکاڈ و جنگ زا ررس تھا
قاقم ار جلع تھا قرطاب نشف نعتاس — طارم فقدان لسپچ ضوء شمس لوس تھا
طمطراق انسر طائر قدغن بنت العنب — فیلسوف شخ شیوع شغشہ معکوس تھا
ضعف شرح طا طامات صغینہ المحذر — حف لقف عتق تموج حسرت ما یوس تھا

عشرغون ۔ ایک پختہ مشق شاعر ہیں جو تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی ظریفانہ رنگ میں بھی شعر کہہ لیتے ہیں ۔ میرے دوست ہیں ۔ مگر وقار ذاتی کی وجہ سے اجازت نہیں دیتے کہ ظریفوں کے ساتھ اُن کا نام بھی اس تذکرہ میں آئے ۔ چند شعر بہت سے تقاضوں کے بعد مرحمت فرمائے ہیں وہی درج کرتا ہوں ۔

ہوا ہے گھر ہمارا جب سے برباد — وہ کہتے ہیں ہمیں بندر کی اولاد
یہ جوشِ تمکنت اللہ اکبر — کہ جیسے آپ کا دادا تھا شداد
لباس تو ہے لی شیریں کی پہنیا — نیا تیشہ خریدیں بھائی فرہاد

وصل کی دھن میں مجنوں کی یہ کیسی عمر بیتا — آجکل مجنوں کے چوتڑ پر لنگوٹا بھی نہیں
بھنگ گھوٹی پونہی پھاٹک کے سوتے ہیں ہم — کوئی کونڈی بھی نہیں ہے کوئی سوٹا بھی نہیں
کون سی بات لیلیٰ کے وہ شوہر ٹھہرے — بھائی مجنوں ہے تو ہیں عمر میں چھوٹا بھی نہیں
نازنیں مجھسے بچے پھرتے ہیں ناحق غل — کچھ بھد بلبل بھی نہیں ہیں کوئی موٹا بھی نہیں

دنیا ہے نظارۂ حشر کی بدلجائے — نیفہ سے اگر ان کا کمر بند نکل جائے

حرفِ فا

فتحی۔ نام فتح اللہ تھا۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ ہزل اور ہجو کی طرف طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا۔ ملا مشفقی کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی ۔

اے مشفقیا چو با تو پرداختہ ایم ۔ با اشتر خود ترا قریں ساختہ ایم
دو گوز ہمیں نہ تو میگوئی شعر ۔ او را بتو در بدیہہ انداختہ ایم

فدا۔ مولوی عبدالوحید نام ہے ۔ گلاوٹھی ضلع بلند شہر کے رہنے والے ہیں مگر بسلسلۂ ملازمت عرصہ سے مین پوری میں قیام ہے ۔ مرزا داغ مرحوم کے ایک خوش فکر خوش مذاق شاگردوں میں ہیں۔ نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں۔ کبھی کبھی مزاحی شعر کہہ لیتے ہیں دو شعر جو ان کے صاحبزادے سے بہت عرصہ ہوا سنے تھے وہ آجتک دماغ میں محفوظ ہیں۔ فدا صاحب کی عمر اسوقت تقریباً ساٹھ پینسٹھ برس کی ہوگی۔ سُنا ہے کہ اب بوجہ ضعف بصارت مشاعروں میں بھی شریک نہیں ہوتے

کوئی ٹیٹو بنے گر لاکھ مسٹر ہو نہیں سکتا ۔ مقابل لوٹ کے ہرگز سلیپر ہو نہیں سکتا
نہ دو اچھا نہ دو اچھا نہ ولایت کے کرلے ہو ۔ مرے ٹیپو کو کیا ٹکر ایسر ہو نہیں سکتا

فدا۔ سید محمد علی نام تھا۔ مگر لوگ ان کو ان کے عرف فدا شاہ کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ لوہاری متعلقات سہارنپور کے باشندے ۔ سپاہی پیشہ خوش اختلاط

نیک مزاج پسندیدہ خو تھے۔ مگر اول اول میں ان کے کلام میں شوخی زیادہ ہوتی تھی اور لوگ اسکی تعریف کرتے تھے۔ آخر کار غزل گوئی ترک کر کے آخر عمر میں ہزل گوئی پر مائل ہوگئے۔ مگر کلام عنقا ہے۔ ایک ہی شعر مل سکا۔

جسنے کھایا ہے تیر مژگاں کا — اس کے نزدیک پھانس ہے بھالا

فدائے سخن۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار تھے۔ جن کا اب باوجود تلاش کوئی حال نہیں ملتا۔ انداز بیان سے ابوالکمال مولانا امید کا کلام معلوم ہوتا ہے۔

لونڈے کہتے ہیں یہ دہڑلے سے — شوق ہے ہمکو گیند بلّے سے
سچ تو ہے بندۂ ضلالت کو — کیا غرض کعبہ یا مصلّے سے
ہاں للا ہیں وہی بدایوں کے — کل ملے تھے جو اک بلّے سے
دیکھنے آج میر صاحب کو — لوگ آئے ہیں ہر محلّے سے
غیر کو بدہیاں پنھائی جائیں — ہم گئے گزرے ایک چھلّے سے
رنڈیاں چوک کی الجھتی ہیں — ایک عاشق مزاج جھلّے سے
شاعری ہند کی ہے وابستہ — آجکل جاہلوں کے پلّے سے

فرد۔ تخلص مولوی وحید الدین خاں نام تھا۔ خدا بخش خاں عرف دہنگا ضلع مظفرپور کے رہنے والے تھے۔ اشعار عاشقانہ لیکن اکثر ظرافت آمیز کہتے تھے۔

بند انگیا کے نہ بند ہولے کبھی — عمر بھر بندہ تو نا محرم رہا
سطح سینہ پہ ترے ابھار نے کیا — ابھرا ابھرا نظر آتا ہے کچھ اٹھا اٹھا

درخت بار ور میں بدمقا ہے باغباں کھٹکا　　وہاں چھاتی ہے گدرائی بھلا کیونکر یہاں کھٹکا

فصاد - نجو حجام دہلوی شاگرد شاہ نصیر کا تخلص تھا۔ صاحب تذکرہ گلستان سخن اس کی بابت لکھتے ہیں کہ "نہایت ظریف خوش طبع کشادہ رو نیک خو تھا۔ شاید شعر گوئی سے غرض یہ تھی کہ موتراشی کے ساتھ موشگافی کو جمع کرے۔ چونکہ اس کے اشعار تذکرہ میں لکھنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں۔"

بادہ کے ہمیں پینے سے کیا کام ہے ساقی　　مے خون جگر آبلہ ہے جام ہمارا

افسوس ہے کہ اس شعر کے علاوہ اس کی ظرافت کا کوئی شعر مجھے بھی نہ مل سکا۔

فغان - اشرف علیخاں نام تھا فغاں تخلص احمد شاہ بادشاہ کے برادر رضاعی تھے۔ تمام تذکرہ نویس ان کی بذلہ سنجی اور ظرافت گوئی کے مقر ہیں۔ میر صاحب نے لکھا ہے کہ ان کی دو پھبتیاں بہت مشہور ہیں ناگرمل دیوان تن کو گھی کی منڈی کا سانڈ اور حکیم معصوم کو گاؤ گجراتی کہتے تھے۔

مولوی محمد حسین آزاد تذکرۂ آبحیات میں ان کی نسبت یہ لطیفہ لکھتے ہیں۔ خدا معلوم سچ ہے یا اپنی عادت کیموافق صرف دل لگی کے لئے بات کا بتنگڑ بنا دیا ہے بہر حال لطیفہ یہ ہے۔ کہ

راجہ شتاب راے کے دربار میں انھوں نے ایک غزل پڑھی جسکا قافیہ تھا لالیاں۔ تالیاں۔ وغیرہ۔ سب سخن فہموں نے بہت تعریف کی۔ راجہ صاحب کی صحبت میں جگنو میاں ایک مسخرے تھے ان کی زبان سے نکلا کہ نواب صاحب سب قافیے آپ نے باندھے مگر تالیاں رہ گئیں۔ انھوں نے ٹال دیا۔ اور کچھ جواب نہ دیا۔ راجہ صاحب نے خود فرمایا کہ نواب صاحب سنتے ہو جگنوں میاں

کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مہاراج اس قافیہ کو بتذل سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ اور حضور فرمائیں تو اب بھی ہو سکتا ہے۔ مہاراج نے کہا کہ ہاں کچھ تو کہنا چاہیئے۔ انھوں نے اسوقت پڑھا۔

جگنوں میاں کی دم جو چمکتی تھی رات کو سب دیکھ دیکھ اسکو بجاتے تھے تالیاں

تمام دربار چہک اٹھا اور جگنوں میاں مدہم ہو کر رہ گئے۔

اسی طرح ہر تذکرہ سے یہی پتہ چلتا ہے مگر افسوس کہ اُن کا ظرافت کا کلام تھوڑا سا بھی بہم نہ پہنچ سکا۔

فنا تخلص تھا شیخ باقر نام تھا کالپی کے رہنے والے تھے۔ حافظ ضیغم مولوی عبدالکریم خاں آشنا اور مولوی محمد مظہر وصل وغیرہ بہت سے شاعروں سے اصلاح لی تھی کلکتہ میں پیشۂ تجارت سے اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ ریختی گوئی کا شوق تھا۔ بارہ سو اکاسی ہجری میں زندہ تھے۔ ایک شعر مل سکا۔

کل رپے سونا کو منگوا کر دیے ٹکسال سے اشرفی خانم کھوتگی جا کے کندن لال سے

حرفِ قاف

قاآنی۔ حبیب نام تھا۔ اور مدت تک یہی تخلص تھا ایران کے شاعر تھے۔ نہایت مشہور و معروف تھے بلکہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے اور غالبًا نہایت صحیح ہے کہ دور آخر میں قاآنی سے بہتر ایران میں کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا۔ ان کی زبان نہایت صاف تھی۔ کلام میں جوش روانی بدرجۂ اتم تھا مگر خیالات زیادہ تر سطحی تھے۔ جب ان کی شعر و شاعری کا چرچا ہوا تو حسن علی مرزا گورنر خراسان نے ان کا تخلص قاآنی قرار دیا۔ اور انھیں کے ساتھ مرزا عباس سکین کا تخلص بھی بدلوایا اور فروغی تخلص رکھا۔ قاآنی اگرچہ مستقلاً ظرافت نہ کہتے تھے مگر تفنن طبع کے طور پر مختلف رنگوں میں شعر کہہ لیا کرتے ۱۲۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۷۰ھ میں انتقال کیا ایک نظم کے چند شعر دستیاب ہوئے جو ہکلوں کی زبان میں کہے ہیں۔ بقیہ اشعار ان کی گلستاں سے منتخب کرتا ہوں۔

پیرکے لال عمرگاہ طفل الکن — می شنیدم کہ بدین نوع ہمی اند سخن

کاے زلفت صصصبحم شششام تاریک — وائے ز چہرت شششامم صصصبح روشن

تتترا کیم واز شششہد لبت — صصصبر تتتاب کرر رفت از تتتن

طفل گفتا ممن را تقلید مکن — گگگم سوز بر مے کہ کلمتہ از زن

می خواہی مششتے بہ بکلت بزنم — کہ بیفتد مغزت میان دو دہنا

پیر گفتا دو دانشم معلوم است این گگز ادم من بچارہ ماد رالکن
دہ دہ ہفتا دو دہ ہشتا دو سلسلست فنون گر گہ گنا گف ل ل للالم بہ بہ خلاق زمن
م م من ہم گ گ گکم م م مثل ت ت تو تو تو تو ہم گ گ گگی م م مثل م م من

قائم - میر صاحب اور میر حسن نے اپنے اپنے تذکروں میں ان کا نام محمد قائم لکھا ہے مگر تذکرہ گلشن بے خار اور تذکرہ نساخ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد قیام الدین نام تھا - بہر حال چاندپور مدینہ ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے - اول میں میر درد کے شاگرد رہے بعد ازاں سودا کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے - نہایت قادر الکلام اور خوشگو تھے - تمام اصناف سخن پر قدرت تامہ حاصل تھی - مثنویاں کہنے میں بڑی مہارت تھی - تفنن طبع یا رنگ زمانہ کی ضرورت سے ظرافتیں بھی شعر کہتے تھے - بلکہ اس میں بعض اوقات اتنے بڑھ جاتے تھے کہ فحاشی تک نوبت پہونچتی تھی - ایک بڑا کلیات ہے جو اصناف سخن طرح طرح کی ظرافتوں ہجووں غزلوں قصیدوں رباعیوں وغیرہ سے مالا مال ہے اور عنقریب ایک مطبع سے شائع ہو کر نکلے گا - بعض تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ان کا لکھا ہوا ایک تذکرہ بھی ہے - مگر وہ مفقود ہے - قائم کی عمر کا زیادہ حصہ دہلی میں بسر ہوا اسی وجہ سے تمام اہل تذکرہ اور استادان زباندان باوجود چاندپوری ہونے کے ان کو مسلم الثبوت استاد جانتے اور اُن کی استادی کو مانتے ہیں - چنانچہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ "چوں از ابتدائے جوانی در شاہجہان آباد بسر بردہ بنا بر آن محاورہ او درست گشت" سنہ ۱۲۱۰ھ میں انتقال کیا - اُن کا کلیات ترتیب تذکرہ کے وقت مجھکو نہ مل سکا اس لئے کہیں کہیں سے اس رنگ کے اشعار انتخاب کر کے لکھتا ہوں - ورنہ اُن کی کلیات میں بہت کچھ موجود ہے خصوصاً گوزی نامہ عجیب چیز ہے -

کیا پشم ہیں دنیا کے سب اہل نعیم — بیقدر کریں ہمکو جو دیکر زر و سیم
مسجد میں خدا کو بھی نہ کیجیے سجدہ — محراب جو خم نہ ہو برائے تعظیم

گندمی رنگ ہے جو دنیا میں — میری چھاتی پہ مونگ دلتا ہے
کبھی دکھا کے کمر اور کبھی دہاں مجھکو — نت ستبنگ کیا تو نے ارے میاں مجھکو
قایم یہ جی میں ہے کہ تقید سے شیخ جی — اب کے جو میں نماز کروں بے وضو کروں

قرم ریختی کے انداز میں پانچ سات شعر ملتے ہیں لیکن نام وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں مجبوراً صرف شعر ہی نقل کرتا ہوں۔ مگر شعروں میں صرف ریختی ہی کا انداز نہیں ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والا اپنے تخلص کو نبا ہنے اور اسم بامسمی ہونے کی برابر کوشش کرتا ہے۔ انداز کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دور حاضرہ سے کچھ پہلے کے کہنے والے کوئی صاحب ہیں۔

چار آنے جو مجھے دو تو میاں تمکو ابھی — جا کے اڈے میں حسینوں کے دکھا لا تا ہو

کس نگوڑی کلموہی نے بد عادی کھتی آپ سے — شہر کے چکلوں میں قرم کا پتہ ملتا نہیں
کیا نحوست چھا گئی ہے الٰہی شہر پر لوا — ڈھونڈھتی پھرتی ہوں کوئی مرد ملتا نہیں
بیٹھکر ٹسوے بہاؤ یا کہو مجھکو برا — مجھکو تو بیگم کوئی آپ آشنا ملتا نہیں

مردوا پانی بھرے سامنے اسکے بیگم — بیسوں نا خون جلا کر جو کھلائے کوئی

ڈولی کے پیسے دینے پڑینگے میاں ضرور — کیا گھورتے ہو تم مجھے دیدے نکال کے
مردوں کے سامنے نہیں آتے ہیں یوں لوا — اوڑھا کرو ذرا تو دوپٹہ سنبھال کے

اچھے ٹھکانے آپ کو دکھلا کے کیا کروں — مفلس ہو تم میاں تو میں لیجا کے کیا کروں
دو چار آنے ہوں تو پڑا دوں کسی طرح — قرق آٹھ آنے کا ہے تو سمجھا کے کیا کروں

دور دز بھی تو پیا نہیں رہتی ہو جس پہ بیگم تمہیں بتاؤ کہ میں نہا کے کیا کروں
چیراے مری جو مرے گھر نہ آئے وہ ٹوٹے چشم ہیں مردوے پچھتا کے کیا کروں

قُفْقُس مجھے افسوس ہے کہ اس عدیم المثال بدیع الزماں شاعر کا نام نہ معلوم ہو سکا۔ ایک پرانی کتاب میں ایک قصیدہ اس عنوان سے لکھا ہوا نظر آیا تھا "قصیدہ کہ در مدح معتمد الدولہ بہ صنعتے کہ بجز تخلص لفظے ہم معنی ندارد گفتہ شد و بجائزہ اش از بارگاہ فلک اشتباہ بخلعت و انعام سرفراز گردید" مجھے اب افسوس آتا ہے کہ پورا قصیدہ جسمیں بلا مبالغہ دو سو ڈھائی سو شعر تھے کیوں نہ نقل کر لیا۔ ممکن ہے کہ بعض طبائع اس کو پسند نہ کریں مگر میرے نزدیک یہ ایک کمال ہے۔ اور اس صنعت والتزام سے عہدہ برآئی ہر شخص کا کام نہیں ہے۔

مقمل قطلان وقلام قاطر قاد تقفیل قام قلا عہ قروم قامل قیم
قریم قوع قرام قرعقم قرلوش مقعسمو قا قریقم فریشم قالیم
مقور قورچہ قندریچ قاقل قیق قروق قا مرق قا قلاں قوغ قمیم
لقوق مقمقۂ ماقلاں موق مقاق مقیر مقاسہ مقساق ما قلقیم
تمام قنقنہ قند شین تو قل قیز جقوش قفت قلا قوش تقش جققیم

قمر۔ یا جان۔ یا ہاتف ۔ حالات و نام معلوم نہیں ہو سکے۔ یہ غزل تین ناموں سے ملتی ہے۔ معلوم نہیں کہ اصل مصنف کون ہیں ۱۔ قمر ۲۔ جان صاحب۔ ۳۔ ہاتف صاحب۔ بہر حال میں اول الذکر کے نام سے لکھتا ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ یہی صحیح ہو۔

ہے رام جنکا کام تھا کافر کا مارنا وہ آج مارتے ہیں تمنا الم کسم

لنڈن سے ہو کے ہند میں جب آنے مانگٹا
ہم جورو لوگ گاڑی میں بٹھلانے مانگٹا

ہم مانگتا سگا ولایت کا سیگرٹ
اور بہرہ لوگ دیسی چرٹ لانے مانگٹا

ہم دیسی حقہ دیکھ لیا گسہ کر لیا
یہ فول کہہ کے بہرہ کو ہم کھانے مانگٹا

کھانے کا کپڑا ڈالتا نیچے نہیں پسند
کانٹا چھری سے میز پہ ہم کھانے مانگٹا

مٹ بولو ایسا بات کہ ہم کالا لوگ ہے
صاحب کا نام ہمکو بہت بھانے مانگٹا

گنگا جلی کھراب ہے جم جم پھجول ہے
ٹمبلر میں شامپین کو پلوانے مانگٹا

مٹاسب کھدا کا نام نہیں چرچ میں ہیں
ہم گھوڑا گاڑی کرنے فکٹ جانے مانگٹا

مسٹر فلپ جو آتا تو کھش ہوتا ہم بہت
جب باپ ملنے آئے تو سرمانے مانگٹا

ہم دیسی لوگ کی طرح ہکٹا نہیں پھجول
صندوک اب پکھانے کا بنوانے مانگٹا

کرتا بہت سا گسہ ہوں ہوتا ہوں پھر کھپ
جب ڈیسی بھائی ملنے ہمیں آنے مانگٹا

جاہل پہننے مانگٹا پاجامہ لوگ کو
ہم برجس اور سوٹ کو سلوانے مانگٹا

سر پر نہیں لپیٹتا لمبا سا کپڑا ہم
ہم ہیٹ ایک گھاس کا بنوانے مانگٹا

پیتا ہے دودھ یہ ماؤں کا بیوکوف لوگ
ہم دودھ گھر کا بچہ کو پلوانے مانگٹا

ایک جگہ یہ مقطع ہے

ویل ہاف صاحب بولڈ یا کھوب یہ گجل
سب لیڈی لوگ باجے پہ گانے مانگٹا

حرف کاف

کافر محمد طاہر نام تھا اصفہان کے رہنے والے تھے۔ نہایت علم دوست اور نیک طینت تھے مگر ظرافت اور ہزل کا طبیعت پر اسقدر غلبہ تھا۔ کہ بعض بعض کفر کے کلمے کبھی ان کی زبان سے اسی ظرافت میں نکل جایا کرتے تھے۔ اسیوجہ سے لوگ ان کو حاجی کافر کے نام سے یاد کرتے تھے۔ نمونہ ظرافت

نوشتم نامۂ سوئیت نہانی　　کہ غیر از ساربانش کس نداند
میانِ من و تو رمزی است پنہاں　　کسے داند کہ اشتر میچراند

کافر ٹکیہ۔ میر علی نقی نام تھا۔ قوم سے سید اور نہایت صحیح النسب تھے۔ سپاہی پیشہ تھے زمرۂ ملازمین میں دربار محمد شاہی میں عمر بسر کرتے تھے۔ جب شعر کہتے تو ہزل اور ظرافت کی چاشنی ضرور دیتے۔ اور جب سناتے تو کہتے کہ جناب شعر نہیں ہے ٹکیہ ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کا تخلص ٹکیہ مشہور ہوگیا تھا۔ میر صاحب کے دلی دوست تھے عجیب خوش مذاق تھے پہلے جب فارسی شعر کہتے تھے تو تسکین تخلص فرماتے تھے۔ پھر اسکو چھوڑ کر جنون کرنے لگے اس کے بعد جاوید خاں خواجہ سرائی سرکار کے نمک خوار ہوئے تو کافر تخلص اختیار کیا۔ ایک روز میر ضاحک کے پاس بیٹھے ہوئے تھے میر ضاحک کہنے لگے کہ تم فارسی اور ہندی تو کہہ چکے اب مزا تو یہ ہے کہ عربی کہا کرو اور کافر کو چھوڑ کر ملعون تخلص رکھو۔ یہ سنکر

بہت ہنسے ایک رباعی بطور نمونہ کلام درج کرتا ہوں۔

کیا پھرتی ہے میکدہ میں مٹکی مٹکی ــــ زاہد عابد سے دور بھٹکی بھٹکی
قاضی کا نہ ڈر نہ محتسب کا کافر ــــ یہ دختر رز بھی جس سے اٹکی اٹکی

کافرک نام جلال الدین تھا ناصر الدین غزنوی کے بیٹے تھے۔ ایک زبردست ظریف اور ہزل دوست تھے۔ اشعار میں بھی وہی رنگ ہوتا تھا۔ ایک شخص جو نہایت کنجوس تھا اس کی ہجو میں یہ شعر کہے تھے۔

پدرش گر بنانش دست برد ــــ پسرش گر بخوانش در نگرد
بہ برد زود دستہائے پدر ــــ بکند چست چشمہائے پسر

کالے صاحب تلہر ضلع شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے نظیر اکبرآبادی کو کلام دکھایا تھا۔ کم اوقات غریب آدمی تھے مگر ظرافت کے پتلے تھے۔ ظریفانہ غزلیں نظمیں بہت سی کہی تھیں مگر چونکہ زمانہ نے قدر نہ کی وہ سب ضائع ہو گئیں کچھ شعر جو ایک دوست کے حافظہ میں محفوظ تھے مجھ تک بھی پہونچ گئے۔

میں کہا پاس تو آ میرے تو اے ماہ جبیں ــــ تو کہوں حال دل اپنے کا میں اے لعبت چیں
لیکے دل تو نے نہ دیکھا یہ مرا حال حزیں ــــ ہنس کے کہنے لگی دل تو نے دیا کس کے تئیں

میں کہا کھا تو قسم کہنے لگی چل جھوٹے

میں کہا چل مرے گھر کہنے لگی کتنی دور ــــ میں کہا چار قدم کہنے لگی چل جھوٹے

میں کہا رو دیا بہت بولی کوئی شاہد لا ــــ میں کہا چشم ہے نم کہنے لگی چل جھوٹے

جی میں مرے بیٹھے بیٹھے آیا — چل یار کے گھر کسی بہانے
زنار پہن کے قشقہ کھینچا — لے ہاتھ میں پوتھی کوئی جانے
کاشی سے ابھی نئے ہیں آئے — جو کہئے کسی سے سو وہ جانے
القصہ میں اس گلی میں جاکر — آواز بدل لگا لگانے
پنڈت ہوں شگن بچارتا ہوں — اشلوک کے یاد ہیں فسانے
یا پاس کھڑا نہ ہونے دیتا — یا آپ لگا مجھے بلانے
تب ہاتھ میں ہاتھ لیکے بندہ — سچ جھوٹ اُسے لگا بتانے
روٹھا ہے جو یار وہ تمھارا — تم جاؤ اگر اُسے منانے
وہ آئے اگر تمھارے گھر پر — دولت سے لگے اُسکے ساتھ آنے
پرکھا مری بات کو وہ چالاک — معشوق تو ہوتے ہیں سیانے
کہنے لگا پھر وہ مجھسے ہنسکر — بھیجا ہے تجھے آج بے حیا نے
کھسکا دبے پاؤں پھر تو بندہ — جی مفت بچا لیا خدا نے
پہچانتا گر وہ مجھکو قاتل — تو آج لگی تھی جان ٹھکانے
یہ پیچ کی باتیں من سے کالے — کیوں لہر میں آئے ہو دولئے

ظرافت کے ساتھ ساتھ فحش گوئی کا بھی چسکا تھا مگر وہ ایسی نہیں ہیں کہ ان کو پڑھا جاے اور اس سے تنغض کی بجاے تفریح ہو لہذا نظر انداز کرتا ہوں۔

کسٹر۔ عرف محمود۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار رہیں۔ ایک غزل نمونہ کلام کے لئے لکھی جاتی ہے اور نہ نام معلوم ہے نہ کسی تفصیلی حال سے اطلاع ہے۔

ساقیا تجھکو قسم ہے کالئے استاد کی — ایک کجی سے خبر لے اس دل ناشاد کی

کالی بوتل سے پلادے جلد اک جام شراب — کیوں خبر لینا بخوبی ہی تجھے حساد کی
گٹڑیاں پیچھے لگی ہیں قفل ہے آگے پڑا — پائجامہ کی وضع تمنے نئی ایجاد کی
اسقدر کافی نصیحت ہے یہ کٹر کی سنو — چھوڑ دینا اب روش اس بغض بے بنیاد کی

کٹ کٹار - غازی پور کے رہنے والے تھے اور ظرافت کا رنگ نہایت بہترین کہتے تھے مگر افسوس کہ کسی طرح کلام دستیاب نہ ہوسکا - مکرمی شاہ نذیر صاحب ہاشمی نے وعدہ بھی فرمایا - مدتوں منتظر بھی رکھا - مگر وہ وعدہ وعدہ ہی رہا تاانیکہ آج مجھے تذکرہ میں صرف ان کے نام پر قناعت کرنا پڑی -

---

کشتیز - بدایوں کے رہنے والے اور پیر کشتیز کے نام موسوم ہیں - مگر دراصل واقعہ یہ ہے کہ اس نام سے ایک فرضی دیوان طبع کرایا گیا ہے - اس کے مصنف غالباً ایک اور صاحب ہیں جنھیں میں جانتا ہوں مگر چونکہ کسی مصلحت سے انھوں نے دیوان کو اپنے نام سے مدوّن نہیں کیا - اس لئے میں اُن کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا - بہرحال انتخاب دیوان یہ ہے -

تیری قدرت ہی سے پانی بھی ہوا دو ٹکڑے — پشت پر نیل کے موسیٰ نے جو سونٹا مارا
ہنہناتا ہوا بھاگے گا زبس طائر روح — موت کا جب ملک الموت نے کوڑا مارا
توڑ دی پشت عدو میں نے پکڑ کر گردن — کہہ کے یا قادر و قیوم جو گھونسا مارا
بال گر جائیں گے اڑ جائیگی طبلی کشتیز — ملک الموت نے جب چاند پہ جوتا مارا

ہم نے محفل سے تری غیر کو ٹلتے دیکھا — یعنی شیطان کو جنت سے نکلتے دیکھا
اب خدا جانے کہ کھٹمل تھے کہ ڈانس تھے — جو تمہیں انھیں کچھ تم نے مسلتے دیکھا

وعدہ وصل کبھی یار کا پورا نہوا ‏ روز گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے دیکھا

غیرت لالٹین رشک چراغ ‏ یار کیا خوش جمال ہے میرا
میں نے بوسہ لیا تو روٹھے کیوں ‏ تم بھی چومو یہ گال [illegible] میرا
ان کو میں نے چھوا تو بولا غیر ‏ اے میاں اے یہ مال [illegible] میرا
اُن کو لڑوا دیا رقیبوں سے ‏ اک یہ ادنیٰ کمال [illegible] ہے میرا
سب خمیری چپاتیاں میری ‏ پر یہ اک شیرمال [illegible] ہے میرا
دیکھ پردیں کو وہ یہ کہتے ہیں ‏ منھ کا تھوکا اگ[illegible]ال ہے میرا

ایک دن کا ذکر ہے یہ ایک دن کا ماجرا ‏ اک رقیب روسیہ نے مجھسے آ کر یہ کہا
کون سا تُونے کیا ہے جرم جسکی وجہ سے ‏ وہ پَے آزار ہے دنیا کا ہر چھوٹا بڑا
کوئی بتلاتا ہے تجھکو بدخصال و بدمعاش ‏ کوئی بتلاتا ہے اُلّو کوئی کہتا ہے گدھا
کوئی بتلاتا ہے غنڈا کوئی کہتا ہے ذلیل ‏ کوئی بتلاتا ہے شہدا اور کوئی چرکٹا
کسکو کیا میں نے کہا ہے کب بُرا اسکے خلاف ‏ کسکا میں نے کیا بگاڑا ہے لیا کسکا ہے کیا
میں یہ بولا ہیں تو سب اچھائیاں تم میں مگر ‏ بات اتنی ہے کہ ہو منھ . . . . کے . . . . .

کچھ خبر بھی ہے تجھے او مست خواب ‏ غیر بوسے لے رہا ہے بے حساب
یہ حرمزدگی تو اُن کی دیکھیے ‏ خط طغرا میں لکھا خط کا جواب

کبھی نخرے کی چڑھائی ہے کبھی غمزہ کی ‏ وصل کی رات ہے یا فتح مہمّا کی رات
لیں بلائیں کبھی سر کی تو کبھی قدمونکی ‏ لیلۃ الوصل بنی ردِّ بلیات کی رات

جا کے تھانے میں رقیبوں نے لکھائی ہے رپٹ — کرتا تاہی ہمیں یار بہت ہے نٹ کھٹ
اپنے چہرہ سے اٹھایا جو نہی آنے گھونگھٹ — بجلیاں لینے لگیں سر کی بلائیں چٹ پٹ
جل رہے ہیں طپش عشق سے لاکھوں عاشق — یہ گلی ہے تری ظالم کہ کوئی ہے مرگھٹ
رہ الفت کی خرابی سے میں بچتا کیونکر — کھا کے ٹھوکر جو نہی سنبھلا تو گیا پاؤں رپٹ
کس قدر حضرت کشنیز بھی ہیں شوخ مزاج — نام معشوق کا رکھا ہے میاں پرجا پٹ

ستیا ناس ہو رقیبوں کا — ہیں یہی اس لڑائی کا باعث
ہے وہی قفل اور وہی کنجی — پھر کھٹکے کا کیا ہوا باعث
جوتے پڑتے ہیں کیوں تڑاق تڑاق — کوئی موجب سبب خطا باعث

کہتے ہیں کیا یار نے دنیا سے سفر آج — بے پر کی اڑائی ہے رقیبوں نے خبر آج
دینا ہے جواب انکی دریدہ دہنی کا — کرنا ہے حسینوں کو مجھے شہر بدر آج
جوتی ہے نہ ٹوپی ہے نہ کپڑا ہے بدن پر — لی حضرت کشنیز کی لونڈوں نے خبر آج

کیوں چھیڑتے ہو تم خرس بیاباں کی طرح — بات کرنا ہے کرو دور سے انساں کی طرح
آپ کا خرچ چلے غیر سے رشوت اینٹھ لیں — بیٹھئے دیجئے دروازے پہ درباں کی طرح
ڈورے ڈالے ہیں رقیبوں نے مٹھائی دیکر — پیچ در پیچ ہیں وہ سنبل پیچاں کی طرح
سنکے اشعار وہ کشنیز کے فرماتے ہیں — کھیت میں نظم کے ہل جوتا ہے دہقاں کی طرح

قابو میں طبیعت رہے یہ ہو نہیں سکتا — جب ایک ہی خانہ میں رہیں مادہ و نر بند
گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں نکیرین لحد میں — جاؤں تو کہاں جاؤں ادھر بند ادھر بند

کہتے ہیں شب وصل وہ شرمیلی ادا سے
لا دو مجھے پنجاب سے ریشم کا کمربند

قیمت بتا رہے ہیں وہ بوسے کی دو ٹکے
کیا کیا ہے اُن کو اپنے خریدار پہ گھمنڈ
کشتنیز ہمکو اپنی ٹٹیا پہ ناز ہے
اس شہسوار کو جو ہے رہوار پہ گھمنڈ

پھنسے بیطرح آ کے وہ میرے گھر
نہ بچنے کا موقع نہ جائے مفر
اسی دھن میں رہتے ہیں شام و سحر
کہ چڑھ جائے ہتے کوئی سیمبر
گئے پیر کشتنیز جب اُن کے گھر
مٹھائی کے بدلے کھلائی مٹر
پٹا میرے وجہ سے ہیں کل شب رقیب
بلا بوزنہ کی طویلے کے سر
حسینوں کے بوسے ٹکے سیر ہیں
اسی پر وہ کرتے ہیں اپنی گزر
مزے سے گزرتی ہے قلاش کی
نہ چوروں کا کھٹکا نہ رہزن کا ڈر
مزا تیرے بوسے میں آلو کا ہے
نہ کچھ اس میں گڑ ہے نہ اس میں شکر
طلاق انڈین لیڈیوں کو دیا
کہ اک میم کشتنیز ڈالی ہے گھر

ملا ہے قسمت سے خوب جوڑا بٹیر تیری مرا کبوتر
نیا تعلق نیا ہے رشتہ بٹیر تیری مرا کبوتر
ابھی تو نام خدا ہیں کمسن ابھی ہیں شرم و حجاب کے دن
مگر کہانتک کرینگے پردا بٹیر تیری مرا کبوتر
یہ اسکی پیاری وہ اسکا پیارا یہ اسکی عاشق وہ اسکا شیدا
وہ آن مجنوں یہ شان لیلی بٹیر تیری مرا کبوتر

اُسکے گانے کی سنتے ہی آواز
بزم میں سب لگے بجانے ساز
کبھی اوپر ہیں ہم کبھی نیچے
خوب ہیں یاں دہر کے نشیب فراز
تھام کر رہ گیا میں دل اپنا
نظر آیا جو وہ بت طناز

یعنی اندر سبھا کے ناٹک کے　　باب اول کا ہو گیا آغاز
ہم نے دل نذر کر دیا فوراً　　اُس نے جیب کاٹنے کو مانگی پیاز
اسی بندوق ایک نالی سے　　میر کشنیز مار لائے قاز

کل جسنے جوتیوں سے حجامت بنائی تھی　　پھر لیچلا ہے دل اسی پیماں شکن کے پاس
دو میلیوں میں ہے مری دولت بٹی ہوئی　　کچھ اس وطن کے پاس ہے کچھ اُس وطن کے پاس
کشنیز اسکی بے دہنی پر نہ جا بیٹو　　گز بھر کی اک زبان ہے اُس بے دہن کے پاس

شہر میں کہنے لگے سب مجھے مسٹر کشنیز　　دی تھی اسپیچ جو کل پارک میں پینے پر جوش

ان کو اگر ملال ہے میرے وصال کا　　تربت پہ میری ڈھول بجانے سے کیا غرض
ساقی نہیں کلال نہیں پیر مغ نہیں　　ان کو شراب وصل پلانے سے کیا غرض
کچھ لام لام زیر سمجھتے ہو تم مجھے　　آخر مرا مذاق اڑانے سے کیا غرض
وہ چاہتے ہیں گانٹھ کا پورا نظر کا پٹ　　اندھے سے کام ہے انہیں کانے سے کیا غرض

دشمن و دوست میں کچھ فرق سمجھتے ہی نہیں　　انکی نظروں میں تو سب ایک ہے کھائی خندق
بزم میں دیکھا جو کشنیز کو بیٹھے تو کہا　　کیسا بندر کی طرح بیٹھا ہے الو احمق

مڑوڑے ہاتھ دشمن نے یہاں تک　　کہ چٹکنا چور کر دیں چوڑیاں تک
رقیبوں نے کیا پٹ جھاڑ انکو　　چرا کر بیچ آئے پاندان تک

وہ یہ کہتے ہیں ترے گھر میں چلوں گا تیرے سنگ
اور مرے گھر نہ چٹائی نہ تپائی نہ پلنگ
دونوں رخساروں پہ جھم آئے بال
ہو گیا ختم اُن کا حسن جمال
رکھ کے موٹا سا دوش پہ ڈنڈا
میر کشنیز چلا ہے سسرال

یار کی گالیاں دو رنگی ہیں
بعض میٹھی ہیں بعض کھٹی ہیں
کہیں فقروں میں آنیوالی ہیں
وہ بھی شیطان کی بھتیجی ہیں
ہے بڑھاپے میں شوق حوروں کا
شیخ جی کیا ہیں شیخ چلی ہیں
اللہ اللہ ایسی ناقدری
جیسے ہم دودھ میں کی مکھی ہیں

نہ مرغی ہے نہ مرغا ہے نہ بچا ہے نہ انڈا ہے
تمھارے پاس بیوی کیا فقط ڈھانچا ہی ڈھانچا ہے

نہ لٹو ٹکڑے کرکے گھٹنے مرچاں
کہ اُدھڑی ہوئی ہے میانی تمھاری

ذرا میر کشنیز پگڑی سنبھالو
کہ اب سر پہ جوتا پڑا چاہتا ہے

وصل کی رات انھیں صبح تک سونے نہ دیا
جب ذرا آنکھ لگی ناک میں بتی کر دی
وصل کی رات بھی شوخی سے نہ وہ باز آئے
پیستے پیستے کشنیز کی چٹنی کر دی

جب چلے دنیا سے دامن جھاڑ کر
شیخ کی داڑھی ادھیڑ کر رہ گئی
عشق میں صورت ترے کشنیز کی
گھٹتے گھٹتے مثل بندر رہ گئی

خون عفت کا ہوا شیشۂ عصمت ٹوٹا　　　آپ نے غیب سے گر ملنے کا نتیجہ دیکھا

چوما چاٹی ہی اگر رہتی تو چنداں غم تھا　　　رنج اسکا ہے انھیں دشمن نے ننگا کر دیا

جام وصال کے عوض بوسۂ لب عطا کیا　　　موت کا تھا مقدمہ ڈگری ہوئی نجارۃ

کمترین — ان کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ میر حسن اور میر تقی میر دونوں نے اپنے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ مگر نام نہ انھوں نے لکھا نہ انھوں نے۔ میر حسن نے لکھا ہے کہ ایک شخص نوکری پیشہ نواب عماد الملک کی سرکار میں ملازم تھا۔ اور اپنی استعداد کی موافق شعر خوب کہتا تھا۔ میر تقی میر لکھتے ہیں کہ ہزل کی طرف اسکے مزاج کا میلان بہت زیادہ تھا۔ کمترین نے ایک شہر آشوب بھی لکھا ہے جس کے یہ چند شعر تذکرہ میر تقی میں درج ہیں۔

تو خصم کن کر مشلچن نے کیے　　　تو بھی نہیں رہتی دو شاخہ بن پیے

پلائیں منفت نصرانی کو تاڑی　　　اگاڑی اصطبل کے جا پچھاڑی

یہ متصدی نہیں ملتے اگر بھانڈ ونسے راتوں میں　　　تو کیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر کے راتوں میں

دیکھ یکہ بان والی کی خرابیں　　　خصم کے روبرو دیتی ہیں شتابیں

تم بادشاہ پسند ہو ہم کمترین پیارے　　　کے سیر چلو دو گے نازک بدن پیارے

کمن — ایک بھنگیڑن کا تخلص یا نام ہے جو بازار بھر تیور میں بھنگ گھوٹتی تھی اور شب و روز مست رہتی تھی قدرت کی فیاضی نے طبیعت موزوں عطا کر دی تھی جو کچھ کہتی تھی خوب کہتی تھی۔ ایک شعر اس کا ملتا ہے۔

لے بوا میں نہ ہوئی حضرت شبیر کے ساتھ　　　زہر دیدیتی میں شمر کو بس کھیر کے ساتھ

کوثر سید محمد حسین نام ہے لکھنؤ وطن ہے۔ ابتدائے عمر سے شعر و شاعری کا شوق دامنگیر رہا۔ اول اول کچھ غزلیں منشی بالکرشن صاحب قمر لکھنوی تلمیذ امیر مرحوم کو دکھائیں۔ اس کے بعد راقم الحروف سے مشورہ سخن کرتے رہے اور اب تک جب کوئی غزل کہتے ہیں تو سنا دیتے ہیں۔ اوائل میں نہایت خوش طبع رنگین مزاج تھے۔ ظرافت سے طبیعت کو ایک خاص قسم کا لگاؤ تھا۔ اسی لیے ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے۔ عطاری کی دوکان کرتے تھے۔ جہاں شہر کے اچھے اچھے نامی گرامی شعراء کا مجمع رہتا تھا۔ ہر وقت شعر گوئی اور شعر خوانی ہی کا مشغلہ تھا۔ بڑے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ اور خود بھی ہوا مشاعرے کیا کرتے تھے۔ اردو ادب سے خاص دلچسپی تھی۔ اگرچہ علم کی تحصیل بہت معمولی تھی مگر اساتذہ فن کی صحبت نے ضروریات شعر سے باخبر کر دیا تھا۔ ایک دیوان رنگ قدیم میں کہہ کر جمع کر لیا تھا۔ مگر افسوس کہ عین شباب کے عالم میں مصیبت کا پہاڑ پھٹ پڑا۔ جسنے تمام لذتوں سے محروم کر دیا۔ کچھ امراض پیدا ہوئے۔ اسی میں آشوب چشم ہوا بینائی نے جواب دیدیا۔ اور تمام عیش و سرور پر پانی پھر گیا۔ کوئی حکیم ڈاکٹر باقی نہ رہا کہ علاج نہ کیا ہو۔ مگر بالاتفاق سب نے جواب دیدیا کہ مرض لا علاج ہے اب گوشہ انزوا میں پڑے ہوئے اللہ اللہ کرتے ہیں۔ اور زندگی گزار رہے ہیں۔ ترتیب تذکرہ کے وقت یہ شعر دیئے تھے جو درج کرتا ہوں روزانہ شام کو میرے پاس آتے ہیں اور تھوڑی دیر غم تراشی کر کے چلے جاتے ہیں عمر تقریباً ۴۳-۴۴ سال ہوگی۔

تمہاری فارغ البالی کا کیا کہنا ہے لے کھائی(؟) — بنے پھرتے ہو چھیلا سے نہ مونچھیں ہیں نہ داڑھی ہے

الٰہی کس طرح نکلے گی آخر وصل کی حسرت — وہاں نازک تن ہے اور یہاں اک اونٹ گاڑی ہے

ہمارا اور تیرا ساتھ کیا ہوگا بھلا واعظ
ترے قدح میں زمزم ہو مرے کلھڑ میں تاڑی ہے

ہوس سے آج خالی کوئی پیسہ نہیں ملتا
وہ کیلا ڈھونڈھتا ہو اب جسے کھیرا نہیں ملتا
لبوں سے ان بتوں کے اکدن لذت نہیں پاتا
وہ مکھی ہوں جسے بازار میں شیرا نہیں ملتا

چلاتے ہیں ستم کے تیر سب پر حکمراں ہوکر
خدائی فوجداری کر رہے ہیں وہ جواں ہوکر
پھر رہی ہے تری شمشیر جفا اے قاتل
اک جہاں ہیں ملک الموت کی اماں ہوکر
طائر دل نے بہت رنگ دکھائے انکو
کبھی الو کبھی مرغا کبھی ٹٹیال ہوکر
نقد دل ہار دیا ہم نے جوئے خانے میں
پھر گئی آنکھ فسوں ساز کی ٹیاں ہوکر

اللہ نے بیرحم کے ڈالا مجھے بس میں
دم کاٹ کے صیاد نے رکھا ہے قفس میں
تیغ ستم کا کوٹ سے لیسنس لیجئے
چالان ہوگا ورنہ کسی روز آپ کا
رہتا ہے اسکی دم میں کوئی خط بندھا ہوا
اڑتا ہے جب کبوتر پا موز آپ کا
دنیا نہائی چشمۂ فیض کرم میں آہ
میں ہی نہیں شرف اندوز آپ کا

کوردن عبدالعلیم نام تھا سشنہ میں جب راقم الحروف گڑھ مکتیسر میں رہتا تھا تو ان سے ملاقات ہوتی تھی ایک صوفی درویش منش آدمی تھے اساتذہ سلف کے ہزاروں ظریفانہ اور عاشقانہ شعر یاد تھے۔ شعر و شاعری سے اتنا شغف تھا کہ میں نے جب کبھی ان کو دیکھا شعر ہی پڑھتے ہوئے دیکھا۔ خود بھی شعر کہتے تھے مگر مزاج میں شوخی اتنی تھی کہ ہزل کا رنگ اختیار کرنا پڑا تھا۔ کچھ شعر یاد ہیں درج کرتا ہوں۔

جب سے ہوئے قلندر اور چاند بھی گہنائی
جس خورشید نے دیکھا اُسے چپت جمائی
یہ لیلیٰ اور شیریں دونوں ہیں بہنیں بہنیں
فرہاد اور مجنوں دونوں ہیں بھائی بھائی
کل بزم میں کچھ کرنے کی اس طرح رکھائی
جب ہمکو چین آیا جب جا کے کھیر کھائی

چھپا ج مانگے ہے مصور کھلیں ابھی بھائی نہیں
اس لئے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

سب ہجر میں تمہارے نالے ہیں عاشقوں کے
بلی کی میاؤں میاؤں کتوں کی قاؤں قاؤں
گڑ میں ملا کے مجھکو وہ زہر دے رہے ہیں
لے دوستاں بتاؤ میں کھاؤں یا نہ کھاؤں

کھونٹا ۔ مجھے ان کا نام اور پتہ معلوم نہیں۔ مگر مرزا واجد حسین صاحب یاس نے اُن کے ایک دو شعر سنائے اور بتایا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ یا ہیں۔ بہر حال میں نے سخت کوشش کی کہ اور کلام ملے یا نہ ملے کم سے کم ان کا پتہ ہی معلوم ہو جائے۔ مگر ناکام رہا۔ بلکہ معلوم ہوا تو یہ معلوم ہوا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے ہی نہ تھے۔ بہر حال یہ تخلص ہے اور یہ اُن کے کلام کا نمونہ ہے۔

ہائے تجھ بن چارپائی بھی ہے چپ
آج وہ آواز چرخ چوں نہیں
ہم نہ کہتے تھے کہ ہرگز ان سے [illegible] کھیل
لے کے کھانے کا بھی ٹھیکرا جاتا رہا

حرف گاف فارسی

۱
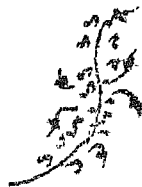
گرم ۔ مظفر علی خاں نام تھا رام پور کے رہنے والے تھے صاحب تذکرہ گلستان سخن نے ان کو ظریف لکھا ہے ۔ ایک شعر بھی ظرافت کے رنگ کا ملتا ہی ممکن ہے کہ اور کلام بھی اس رنگ کا ہو۔

حال عاشق کبھی پوچھے نہ ملا ئے چشم ۔ آنکھیں کیا چرنے گئیں ہیں تری اے آہو چشم

گمنام ۔ شیخ احسان علی نام تھا ہاپوڑ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے شیخصاحب مرحوم عمر بھر ایک ممتاز عہدہ سرکاری پر متعین رہے جب پنشن لیکر آئے تو ہاپوڑ میں منشی ابن علی مرحوم کے دم سے شعر و شاعری کا چرچا تھا ۔ اور انھیں کی مساعی جمیلہ سے شعر و سخن کا بازار گرم تھا ۔ مقامی شعراء کے علاوہ میرٹھ اور دوسری دوسری جگہوں سے بھی شعرا آتے اور یہاں کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے ۔ شیخصاحب بھی بعض بعض صحبتوں میں شریک ہوتے اور للچائی ہوئی نظروں سے شاعروں کو دیکھتے تا اینکہ ایک دن جاڑے کی شدت سے سورج بھی افق مشرق میں کانپ رہا تھا ۔ شیخ صاحب ایک لوئی اوڑھے ہوئے منشی ابن علی مرحوم کے مکان پر پہونچے اور سب سے پہلے آغاز کلام اسی جملہ سے کیا کہ بھئی رفیق میں تو سمجھتا تھا کہ شاعری بھی ایک دشوار اور مشکل الحصول فن ہے مگر آج تو یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں رفیق مرحوم نے کہا کہ چچا بھلا آپ کی قابلیت کے سامنے شاعری کیا چیز ہے کیا آپنے

بھی آج کچھ نظم فرمالیا۔ رفیق مرحوم نے یہ جملے اس وجہ سے کہے کہ شہر کے شعراء میں ایک کہنہ مشق شصت سالہ سخنگو کا اور اضافہ ہوا۔ چنانچہ شیخ صاحب نے کہا کہ لو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ فوراً اپنی رات کی کہی ہوئی غزل سنا دی جس کا ایک مصرع مشرق اور ایک مغرب کی خبر لا رہا تھا۔ ایک مصرع ایک فٹ کا تھا تو ایک ایک انچ کا۔ سراپا ناموزوں۔ رفیق مرحوم نے ہنسی کو ضبط کیا دل میں خوش ہوئے کہ ایک سامانِ تفریح ہاتھ آیا۔ داد دی۔ اور ایسی داد دی کہ شیخ صاحب بھی خوش ہو گئے پھر کیا تھا وہ پھر تک قصبہ بھر میں شہرت ہو گئی۔ دنیا غزل سننے کے لئے چلی آ رہی ہے اور شیخ صاحب کو داد اور مبارکباد دے رہی ہے شیخ صاحب ہیں کہ اس افتخار پر پھولے نہیں سماتے۔ سلام کے لئے ہاتھ تک نہیں اٹھاتے۔ کہتے ہیں تو یہی کہتے ہیں کہ ہم تو سمجھے تھے شاعری بڑی مشکل چیز ہے۔ مگر لاحول ولا۔ واللہ کچھ بھی نہیں آخر کار فکر ہوئی کہ آپ کا تخلص کیا رکھا جائے عجیب و غریب شاعر کے لئے انوکھے انوکھے تخلص بھی تجویز کئے گئے۔ مگر خرابیاں بھی نکلتی رہیں اور مسترد ہوتے رہے۔ لفظ (گمنام) کی قسمت میں یہ شرف لکھا ہوا تھا کہ اس پیر کہن سال کہنہ مشق کا تخلص قرار پائے۔ اب کیا تھا غزلوں کا تانتا بندھ گیا اور یکے ہی روز دو دیگرے ہمی آید کی مصداق بالکل صادق آ گئی۔ احباب کے مجمع میں تجویز ہوئی کہ (چچا) کا کلام ضائع نہ ہونے پائے چنانچہ کلام کے جمع کرنے کی تاکید اکید عمل میں آئی۔ گمنام صاحب جو (چچا) کے بزرگ خطاب سے شہر بھر کے مخاطب تھے ہاپڑ کے بڑے بڑے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے۔ راقم الحروف بھی جب ہاپوڑ جاتا اور بدنصیبی سے ملاقات ہو جاتی تو اس روز پہروں کلام سننا پڑتا۔ ہاپڑ کے عظیم الشان مشاعرے کا زمانہ آیا اور چچا صاحب نے بھی تیاریاں کیں۔ چنانچہ عین مشاعرے میں انجان شاعر آپ کی شاندار سفید ڈاڑھی

کو دیکھکر خدا جانے اپنے دل میں کیا کیا کہہ رہے تھے کہ آپ نے غزل پڑھنی شروع کی
ابتو مشاعرے کی رنگت ہی بدل گئی۔ مہذب لوگوں نے کسی نہ کسی طرح قہقہے کو روکا
اور ہمہ تن داد دینے میں مشغول ہو گئے۔ اور جن سے ہنسی ضبط نہ ہوئی انھوں نے
ظریفانہ داد دینے میں دل کی بھڑاس نکالی۔ چونکہ لوگ اکثر خاموش تھے مجمع احباب
کا مگار۔ آپ ہاتھ میں رومال لئے دونوں ہاتھوں سے دو رویہ سلام لیتے ہوئے
چلے جا رہے تھے چار پانچ سال کا عرصہ ہوا کہ انتقال کیا۔ اور صحیح گمنام ہو گئے

آپ کے کلام کی ظرافت یہی ہے کہ اس کے مصرعوں کو دیکھئے اور اس کی
ناہمواری سے لطف اٹھایئے اور برابر والی الابل کیف خلقت پڑھتے جایئے
نمونہ کلام میں وہ غزل لکھی جاتی ہے جو ہاپوڑ کے سنہ ۱۵ یا ۱۴ کے عظیم الشان
مشاعرے میں پڑھی گئی تھی۔

اے زیب تاج خلافت تمھارے نور سے سر پر عرش محلل ہو گیا
اسم اعظم دافع رنج و محن شرک و بدعت کا قائل ہو گیا
ازل سے دل ہمارا رخ انور پہ مفتون و مائل ہو گیا
اس مضغۂ گوشت کو کواکب پر رتبۂ فوق الفوق حاصل ہو گیا
صفحۂ مردمک چشم مضمون رخسار کی منزل ہو گیا
داغ جبیں ساقی جانبازاں کا اکلیل مکلل ہو گیا
ہمنے نقد جان و مال وقف منظر کر دیا افلاس کا مل ہو گیا
لطف و کرم سے مرتبہ الفقر فخری کا خوب حاصل ہو گیا

ہماری تپ مفارقت کے معالجہ کو یہ نسخہ مکمل ہو گیا — رخ پرنور کی طباشیر جبیں کا تل دانہ ہیل مصلحہ ہو گیا
تنگدستی سے ہمارا حال بنظر خلقت مستبدل ہو گیا — اے رحمت عالم اب تو مکافات رشتی عمل ہو گیا
حاصل ہو لیاقت لعنت کی دیر چرخ کو غیر ممکن ہے — یہ فخر ازل سے گمنام نازک خیال کو حاصل ہو گیا

حرف لام

لا اعلم ۔ اس گوشۂ گمنامی میں رہنے کے باوجود بھی آپ اتنے مشہور معروف ہیں کہ ہر شخص آپ کو جانتا پہچانتا ہے اور دل سے آپ کے کمالات کا معترف ہے آپ کے چند شعر درج کرتا ہوں ۔ سب سے پہلے ایک واکھوسٹ (واسوخت) سنئے جو پوربیہ کے گنوار اور دیہاتیوں کی زبان میں کسی نے کہا ہے اور اس عمدگی سے کہا ہے کہ جواب نہیں ہے افسوس کہ باوجود تلاش بھی یہ پتہ نہ چل سکا کہ اس کے لکھنے والے کون صاحب ہیں ۔

سکاکہی کہو الا کے سکار کہت چینت رہے　　گاؤں ماں جائے کے کنکوت کھیت رہے
آپ پیٹ ہم اساپن کا سدا دیت رہے　　لپنے مہتوں سے بجز بھیٹ بھی لے لیت رہے
کاہے جرجائے کریج اب نہ تماکو ہوئے کے
یہہ کی جوبچیو ماں ہم بیٹھے ہیں الو ہوئے کے
جو کہی تم تے وہی ست گجو دھر جانیو　　ہمکا منئی نہ کہیو منئی کا مانجھ جانیو
تمکا نانب کیا آپنا تم اپن گھر جانیو　　اس کہیو کام نہ اب آپ کا نوکر جانیو
کہر پچ کی اور سے تنگی نہ دیہو تم اوکا
تمکا سوجھت ہے رکھیو چین سے ٹھکرائن کا
جیو لیا کل ہے بہت کاکہی اب اپنی کتھا　　پیت تو ہوت ہمار وگ ہے بس منئی کا
کہیو جرپیر وا ماں جھودن تے سنا صاحبکا　　کھوب بالن ماں ملاتیل کا چلیچن اینچا

دھر کے موڑھے پہ چمکدار پٹریا نکسن
جیسے تنجات ہے پھن کاڑھ کے کریا کسن

کالھ دوئی کوس پہ ان کا جو سنا سب کام　　جیو ہاں آوا کہ کرن جائے صاحب کا سلام
چڑھ کے گھوڑے پہ ڈٹے ٹھاڑھ سے تھامن لگام　　گھوڑ کس پنگ بھرس کا کہی ہم تے کا نام

پاؤں دھر دین رکابن میں جو چھیلا ایسے
ہم چلے جات رہے راہ میں چھیلا ایسے

ایک بگیا ماں ٹھڑی پال رہی کس پوربت　　بیٹھی اوہاں رہی اک کامنی سندر مورت
ناب اب کا کہی بس رام ہے اس بھل صورت　　ہم جو دیکھا تو رہی دور تے ہم کا گھورت

دھر کے کس ہیچ دہس ہمرا کریجن جیسے
میکوا کاہے نہی ہے نا کہت ہن جیسے

پھر کہاں تاب رہی گھوڑے کو دن جھم سے　　من ماں یہ سوچ کبھو اکیسے ملن جا جم سے
ہائے دیدی کہا اور کبھو میں ہاں گرن بس ہم سے　　ہوئے گئیں گت تعجب بوڑ گوا جیو گم سے

میکوا حال یہ دیکھس تو بہت گھبراوا
بولا دوڑے کوئی ٹھاکر کہے مرچھا آوا

ہری چھاتی ماں لگی سانس چلے جب گھر گھر　　دوڑے گھبرائے رہا پال بھون بلبھدر
گوڑ میچس کو تو اور کو سنگھاوا انتر　　اور کوو یہ کہس چیت ماں آؤ ٹھاکر

ہم مدا کوؤ جتن سے نہ جگائے جاگن
گر پڑا وا جو بہت پیٹ تلاسے کاگن

ہم تلاسے جو گئین جب تو وہ چنچل بدکھاؤ　　میکو تے یہ پھن کاہے سے باری ات آؤ
پال سے کھینچ کے پلکا تنی باہر تو بچھاؤ　　دھر سے ٹھاکر کا تو ہم لوجھ گئین سب بتاؤ

سہی پلکا پہ جب اہیں تو بٹھائے باآنکا

اُن کے بچپنن کا مجا کھوب چکھتے با اُن کا

ہم تلاے سے پھرن باگ ماں پلکا پاوا   تب تو ادی جھیل جھیلی کا تنک بلواوا
پاس بیٹھال کے اور نسے یہ ہم کہلاوا   تم تو نگیا ماں ہوا کھوب کرت ہو کھاوا

ہم کہا اُنسے کہن آنکھ سے لگی نہ کرو
میکو اکاہے کہن ہنسکے دلگی نہ کرو

دوس تو بیت گو اہمکا ہوئین باتن بات   جب گئے سورج لٹھے اور تنک آئی رات
ہم کہا اُن تے کہ ہم تو بن اب گھر کا جات   بولی رہ چلتے کی کچھ ہوت نہیں ہے ملیکات

اس نہ تم نہکی نہاک کو ڈکا جیو جار کے جاؤ
جی کے اب کا کر بیٹے جات ہو تو مار کے جاؤ

اُن کی انکھن سے لگے آنس بہے جب جھر جھر   پھر تو تھاے نہ تھا جیو کا سوسا وہدر
ہم کہا روؤ نہ جیوا اپنا رہت ہے پھر پھر   ہاتھ چھاتی پہ رکھو آپ نہ ہے نکست بھر بھر

ہو سکت اب تو ہے اٹھ کے جاؤ کیسے
بن کہے تم سے بھلا گوڑا اٹھا دب کیسے

پھر تو بس ریجھ گئین بیٹھ ماں مکا مارن   اُٹھ کے پلکا سے گئیں پال ماں دنیا بارن
لاگن لگے جیسے انگوچھے کا بچھونا جھارن   اور اسوتن کی مہاکا لاسے ہم پر ڈارن

ہم کہا اُن تے کبھو کام نہ ایسا دیکھیو
کھرچ آپن نہ کبھو ساتھو ہے سیدھا دیکھیو

بولے تم روج یہاں کاہے کا آو اکر ہیو   اور پھر روج نہ تم آئے کے کھاوا کر ہیو
ہم تو جانت ہیں کبھو منہ نہ دکھاوا کر ہیو   بیٹھو بس تم بھی بکواس مچاوا کر ہیو

میکو اپیڑ تلے جائے کے جو کا دیدے
دیدی کھٹیا ترے جیرا ہیں تو او کا دیدے

میکوا پھیر کے سنجھ ہمری تر پتھ دیکھنے لاگ   ہم کہا ہمری یہ مرجات ہی ساری بھاگ
چولھہ آپن تو اگاگ بارکے اور لائے کے آگ   جاکر بیہا میں جوکا نڈل کا لے بھونجے ساگ

ہم جھٹ انکا کوئی بات کی ہکلیچھ نہ ہوئے
ان کی دیدی ہے نہ ڈھر دیدی کوئی چینچھ نہ ہوئے

سانجھ تو ہوئے گئی اب جائے کے کریں اشنان   آگے ٹنٹا ہے یہی ہم کا بنت ہیں ادسان
آج کرمن مان تو پری کی لکھت ہیں بھگوان   سیر آٹھ ایک ابھن کا ڈھرے لے ٹھدلائے لیسان

ہم اور تو ہم وہی منئی بھوک ہے کم ہوئے جیسے
پن پیاوے کے لئے اتنی رکھم ہوئے جیسے

بانٹ پھر ساتھ کے منھین کا دیا ہم جیٹھا   اور کہا گاؤں ماں تم جائے کے سینکو بھونرا
گھوڑ کا پیر تے باگ ماں بندھوائے دیہا   آپ کوئیاں گئین جائے کے نہا وا دھو وا

بستر بے پر جو پھرے کھوب لگا وا بیرا
ہم اور اوی دونوں جنے بیٹھ کے کھا وا بیرا

میکوا اتنے میں جو کاسے کہس ہمسے پکار   آئے بھوجن کرو ٹھاکر ہے رسوئیں تیار
ہمتو چوکا ماں گئے اور دیہا پھینچ آتا   گوڑ کا دھوئے کے پھر بیٹھ گئے پلتھی مار

میکوا پرس دہس ساگ و پوری جھٹ سے
ایک گھنٹے میں تو سمیٹ گئی سب ٹھٹ سے

پھر تو چوکا سے بھٹن جھاڑ کے چوتر باہر   پیٹ پر پھیر کے ہاتھن کا ڈکارن ارار
پال ماں جائے کے اڑاین تنی ست سٹا نر پر   گوڑ ہو پھیلا ئے کے پھر پوڑھ رہن پلنگا پر

اوی کہن آپ کے لیٹ جو بنے سوئے رہی
ٹرچلو ٹھوڑ کرو ہم بھی تنی سو ئی رہی

ھوڑ پائن تو گرے لاگ کے پھر سوئے رہن   پھر تو اس سوئین کہ دو نیوں جگائے جاگن

ادی مدا ہوت بھرے جو ذرا چیت بھن — ٹینٹ مال ہری روپیا بہنے لوٹن لاگن

ہم کہا کا کریہو بولیں جو ہیتن پیتم

گوٹ لہنگا میں گرنٹے کی لگاتن پیتم

دس روپیہ رہیں بس ٹینٹ ہیں ہم کھو دیا — اور کہا لیہ پران آج سسیاؤ لہنگا

پھر کہا اُن تے کہ ایھو جو بلیبا تم کا — بولیں ہم کا جنین یہ حال تو جانے دیدیا

سُن کے یو آنکس تو آنکھن مال تنک بھر آئے

ہم مدا گھوڑے پہ اسوار بیٹھے گھر گئے

متفرقات لاعلم

دختر کو تو اں ظالم ہے — بیگناہوں کو ٹانگ دیتی ہے ر

انگوٹھی تو یوں مفت پائی نہوگی — سناروں کو جیبا کٹ کھلائی نہوگی ر

کنجڑن کی ایک چھوکری ایسی اسکو دیکھ چکا — وہ اسکو دیکھ بولی سر کی اتارلونگی

مالن کی تھی وہ بیٹی پیچھے چلی تھی ساگ بیچتی — سویا تھا پاس اسکے جو چاہتی سو لیتی

دھوبن کی دوستی میں دل لگا کھاتے ہیں — لنگے کو جاتا ہوں کہ جھنکا پاٹے ہیں

دم دیکے دم کو لے لیا اسلام کو دیکھئے — دو آنہ پیسے دیکھئے اور ہمکو دیکھئے

ڈ ڈ ہجر میں تمھارے پہ پہ پھٹ گیا کلیجہ — تم تم مدتیں گزرگئیں یہ یہ پاس تم نہ آئے

سن سن طرح کے پہ پہ پیڑ پر قا قی قمریاں قا قا قول کریں

پہ پہ پادشہ کے مزار پر رنڈ رنڈیاں ترتر روں کریں

....

یہ میری چیز ہے کیوں دل تمھیں بھی دیتا — تمھارے باپ کی ہے جان تمھاری

یہ دختر رز حرامزادی مردار — مینا بازار کی ہے رہنے والی

ایک گھونسا ایک مکا ایک جوتا ایک لات
فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

اے میرے میاں وصف تری موٹی کمر کا
ہاتھی کی کمر پر قلم لٹھ سے لکھا ہے

مجھے دیکھو کہ میں بھی آدمی ہوں
جوانی کیا تمہیں پر پھٹ پڑی ہے

سمجھا کہ سر پر رکھ کے مرا چاک لے چلے
دوڑا کمہار شیخ کی دستار دیکھ کر

چاندنی رات صنم چاند نرالا نکلا
رنڈیاں مر گئیں بھڑووں کا دوالا نکلا

شنیدم شیخ جی در ضعف پیری
بہت سی کھا گئے روٹی خمیری

صدائے گوز آمد چوں نفیری
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری

کہ از بوسہ دلاویز تو مستم

تری الفت میں تو ہم نے لٹایا خانداں اپنا
تری الفت سے باز آئے اٹھا لے پاندان اپنا

دختر درزن کا سینا دیکھ کر
جی میں آتا ہے کہ ململ دیجئے مر

انگیا دے درزن ہمارے جامہ کو تیار کر
کام ہے تجھکو شتابی آ ذرا سینے تو لگ

دھوبن کی چھوکری نے کس گھاٹ جا اتارا
جب سے کہ کی ہے کندی تب سے ہے دل ہمارا

لڑکی کمہار کی نے مٹکا کے چشم وابرو
دل چاک کر دیا ہے پھرتا ہوں لوٹا لوٹا

گڑرن کی چھوکری سے ہم نے کہا نہ کیجی
کہی کیا محبت پہ کس نے بھیڑ ماری

جب سے دیکھا دختر تیلن کا تل
تل پہ تل خون جگر پیتا ہوا

ت ت تم تو سنگدل ہو ص صبر کیجے آئیے
رچ پچ جا دمیں تمہاری ڈ ڈ ڈبتا ہے یہ دل

دونوں رخسار عنایت کریں اک ایک بوسہ
اب مرے واسطے سرکار سے چندہ ہو چلے

سو بوسے گر دیتے ہیں تو اور دیجئے
تسبیح میں ہیں صد ورد میں دانے شمار کے

دھڑکا کے بوسہ لیجئے رخ رشک ماہ کا
چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دبا کے

سمجھا طالب بوسہ گر لیں بوسہ دربار سے
پر کیوں آتا ہے کہہ کیا یہاں خیرات بٹتی ہے

خال کو چوم کے بوسہ تل عارض کا لیا
مہر حبش سے جو چلا جانب لندن نکلا

جو پہلے بوسۂ پستان یار لیتے ہیں / وہ دودھ پر کی ملائی اتار لیتے ہیں

جب سے کرتی کی جالی کی محرم پسند ہے / سونے کی چڑیا چاندی کے پنجرے میں بند ہے

بند محرم کے کھلے ہیں اُس بت مغرور کے / اڑ گئی سونے کی چڑیا رکھ سکا نہ رنڈی کے ر

قدرت خدا کی دیکھئے پستان یار میں / پیوند فالسے کا لگا ہے انار میں

چھوا سینہ تو بولے مسکرا کر / کہ پانچوں انگلیاں ہیں اب تو گھی میں

جوبن ترا ابھار رہے انگیا میں اسطرح / جسطرح اپنی جو بچے کے اندر بیا ہے

رخ انور پہ اُن کے ہے عیاں خال / یہ بیٹھا جیسے دودھ میں مکھی پڑی ہے

نہ گھبراؤ ابھی مرغ سحر سے / چراغوں میں ابھی بتی پڑی ہے

نہ کیوں ہو کم سلوں کی شربت دیدار لذت / مزا دیتا ہے جب پانی تلک بھی کورے برتن میں

ہے شب وصل بولو آہستہ / چارپائی بھی کان رکھتی ہے

مدت کے بعد پائی ہے ہمنے شب وصال / دو چار سو برس تو الٰہی سحر نہ ہو

یاد آتی ہے جو عورت کسی متوالی کی / گو مسلماں ہوں پہ دیتا ہوں قسم کالی کی

تم کو لازم ہے پکڑو اب میرا / ہاتھ میں ہاتھ با محبت و پیار

خوب کروایا اب تو مت کروا / مجھکو رسوا بہ کوچہ و بازار

حکم ہووے تو آج مار ڈالوں میاں / کھینچ کر پیٹ میں عدو کے کٹار

ہے یہی آرزو کہ ہم بھی لگیں / تیرے قدموں سے مثل رنگ حنا

خوب پکڑا حضور نے سر بزم / غیر کا ہاتھ مجھکو سمجھا کر

کیوں نہ جھجکتے ہو جب لپٹا لیا / ہاتھ گردن میں پیار سے آ کر

جی میں آتا ہے کہ رکھ لوں آپکے / عطر کا پھاہا لگا کر کان میں

ہولی خالی نہ جانے پائے بھائی / منہ کا ہے یہ حال جسم رہی ہے کالی

ساقی کو یاد کر رہے ہیں سب رند — بل آنے پہ دیدیتے ہیں پائی پائی

بڑی کھینسا ہولی کی جو کھیّا ہمرے سُن پائن — بلوا بھیج کے تو آکے ہاتھن ہمکا بلوائن

بڑی خاطر سے دست ہمرا پکڑ کے لیگئے بھیتر — بچھونا وہ رسوئیاں والے کے کمرہ میں بچھوائن

گلوری دان چاندی کا کہں بھگوا سے لے آو — دساوری پان بھی منگوائے کے بھوجی سے لگوائن

کچوری پوری - ربڑی مال موکھا اور برفی تکونے — وہ بھوجی لوک ناتھن سے وہیں چکوا سے منگوائن

گزک چٹنی اچار ادرک بھی رکھن بھوجی پتا پر — بڑکیا اور پیڑا یا گھر میں اپنے خوب پکوائن

غرض ہم کہہ سکت ناہیں بڑی خاطر بھئی ہمری — ہمیں تو پیٹ بھر کے خوب اچھا کھانا کھلوائن

بدل لنگا و پٹہ بھوجی کا دل ہاری بلوائن — ہمارے قرب ہاں جھالا سے گگا نا خوب سنوائن

عبیر اور بکا سب کھا رہا بھر بھر کے کٹھریا میں — ملن بھی ہمرے گگا ماں اور اپنو خوب بلوائن

منگا کس دار و مہوا کی بہت عمدہ سی اک بوتل — بڑے ہی شوق سے بھر بھر کے کلہڑ میں پلوائن

وہ ہت تیرے عشق کے آزار کی ایسی تیسی — کون جھنجھٹ میں پھنسے یار کی ایسی تیسی

جو کہ غیروں پہ مرے اسکی محبت کیسی — ایسے بیہودہ دلِ زار کی ایسی تیسی

گھورنے کے لئے اچھے ہیں دکھانے کو علیل — یار کی نرگس بیمار کی ایسی تیسی

سوکھی روٹی پہ قناعت ہے مجھے ایجانی — تم بغل میں ہو تو زردار کی ایسی تیسی

بات کرتے ہی وہ جھنپا یا چپت دیتا ہے — ایسے معشوق بد اطوار کی ایسی تیسی

ہوا اتنا میں لاغر لیٹے لیٹے مجھکو موت آئی — اٹھانے کو جو لوگ آئے ملا مردہ نہ بستر پر

لاغر ہوں میں اتنا کہ نکل جائے جو چیونٹی — اٹکے نہ گلے میں یہ تن زار بھی میرا

. . . . — . . . .

جب میں کہتا ہوں کہ گیہوں کی کشش پر — ہنسکے فرماتا ہے یہ ہی ٹھیک ہر گز

غریبوں پہ مت ظلم کر اسے ڈیر — میں قربان جاؤں اگر کم ہو ہیر

بتائیں تمہیں لالہ صاحب کہاں ہیں — باپ و نہم میں بیٹھے ہوتے ہیں عنقا

خسن کے سبب بند طاوسی شد (ذمہ داری) — کہ اشکن میں بہوت ہیں پانی کے ریلا (ذخیرہ تہی)

رسوئی میں پکتے ہیں کھانے لذیذ (ذائقہ دار) — بکریں سکے قتلیا پھر بن کے شوربا

للن کے ذرا بخت عالی تو دیکھو — خسر فوت شد اور خسر یا بقا یا

لاآبالی مرزا لاابالی کے تخلص سے اودھ پنچ سابق میں واقعات حاضرہ پر ظریفانہ شعر لکھتے تھے نہایت مشاق معلوم ہوتے ہیں ہر رنگ کے شعر آپ کے یہاں ملتے ہیں۔ چنانچہ سنہ ۱۹۲۴ء کے ستمبر میں بارش زیادہ ہوئی اور ایک طوفانی سی صورت پیدا ہوگئی تو آپ نے ایک بڑا مسدس لکھا جس کے چند بند لکھتا ہوں۔

دریا ابھی ابر سے کیونکر پھسل پڑا — کیوں ابر بھی نہ اسکی برابر پھسل پڑا

بجلی گری ہے یا کوئی جوہر پھسل پڑا — اس شوخ سیمبر کا جو جوہر پھسل پڑا

سنہ چار کی کمر سے ستمبر پھسل پڑا

سڑکوں پہ دیکھئے تو گدھا کہیں پھنسا — چنگھاڑتا ہے اونٹ کہیں پر پڑا پڑا

گھوڑے کا دم ہے ناک میں تا نہیں پڑا — ہاتھی بھی فیل خانے کے اندر ہی گر رہا

چوہا بھی اپنے بل سے نکل کر پھسل پڑا

گر چھپکلی کواڑ سے نکلی پھسل پڑی — بلی کہیں جو آڑ سے نکلی پھسل پڑی

ہرنی کہیں پہاڑ سے نکلی پھسل پڑی — چیونٹی بھی جب دراڑ سے نکلی پھسل پڑی

لنگور گر پڑا کہیں بندر پھسل پڑا

سب صحن سنا کے کیچ میں مرغا اڑک رہا — ٹڈی زمیں پہ آرہی ٹڈا پھسل پڑا

پڑی تو لت پتا گئی پڑا اڑنگ ہا — چلائی چیل پانی میں کوا اڑنگ ہا
چھتری پہ بیٹھے بیٹھے کبوتر پھسل پڑا

تیزی میں ڈاکیہ کوئی چٹ پٹ سے آ رہا — صاحب بھی آتے جاتے میں کھٹ پٹ سے آ رہا
الجھا جولا پان میں او جھپٹتا آ رہا — کوئی تو چت گرا کوئی کروٹ سے آ رہا
بابو کہیں ڈھلک پڑا ماسٹر پھسل پڑا

کل ہم شریک ہوتے گئے اک برات میں — پھسلن مذاق کرنے لگی بات بات میں
سمدھن لڑھک پڑی سمدھی کے ساتھ میں — سالے سلج کی گتھ سی گئی لات لات میں
دولھا دولھن کو لیکے سراسر پھسل پڑا

پلٹن پھر ایک باجہ بجانے میں آ رہی — بھانڈوں کی صف بھی باتیں بنانے میں آ رہی
یہاں ڈومنی جو راگ سنانے میں آ رہی — کسبی وہاں وہ بھاؤ بتانے میں آ رہی
باہر کوئی گرا کوئی اندر پھسل پڑا

کل شب جو بزم عیش ہوئی در شراب تھا — ساقی تھا ماہتاب قدح آفتاب تھا
بدمستیوں میں جوشش شوق شباب تھا — پامال تھی حیا نہ خیال حجاب تھا
اسپر گرا جو شیرہ وہ مچھیر پھسل پڑا

پہلے تو چڑھکے ساقی پر فن نے ٹانگ لی — بھاگا جو ادھر آکے تو پیچن نے ٹانگ لی
کیا رند میگسار کی چتون نے ٹانگ لی — پھر ہوش اور حواس کی آن بن نے ٹانگ لی
کل شیخ میکدے میں کمر پر پھسل پڑا

شبرات کے متعلق اک بڑی نظم ہے اس کے بعض بند سنیئے۔

کیا شور ہے جہان میں کیسا ہجوم ہے — چلی پھر کہیں روشنی کی کہیں دھوم ہے
حلوا پڑا ٹھا پکا ہوا بالعموم ہے — جاری ہر اک سمت وہاں کی رسوم ہے
اس کھلبلی میں دیکھئے اطفال ہر گھڑی

آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

پھرتے ہیں لڑکے آج مچھندر بنے ہوئے — کرتب عجب دکھاتے ہیں بندر بنے ہوئے
نعرے لگا رہے ہیں قلندر بنے ہوئے — دریا میں آگ کے ہیں سمندر بنے ہوئے

چڑھکر سناتی باد ہوائی ہے یہ نڑی
آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

شوخی ہے چھوڑ دست شرارت کا راج ہے — زوروں پہ دل لگی ہے حماقت کا راج ہے
پاتا نہیں مزاج جہالت کا راج ہے — آفت کا راج ہے یہ لیاقت کا راج ہے

غوغا یہ کر رہی ہے چھچھوندر بڑی بڑی
آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

"مذہب کا سفر در وطن" ایک نظم ہے جو نہایت ہی خوب لکھی ہے۔

شور و غوغا کیا ہے یہ مذہب گیا مذہب گیا — کیوں گیا کیونکر گیا کس جا گیا اور کب گیا
گر گیا لندن کو تو وہ معدن تہذیب ہے — سمجھ لیں گنج شرف میں دین کا کوکب گیا
جا بجا ہے جلوے کو مرکب ہیں ہزاروں کیا حرج — اکا دکا گر کوئی پورب کو بھی مرکب گیا
ساغر مے نقد کوثر لیڈیاں ہیں نقد حور — کھل گئی جنت کی کھڑکی لب سے گر لب گیا
ہم نہیں ہندو کہ جائے کھانے پینے سے دھرم — جانے دو گر چھوت سے دین سری یا دھب گیا
کیک کا ٹکڑا کوئی اترا اگر پیٹ میں — ہے یہ ارشاد زباں اعلیٰ گیا اعذب گیا
گوشت پیلوں سے لفافہ ستر پوشی مدعا — یہ کہا کس نے لفافہ سے بدل مطلب گیا
آئی گر تہذیب ہم میں کچھ خوشی آمد خوش شد — گر تعصب جل دیا اولیٰ گیا انسب گیا
بڑھ گیا ہے جوش قومی ہے ترقی کی سبیل — یہ بھی اچھا جوش ہی گو جوش مذہب گھٹ گیا
گرچہ ہاتھوں نہیں وہ لمبی لمبی تسبیاں — دل سے بھی گرچہ خیال فرض واجب گیا
داڑھیاں منڈتی ہیں تو اس میں بھی ہے اک فائدہ — شاہد دلکش کے دل سے اندیشۂ عقرب گیا

ہر جگہ کاغذ کا استعمال ہے بے پیش و پس
تھا کہ ڈھب بھیلوں کا ڈھب اچھا ہو ڈھب گیا

اب کہئے تو کیا نہیں یہ باسی سید
موجود ہیں نت نئی نواسی سید

کیوں شیخ مغل پٹھان نہیں جنھیں ہماسا
حجام ہوں میر اور مراسی سید

کیا خوش ہو کوئی شریف مہتر مسٹر
پھرتے ہوں جہاں ہیں جب اکثر سید

مسٹر نہ بنے گا آن سے بہتر کوئی
صاحب ہیں چمار اور مہتر سید

کہتے ہیں کہ کالے ہیں بڑے ہی بے شرم
یہ بات تو سچی ہے عجب ناک بھی ہے

ہوتے ہیں بڑوں کے بھی مقابل چھوٹے
اس میں تو حیا کھلی ہے اور باک بھی ہے

رشیا پہ منہ آنے میں اسکو کیا لاج
جاپان کو جو شرم ہو کہیں ناک بھی ہے

کٹ جائیگی ناک کیا جو ہوگی بھی شکست
منہ پر تو ذرا دیکھئے کوئی ناک بھی ہے

جاپان کی روس سے یہی ہے تشبیہ
کمزور کے پشتہ کا قدم ناک میں ہے

گر ناک بھی ہوتی تو قیامت ہوتی
منہ پر جو نہیں ناک تو دم ناک میں ہے

لا فخر ۔ اودھ پنچ سابق کے ایک بے مثل ظرافت نگار ہیں حالات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوسکے ۔

ایک چڑیا وہ یوں اڑے پھرسے
بال صیاد کٹ گئے دھر سے

سانچے تار و پود شوخی کو
ہزل گوئی کے خوشنما تر سے

وہ خفا ہیں تو کیوں مناؤں میں
میری جوتی سے جوتی کے گھر سے

بلبلیں باغ میں چہک اٹھیں
میرے نالوں کے وہ نہیں سر سے

مر گیا ہائے رے دل بسمل
لوگ آ آ کے دیتے ہیں پرسے

بزم رنداں میں حضرت واعظ — کیا ہی بیٹھے ہیں دیکھئے لُٹتے
لاکھ پٹی پڑھائے غیر انھیں — ہم لگا لائیں گے کسی گُر سے
واہ رے ہم کہ ہیں پارس ہیں — وہ چلے آئیں پانچ گھر سے

ایک تو ہم مزاج کے کڑے — اس پہ غصہ مرے پہ سو ڈرّے
ایسا سمجھیں کہ تم بھی یاد کرو — روز پیتے تو ہو بہت غرّے
دعویٰ پارسائی اور یہ منھ — واہ شاباش مرحبا ہرّے
کیا انوکھی غزل لکھی لاغر — شاعری میں بھی لاگ کے کھڑے

سمجھ میں نہ آئے کسی بیل کی — سناتا ہوں وہ نظم میں ذیل کی
مری شاعری کی بڑی دھوم ہے — نہ سمجھے جو کوئی نرا بوم ہے
پڑا ہے جہاں میں مرا غلغلہ — نہ مانے جو الّو کی دم فاختہ
بہار دو جہاں ہم چو من دیگرے — بفہم اشعر ہم و بہ دانش خرے
سنان الف را چو شمشیر کشتم — قلم را بہ دو زخم مشہور کشتم
بگیرم چو در جنگ یک گرز داؤ — گریزاں شود مولوی کھانڈے راؤ
بگلزار معنی چو من بلبلم — چرا پس نہ صد بلبلہ بلبلم
مرے بلبلانے میں یہ بات ہے — کہیں بات ہے اور کہیں لات ہے

نہ چھوڑا کھانسنے میں شیخ جی نے تند لب کا — یہ حال اب بھی یار ہائے ربا سوس ہیں گویا
کمر تا صحی ہے فٹ بھر کی تو منھ بھی ہے وہ شتر مرغی — مگر ہاں شاعروں کو یہ تو محسوس ہیں گویا
دوائیں ان کی یہ اعجاز میں اکسیر ہیں بالکل — اطبا اشتہاری سب حب الملوس ہیں گویا

زباں جو کچھ بھی کہتی ہے یہ دانش کو سناتے ہیں
کھڑے دونوں طرف کانوں کے دو جاسوس ہیں گویا

یہ لو یادش بخیر آ ہی گئے وہ حضرت لاغر
یہی ہے تنگ تو غارت گر ناموس ہیں گویا

پھل لگے قامت دلدار میں قہ قہ قہ
معدن لعل لب یار میں قہ قہ قہ

بلبلیں کرتی ہیں کیا باغ میں چہ چہ چہ
خندۂ کبک ہے کہسار میں قہ قہ قہ

کلیاں کھلتی ہیں ترے ہاتھ سے کھل کھل کھل
پھول ہنستے ہیں ترے ہاتھ میں قہ قہ قہ

ہائے وہ شوخ حسینوں کی شرارت باہم
ہی ہی اک وہ میں تو دو چار میں قہ قہ قہ

بھول کر بھی جو دل زار ذرا ہنس دیتا
گونجتی گنبد دوار میں قہ قہ قہ

شوق مے نوشی میں رندوں کی وہ ہا ہو ہو
بط مے کی بھی وہ ہر بار میں قہ قہ قہ

قہقہے ساقی و ساغر سے صراحی کے کہیں
قلقل و مینا و میخوار میں قہ قہ قہ

قمریاں ڈھونڈھتی ہیں سرو کو کو کو لب جو
پا بگل قید وہ گلزار میں قہ قہ قہ

فرط اندوہ میں سیماب بڑی لوٹتی ہے
کس نے چن دی ہے یہ دیوار میں قہ قہ قہ

لپٹے پیچ یہ مضحک ہیں الٰہی توبہ
باندھی ہے شیخ نے دستار میں قہ قہ قہ

گدگدا دیتا ہے رہ رہ کے یہ فر اسپار
دوڑ جاتی ہے جو ہر تار میں قہ قہ قہ

کھیلتی کیسی مگر شوخ لبوں پر ہے ہنسی
کیا ہی وہ غنچہ گلزار میں قہ قہ قہ

ماجد - ان کی ایک غزل نظر پڑی جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی فحش گو ہیں۔ اسی غزل میں سے میں صاف صاف اشعار نقل کرتا ہوں - جو الفاظ غیر مہذب ہیں ان پر نقطے دیئے جائیں گے۔

لطف دیتا ہے مرا وصل میں شاداں ہونا — اور اس شوخ کا رہ رہ کے پشیماں ہونا

لطف تو جب ہے کہ ہوں دونوں ہم وصل کی — چاہیے تم کو مرے ساتھ مری جاں ہونا

صاف بتلاتا ہے کمسن بھی ہیں نادان بھی ہیں — آنکھ ...... کی درازی سے پشیماں ہونا

خوف ہے ان کو کہ ڈاکہ نہ پڑے صحرا میں — چاہیے جوبن کے پھاٹک پہ نگہباں ہونا

وصل کہتے ہیں کسے سن لو اسے غور کے ساتھ — کسی خانہ کا کسی جو ... میں مہماں ہونا

غیر نے شب وصل ... کیا تھا — ایسے موقع پہ ضروری ہے ... خاں ہونا

کہہ سکا ایسی غزل ایسی کوئی ... جاؤں — ورنہ ممکن نہیں ماجد سا سخنداں ہونا

مبین - حافظ قطب الدین دہلوی کے صاحبزادہ تھے جن کی شوخی کلام بعض اوقات میں ان کے کلام کو حد ظرافت میں لے آتی تھی - نہایت نیک نفس خوش مزاج آدمی تھے تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب کے وقت زندہ اور بخیریت تھے - نمونہ کلام بہت کم ہے زیادہ کلام اس رنگ کا دستیاب نہیں ہوا -

نزع کے وقت جو وہ حور شمائل آیا — ملک الموت کو بھی غش میں شامل آیا

ہے شیشۂ دل ٹکڑے ہر رند قدح کش کا — میخانہ میں ماتم ہے ماہ رمضاں آیا

مجرد — محمد پناہ نام تھا۔ دہلی کا رہنے والا نہایت خوش فکر خوش مزاج تھا۔ فکر مضمون عالی تھی مگر کچھ طبیعت کا اقتضا اور کچھ لوگوں کا تقاضہ دونوں مل کر ہزل کہنے پر مجبور کرتے تھے عموماً مقطع ظرافت کے رنگ میں ہوتے تھے۔ اور کبھی کبھی پوری غزل اسی رنگ میں کہہ جاتا تھا۔ اور اس پر طرہ یہ کہ مشاعرہ میں پڑھتے ہوئے کبھی نہ جھجکتا تھا۔ خود کو ذرا بھی ہنسی نہ آتی اوروں کو ہنساتے ہنساتے لٹا دیتا تھا نمونتاً ایک مقطع ملاحظہ ہو۔

اس چاند میں فلک کا مجرد سے گھر پٹا — اس ماہ سے نکاح کی جو رسم و راہ کی

محسن غالباً محمد محسن نام ہے خان پور ریاست بہاولپور پنجاب کے رہنے والے ہیں عرصہ تک بہ سلسلۂ ملازمت لکھنؤ میں مقیم رہے اب ریٹائرڈ ہو کر عرصہ سے اپنے مالوف میں مقیم ہیں ریختی گوئی میں ایک حد تک مہارت پیدا کی ہے۔ ایک دیوان چھپوایا ہے۔ جس کے دیباچہ میں جان صاحب سے مقابلہ کلام بھی کیا ہے۔ اور اس بات پر فخر کیا ہے کہ جان صاحب کے مقابلہ میں ہمارے کلام میں ایسے غیر مہذب الفاظ نہیں آئے ہیں جن کو دیکھکر کوئی متین سے متین طبیعت بھی نفرت کرے ہمارے نزدیک مصنف کا یہ دعوی صحیح ہو یا نہ ہو۔ مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ ابھی تک یہ ریختی کی اس حد پر نہیں پہونچے جہاں جان صاحب یا اُن کے معاصر پہونچ چکے تھے۔ ان کے دیوان کو ان اساتذہ کے مقابلہ پر لانا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ محسن اور مشتاق دونوں تخلص سے متخلص ہیں انتخاب دیوان یہ ہے۔

ہوتا بسم اللہ سے آغاز ہے دیوان کا | راز سربستہ ہے باجی وہ در قرآن کا
ہے یاد بندی کو بھی وہ لٹکا پھرے گا پھڑ ڈالا کھٹی کھٹا | نہیں نگوڑے کا کچھ بھی کھسکا ہو کوئی دشمن ہزار اپنا
بگاڑ دنگی میں بھی حال گھر کا وہ ڈالیں مجھ پر اگر گھر کا | کھلا کے رنڈی کو مال گھر کا نکالیں مجھ پر بخار اپنا
ہر سانس کا ہے کو سوت ہے وہ ہماری ہر طرح سے تو ہو | نہیں ہوئی ہوتی خوص ہے وہ بگاڑا دشمن نے یار اپنا
کھیل سمجھا ہے سفر بھڑوا عدم آباد کا | حوصلہ دیکھو تو گوئیاں اس موئے ناشاد کا
کسبی کے گھر سے لگا کر بیٹھتے ہو پان تم | واہ کیا کہنا ہے مرزا آپکی اس یاد کا
نند کی چالوں پہ چلکر آ گئی ہیں چال میں | تھا سبب بیگم ہوا یہ رنج کی بنیاد کا
بات تو شیریں کی رکھ لی تھی ہزار ونچ ہوا | گو بلا سے پھٹ گیا سر بھی میاں فرہاد کا
بیٹھنے پائے نہ تھے جو تڑ اٹھا بے چلیئے | خاک نکلے حوصلہ شوق دل ناشاد کا
جینے کی لت بھی لگا دی موئے نواب کو اوئی | زندہ در گور ہو باجی موا دشمن آنکا
پچھلے ساون میں تو تھے سوت کے گھر میں دولھا | دیکھئے اب کے کہاں ہوتا ہوا ساون آنکا
دولھا بھائی یہ موئی ہو گئی ہو عاشق | گوندھتی ہار ہیں کیوں نام ہے مالن آنکا
پھر گیا طبلہ بجانے آج گوہر جان کا | کیسا ننگا ہے نگوڑا باپ چندر بھان کا
ہوئے ڈھول خالی شیخ جی تم | خوب ہم نے بجا بجا دیکھا
گھروندے یوں تو بہت دیکھ ڈالے بیگم نے | مزا ملا نہ مگر شیخ جی کے گھر کا سا
نگوڑی وصل کی شب بھی ہوا نہ چین نصیب | لگا رہا ہوا کھٹکا موئی سحر کا سا
روٹی ممکن نہیں بھڑوے سے تو کپڑا کیسا | چھوڑو دہگڑے کو اری روز کا جھگڑا کیسا
کالا منہ نوج ہوا ایسا کسی بندی کو نصیب | داڑھی منڈا موا لگتا ہے بھجنگا کیسا
شوق سے آئیں وہ جب چاہیں تکلف کیا ہے | دولھا بھائی سے مجھے لے ہوا پردا کیسا
کسبیوں کی سی نہیں وضع تو ہے یہ باجی | اری پاجامہ کی گوٹ میں لچکا کیسا
جس سر زمیں پہ جاسے ہے آسمان نصیب | گوئیاں ری ایک سا ہی یہاں اور وہاں نصیب

دیگی وہی کبوتری انڈے میاں کے گھر | ہو جیسی لنڈوری کو کہیں آشیاں نصیب
خام ہے یہ اُدھیڑ بن گیاں | چھوٹتی ہے میاں سے کیسی کب
آج داروغہ کی کل ڈپٹی کی | رہتی گو ہر کو ہے بیگار بہت
لگائی جو بوسہ کی مرزا نے رٹ | کہا باجی نے دت موئے دور ہٹ
انواسی ہے کوری نہیں گوری نہیں رنڈیا | اسیر بھی ہے سرکار کی منظور نظر آج
در بدر بھیک ہی مانگے گا بوا میرے بعد | یاد رکھنا یہ مری بات بوا میرے بعد
سایہ مرزا کا پڑ گیا جو کہیں | ہو گئیں دیکھتے ہی اماں سُرخ
جیتے جی شرم نہ محسن کو جب آئی گوئیاں | خاک آئے گی نگوڑی کو حیا میرے بعد
کیوں نہیں کہتے صاف مطلب کی | میری چتر ہیں نگوڑے پیار کے لاڈ
ایک دو تین اوئی بوا حد ہے | کسطرح اٹھیں چار چار کے لاڈ
اب نہ جائینگے چھنالوں کی گلی میں مرزا | قسمیں کھاتے ہیں بوا رکھتے ہیں قرآں سر پہ
یہ رسیلا یہ رنگیلا یہ سجیلا ہو کر | بھلکی والی پہ موا مرتا ہے مرزا ہو کر
ردی کپڑے کو بھی ایکم پہ احتیاج ہو | آ گئی تھی چال میں ڈپٹی کلکٹر دیکھکر
کرے گا خاک موا بیوفا وفا کا لحاظ | نہ بوڑھی اماں کی ہو جسکو التجا کا لحاظ
رنڈی نگوڑی کی فقط گھات کا لحاظ | دن کا لحاظ ہے نہ انھیں رات کا لحاظ
مانا کہ ہم نے سوت کو کروا دیا حقیر | یہ تو بتاؤ کس نے یہ جھگڑا کیا شروع
ایک کو نوکر رکھا یا ایک کو چھڑوا دیا | ہیں مصاحب اُن کے کٹنے منہ لگے مردار حیف
ہے رنگیلی ترا بوڑھا میاں اللہ کی عطا | پیپلے منہ کا خمیدہ موا کھوسٹ عاشق

چمن میں جا جا کے رنڈیوں کو بلا و گے یاں شراب کبتک | کباب کھا کھا کے سوت کے تم کرو گے ہمکو کباب کبتک
اجی وہ بالا نہ لاؤ گے تم یہ ٹالا کبتک بتاؤ گے تم | کبھی تو گھر سے پہ آؤ گے تم کرو گے ہمکو کباب کبتک

موا فتنے میں یہ خبر ہے ہیں پاؤں پٹی پیچھے سرہانے نہ ہوئی کپڑا نہ گھر ہے نہ دو ہے پھر خمیں و خراب کہاں تک
پھر میرے سامنے وہی چنچل پیا کی بات ہے رہ تو سہی لگاؤں تیرے بانکپن میں آگ
ہوئی بیخود شرابی یاد آیا اری لینا بوا گوہر چلا دل
نہ جھوٹ بولیں گے چار ہیں ہم ہیں ڈیوڑھی کیا نزا ہیں ہم ہیں برقع پہلے سیتا رہیں ہم ہیں آپ نہ ہی پانی پیا ہیں ہم
چنیں کھا کھا کے بوا چور ہوئے بیٹھے ہیں آج وہ سوت سے مغرور ہوئے بیٹھے ہیں
بوا مغلانی بھی کیا خوب ہے حقہ نہ چھوا موئی بیگم کو تو چانڈو بھی پلا لیتے ہیں
رنڈی کے چھوڑنے کو جو کہتی ہوں پیا چھیڑ کر دیتے ہیں گالیاں مجھے ہنسکر جواب ہیں
ساون میں سوت کو نہ اگر دیں بوا طلاق پہونچاؤں میں تو ہاں یہ نگوڑی جہاں کی ہیں

دل کو ٹھرایا ہوا مجھ سے ہارا رات کو ڈھونڈھتا پھرتا تھا ٹھکے کا سہارا رات کو
بھیجا سالن گھی کا گھرا چوری چوری اٹھیں دیکھو بھٹیاری نے پھر نخرہ بگھارا رات کو
چھوڑ کر زلف و تارخ پہ بوا میں سوگئی وہ بچایا ہی گئے اپنا دوتارا رات کو
رکھا جب مرزا نے ساغر کو ہری کے ہاتھ پر پی گئی لیکر موئی سارے کا سارا رات کو

چھپروانت آج شیخ سے لگوا کے آئیو نہ دیکھو تو گالوں کو بوا انگوا کے آئینہ

کوشش کرو کہ مرزا سے بیگم کا ہو ملاپ گوئیاں ملانا پھر رنڈوں کا ثواب ہے
دم الجھتا ہے بوا سینے کی باتوں سے مرا مجھکو تو سوئی نگوڑی نہیں چھیڑ آتی ہے
تربت پہ آکے بھڑوے نے ماری جو ایک لات سو سو قدم پہ جا پڑے تختے مزار کے
میرے ہی سامنے موئی کسبی سے دل لگی بس بس نکل چکے مرے ارمان جا چکے
مجھے موچنہ بھڑوا مارتا ہے بڑا بیدرد میرا مردوا ہے

دل اسکی تیغ ابرو پر فدا ہے — وہ گورا لونڈا جو کپتان کا ہے
نہ مارو شیخ کو بے موت باجی — نگوڑا آپ ہی وہ مر رہا ہے
نہ نکلے گھر میں ڈولی کے بھی پیچھے — بڑا نواب کا سالا بنا ہے
ننگی نگوڑی باتیں بھی اور سب کے سامنے — کچھ تو حجاب پیارے میاں رمیاں سے ہے
ساتھ لونڈے لئے پھرتے ہو یہ صحبت کیا ہے — لت نہیں ہے تو میاں ان کی یہ گت کیا ہے
بڑا روویں مجھے جب بیچلے وہ — بُرا ہو تی نگوڑی ماملا ہے
بناتا ہے مواد ل لیکے باتیں — بڑا محسن نگوڑا مسخرا ہے

محشر۔ عبد اللہ خاں نام۔ رام پور کے رہنے والے تھے ریختی کہنے اور اسکو پڑھنے میں کمال حاصل تھا۔ ریختی میں خانم جان تخلص کرتے تھے۔ میں نے اصل تخلص ہی میں لکھنا مناسب سمجھا۔ مولوی عبد الغفور صاحب نساخ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان میں ایک بڑا عیب ہے کہ اوروں کے شعر اپنے نام سے پڑھتے ہیں۔ مگر افسوس کہ کوئی شعر ان کا نہیں ملا۔

کیسا تم جو چلے میں کبیر کچھ آنسے نہ کہیدیا — مری اچھی بوا یہ مردوے مطلب کے ہوتے ہیں

مشتاق اشتیاق احمد نام ہے۔ سلون ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں۔ گل باغ مراد مادۂ تاریخ پیدائش ہے آپ کے والد حافظ سردار احمد ایک نامی وکیل تھے۔ مرنے کے بعد کافی جائداد چھوڑی جو تخمیناً ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ منافع کی ہے۔ اسی سے نہایت خوشحالی کے ساتھ بسر اوقات کرتے ہیں۔ اور محض اسی جائداد کی وجہ سے اس قصبہ میں قیام ہے۔ ورنہ آپ کا آبائی وطن نارہ ضلع الہ آباد ہے۔ فارسی عربی کے علاوہ انگریزی کی تعلیم الیف اے تک

حاصل کی۔ ۱۸۹۶ء سے شعر کہنا شروع کیا۔ جناب شیر مچھلی شہری سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ آپ کی تصانیف بھی بہت سی ہیں جن میں سے بعض نہایت قابل قدر ہیں۔ دو دیوان عاشقانہ۔ ایک نعتیہ۔ دو مثنویاں ایک تاریخ سلاطین۔ افتخار الکلام دیوان قصائد قابل ذکر ہیں نعتیہ کلام میں اکبر کا رنگ پسند فرماتے ہیں اور انھیں کا تتبع کرتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ہو چکی اندر سبھا اب ہے کسانوں کی سبھا
کیا زمینداروں کی قسمت میں الٰہی ہے لکھا

دکھلایا جیل ترک موالات نے مجھے
لیڈر بنایا میری حوالات نے مجھے

ان جلا ہونکے لئے اسکیم گاندھی چل گئی
لیڈر دو سرکار میں بیٹھے بٹھلے چل گئی

امن ہی رخصت اگر قانون شکنی ہو ہیں
اینٹ سے اینٹیں بجیں غائب جو چمنی ہو ہیں

آپکے دل میں اگر وقعت ہے میری رائے کی
کیجیے سوراج کے خاطر حفاظت گائے کی

تھا وہی جسکی نہ ہو یہ بحر وہ معراج ہے
ہند میں جو شے نہیں ملتی وہی سوراج ہے

جس زمانہ میں مقید ہو گئے تھے موتی لال (ق)
اک محب خاص کو میں نے جو پایا دردمند

میں نے اسے کہدیا یہ رنج سب بیکار ہے
خود خدا رکھتا ہے اندر سیپ کے موتی کو بند

ایک نے پوچھا کہ اب ہے ہند میں کیا چیز سہل
کس میں شوکت آجکل ہے کس میں حاصل شان ہے

بے تکلف یہ دیا اس شخص کو میں نے جواب
آجکل لیڈر کا بنجانا بہت آسان ہے

مائل بہ ترحم جو ہوئے ہند پہ گاندھی
سوراج کے لینے پہ کمر آپنے باندھی

ہو سے کے شجر جڑ سے اکھڑ کر گرے لاکھوں
جب سال گزشتہ چلی ترمیم کی آندھی

مفید ان کو کوئی تعویذ گنڈا کیوں نہیں ہوتا
بڑی حیرت ہے ہمکو ان کے لڑکا کیوں نہیں ہوتا

نہ بولینگے کبھی خان اسلامی یہ لکھ دوں کیوں
بتاؤ ہند پھر شدہی کا دریا کیوں نہیں ہوتا

ملتی ہے گر جا کی چھٹی ہم وہاں جاتے نہیں
ہے حجامت یا نہانا منحصر اتوار پر

مال میں پٹواری صاحب ہوتے ہیں اصل الاصول
ہے پولس پر کام سب موقوف چوکیدار پر

باپ کی ساری کمائی ہو گئی نذرِ بوٹ سوٹ | بھوت کالج میں چڑھا فیشن کا برخوردار پر
مولوی صاحب نے اپنا الٹی میٹم دیدیا | اٹھتے ہی لڑتے مسلمانوں نے بھی دم دیدیا
پاس کرنے اب لگی ہیں عورتیں بیرسٹری | نر سے مادہ کی عدالت میں ہے جنگِ زرگری
اب تک یہ خواب دیکھتے ہیں ہوم رول کا | دشوار بیٹھنا ہے مگر اس کی چول کا
راز کھدر ہی میں کچھ سوراج کا تو ہے | پر مرے نزدیک تو دلی ابھی تک دور ہے
مرا سینہ بھی پالیٹکس کا اس وقت مخزن ہے | ادا ہیں ایسی بسمارک کی ہیں اور شان لسن کی
ٹھہرو ہوٹل میں چھوڑو فکر سرا سے | کبھو قہوہ پیو کبھی کم چاے

یہ ترقی لارڈ کرزن کی بدولت ہو گئی | مونچھ کس گنتی میں ہے داڑھی بھی رخصت ہو گئی
آنکھوں کی روشنی کا یہاں بگڑا کھیل ہے | ان کو پسند یہ بھی مٹی کا تیل ہے
عورتوں سے ہند میں بے پردہ کیجئے ق | خوب ہے ان کو کھلے بندوں پھرایا کیجئے
آپ کے ہاتھوں ترقی جو نہ حاصل ہو سکی | اب مدد سے عورتوں کی اسکو پورا کیجئے
آپ کا اور ہم سے باتیں ہیں عدو کا دل جلا | کوستا ہے کیوں کرایہ کا یہ ٹٹو ہیچ ہیں
ساتھ غیروں کے ہیں یاں پانی دیئے بیٹھے ہیں آج | ساتھ گو دل ان کے اڑتے جسطرح مشہور ہیچ ہیں
لگ گئے گھوڑے تو ٹوٹا تسمہ موچی کا جناب | بچھڑا ہی بس گیا بیچارہ بدبو بیچ ہیں
یوں عدو ننگا دھڑنگا بزم میں ہے بچھا | مجمع ناگہ میں بیٹھے جیسے سادھو بیچ ہیں
اک طرف انگلش زباں ہے اک طرف ہے ناگری | بس یہی ہے سبب بیچاری اردو بیچ ہیں
نہ سمجھیں آپ مجھکو میں بھی کا اب سیسر ہوں | حقیقت یہ ہے میں بھی جی بجانے کا ذکر ہوں
ترکوں نے بیشک کیا ہے یہ کمال | جو دیا اسلام سے پردہ نکال
ترجمہ خطبوں کا کر کے اسکو رخصت کیجئے | نہر سے عربی زباں بھی حج کرنے کو چلی

مجنوں ۔ شاہ مجنوں کے عرف یا لقب سے مشہور تھے یہ شن ناکٹر جو محمد شاہ کے

دیوان کے نواسے تھے خود یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ زندگی نہایت عسرت اور شوریدگی میں گزرتی تھی ننگے پاؤں ننگے سر پھرا کرتے تھے۔ شعر گوئی کا شوق تھا۔ اول اول میں حسرت تخلص کرتے تھے پھر حانی تخلص کیا۔ اور اس کے بعد میر انشاء اللہ خاں کی صحبت میں رہنے لگے اور مجنوں تخلص اختیار کیا۔ اپنے آپ کو میر تقی میر کا شاگرد بتاتے تھے۔ مگر بقول میر حسن کہ خر عیسیٰ اگر بمکہ رود نمونہ کلام یہ ہے۔

پھر اب یہ جو چلا ہے کل وہ دل قرار ٹھہرا — کہتا ہے مجھ سے چل بے تو کب کا یار ٹھہرا
بوسے کے بدلے گالی دے بیٹھا مجھکو چٹ سے — تو اپنے منھ سے آپی بے اعتبار ٹھہرا

مجید۔ یعنی منشی عبد المجید صاحب مجید۔ ناگپور کی مشہور و معروف دی ماڈرن تھیٹریکل کمپنی کے چیف ایکٹر ہیں۔ ایک غزل ریختی کی ملی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی اس رنگ کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں۔

سوسن تجھے ملنے کو بھی لچا ہی ملا شوخ — کیا تجھکو بنائے گا نگوڑا وہ موا شوخ
آیا مری لونڈی کو بھی کرتا تھا اشارے — کل وہ انھیں باتوں کی بدولت تو پٹا شوخ
ان دونوں میں رہتی ہی ہمیشہ سے لڑائی — کچھ منجھلی بوا شوخ ہیں کچھ چھوٹی بوا شوخ
یہ کس نے بتائی ہے چھچھوروں کی ملاقات — بھاتا نہیں اک آنکھ بھی مجھکو تو بڑا شوخ
بل سارے نکالوں گی ابھی نکلے کیطرح سے — پاپوش سے ماروں گی جو ہیٹے وہ چڑا شوخ
ہر ایک سے یوں آنکھ لڑا لیتی ہے نرگس — ہے ہے نہیں آتی ہے ذرا تجھکو حیا شوخ
الفت جو مجید آ سے تو تو بات نہ کرنا — وہ ایک ہی چلتا ہوا لچا ہے موا شوخ

محب منشی برج بھوکن لال نام ہے قصبہ دریا آباد ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے ہیں منشی نوبت رائے لکھنوی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ ابتدا سے شعر و شاعری کا

کا شوق تھا۔ مگر طبیعت کا رجحان زیادہ تر ظرافت کی طرف تھا۔ منشی نوبت رائے صاحب کے انتقال کے بعد آپ ہی اپنے کلام پر نظر ثانی فرماتے رہے اور ۲۶ء میں اپنا دیوان بھی شائع کیا۔ آپ اکبر مرحوم کے رنگ میں شعر کہتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو اکبر کا رنگ دراصل ایسا تھا کہ اسکا اتباع دشوار تھا۔ مگر افتاد طبیعت سے مجبور تھے۔ اسی طرف متوجہ رہے۔ محب صاحب نہایت نیک نفس اور خلیق زندہ دل آدمی ہیں۔ اور کلام میں تا حد مقدور شوخی وغیرہ کو مد نظر رکھتے ہیں۔ خود ہی فرمایا کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں اکبر نے یہ رنگ حسن کے ساتھ کہا اور ہندوؤں میں میں نے۔ ان کا یہ جملہ یقینی قرین صداقت ہے ایک مرتبہ راقم الحروف سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ اور خود جناب موصوف نے اپنا دیوان مرحمت فرمایا تھا۔ عرصہ سے آلام و مصیبت اور طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہتے ہیں اب مرض برص بھی شروع ہو گیا ہے عمر تقریباً ۵۰ برس ہو گی۔ دیوان کے علاوہ تاریخ دریا آبادی بھی آپ کے نتائج افکار سے ہے یہ کتاب نہایت خوب لکھی ہے۔ دیوان کا انتخاب حاضر ہے ملاحظہ ہو۔

کہتا ہے شوق ہم سے ہوائی جہاز کا — بیکار ہے خیال نشیب و فراز کا

ہو گیا سہل سفر ریل کے باعث اے خضر — رہبر شوق ہوا عشق میں انجن اپنا
ہم غریبوں کے مقدر میں نہیں عیش لکھی — اے محب تمکو مبارک رہے فیشن اپنا

اُن سے باتیں کیں تصور میں تو یہ ہم پر کھلا — کشور الفت میں ٹیلیفون کا دفتر کھلا

شوہر مفلس کی چندیا کا ہے اب بچنا محال — ہو گیا ہے شوق بی صاحب کو لیڈی پن کا
کوئی نٹ کہتا ہے اُن کو کوئی بندر اے محب — شغل جب سے ہو گیا جمناسٹک اور جمپ کا

تصور ہے مسوں کے مصحف رخسار زیبا کا ۔۔۔ کسے ہے یاد قرآں کی کسے ہے شوق گیتا کا
نہیں ذوق عبادت شوق ہے راحت کے ساماں کا ۔۔۔ خدا سے پھر گیا ہوں آجکل بندہ ہوں شیطاں کا
شگفتہ خاطری موقوف ہے ٹائپ کے حرفوں پر ۔۔۔ کوئی شائق نہیں گلزار نستعلیق و ریحاں کا
مسوں کے لب میں بھی لطف حیات جاودانی ہے ۔۔۔ خضر ہوٹل میں بھی بہتا ہے چشمہ آب حیواں کا
کیا صفائی مغربی مسہل سے آنتوں کی ہوئی ۔۔۔ منھ پہ رونق آگئی گو پیٹ خالی ہوگیا
پارکوں میں گھوم لو کھالو ڈبل روٹی محب ۔۔۔ آخرش اک روز دنیا سے سفر ہو جائیگا
چلو جلسوں میں موٹر پر اڑو چندے دیے جاؤ ۔۔۔ بغیر اس کے محب پبلک میں شہرا ہو نہیں سکتا
پسی جاتی ہے اب اولاد آدم غم کی چکی میں ۔۔۔ بڑھا ہے پیٹ کا نرخ اور گھٹا ہے نرخ گندم کا
نوٹ سے بڑھکر نہیں دولت کوئی اس عہد میں ۔۔۔ مل گیا جس کو یہ کاغذ کیمیا گر ہو گیا
گھلایا اسقدر اس شوخ کی بے اعتنائی نے ۔۔۔ کہ اب ہمسے وفاداری کا گٹھڑ اٹھ نہیں سکتا
زباں کا اب تو دعوی ہر کس و ناکس کو ہے بھائی ۔۔۔ نہیں پابند کوئی لکھنؤ اور دلی کا

دیکھکر لعبت لسبری کو ۔۔۔ طفل دل کیا ہی کھل کھلا اٹھا
وہ طمانچہ پڑا اگر انی کا ۔۔۔ دل غریبوں کا تلملا اٹھا
بل کیا پیش کمپنی نے جب ۔۔۔ اسے محب شیخ بلبلا اٹھا

خوب ہے اب تو بلندی پہ ستارا اُن کا ۔۔۔ چرخ پر اُڑکے پہونچتا ہے غبارا اُن کا
تیغ اصلاح سے کاٹیں جو گلا مذہب کا ۔۔۔ میرے آگے نہ کرو ذکر خدا را اُن کا
طور پر حضرت موسی نے تجلی دیکھی ۔۔۔ ہمکو لندن میں میسر ہے نظارا اُن کا

بابو صاحب ہیں مست ہوٹل میں ۔۔۔ کون پرساں ہے بھائی دیبی کا

کیا خبر کیک کونسی ہے بلا ہم سے پوچھو مزا جلیبی کا

اب اور کوٹ کا زمانہ ہے نام صاحب نہ لو رزائی کا
ڈاٹتی ہیں حسین لیڈی پمپ کون خواہاں ہو زیرپائی کا

ہر شے ہے گراں جنس شرافت کے علاوہ بازار میں سستا کوئی سودا نہیں ملتا
ہنری کے تو شاگرد نظر آتے ہیں لاکھوں ڈھونڈے سے کوئی ویاس کا چیلا نہیں ملتا

جامہ زیبی ہے وضع مغرب میں کیوں نہ ہو ہمکو شوق چسٹر کا
کون پرساں بیاض نظم کا ہو یہ زمانہ تو ہے رجسٹر کا

لاحول سے نفرت ہوئی اور سے ہوا شوق اب آپ سے ناخوش کبھی شیطان نہوگا
کردیا بدحواس چند دن نے دھیان کسکو ہے وان اور پن کا
کیا اعتبار زندگی مستعار کا چھ سیر جبکہ بکتا ہے آٹا جوار کا
آسماں پہ دماغ ہے اپنا سر پہ جب سے ہے مغربی کنٹوپ

ملک و دولت کا کیا اس کو خدا نے لفٹنٹ اور ہمیں بنک مصیبت کا بنایا ایجنٹ
پے شہرت یہی کافی ہے نہیں مال سے بحث ایک تختے پہ یہ لکھوا دیجئے جنرل مرچنٹ
قرض لے لے کے مئے عیش اڑائی ہے عجب آج ہو آپکو قرقی کا مبارک وارنٹ

تیز کیا ہم سست دل ہوں اہل جرمن کیطرح بھائی چھکڑا چل نہیں سکتا ہے انجن کیطرح

اب اسی میں سرخروئی آبرو داری کی ہے
بس انھیں کے رنگ میں مل جائیں پانی کی طرح
چھوٹی ٹائم پیس کا ہے دائرہ اُن کی کمر
ناچ میں جو لوچ کھاتی ہے کمانی کی طرح

یار من مشفق من تیرا القاب پسند
ہے فقط مائی ڈیر آج کل احباب پسند
کھپ گئی ہے مری آنکھوں میں ولایت کی زری
خفتہ بختوں کو بنارس کی ہے کمخواب پسند

چائے کے آگے پان ہے کیا چیز
چندے کے آگے دان ہے کیا چیز
گولڈ اسمتھ کی دیکھئے لائف
اس کے آگے پران ہے کیا چیز
عیش چاہو خوشامدی بن جاؤ
زر کے لالچ میں آن ہے کیا چیز
سیکھو انگلش فرنچ لیٹن اب
بھائی دیسی زبان ہے کیا چیز

کمیٹی و چندہ کی کوشش مبارک
یہ نزلہ مبارک یہ پیچش مبارک
ہوا شغل شیخ و برہمن میں باہم
یہ مضمون مبارک یہ بندش مبارک

ہر اک کی شان میں کہتے ہیں آپ ایسے ہیں ویسے ہیں
کوئی کاش اُن سے یہ پوچھے کہ حضرت آپ کیسے ہیں
تھیٹر میں وہ ہنستے ہیں تو اسٹیج میں ہم روتے ہیں
جزاک اللہ قومی درد الفت اسکو کہتے ہیں
نہ چھیڑیں بحث واعظ آجکل کے تیز طبعوں سے
کہ وہ ہیں وانٹ کمسریٹ کے یہ پولو کے گھوڑے ہیں

مدت سے مر گئے ہیں نئی روشنی پہ ہم
اب تک جلا نہ لیمپ ہمارے مزار میں
اس مفلسی و قحط کے قربان جائیے
گیہوں کے بدلے ملتا ہے لطف اچار میں
دل ہے وہی جو آئے مسوں کی چپیٹ میں
دولت وہی جو مے بنے اور جائے پیٹ میں

وہی پہونچیں گے اب تو منزل تک
جو کہ انجن کو رہنما سمجھے

بے ریل دو قدم نہیں چل سکتے آپ سے
ہم لوگ اب تو کھنچتے ہیں انجن کی بھاپ سے

بجا اسکول کا گھنٹا جو ٹن سے
تو اچھن آ گئی ڈولی میں زن سے

نہ کام آیا مرے پر مغربی پوسٹ
بدن ڈھانکا گیا آخر کفن سے

مزار اپنا بنے گا پارک میں اب
ہمیں کیا کام ہے باغ عدن سے

ترقی پر ہے اب چندے کا آنا میں
مریض قوم کے دم پر بنی ہے

اور اسپر مفلسی کی سخت گلٹی
کہ جس سے رگ شرافت کی تنی ہے

نام ہوتا ہے زمانہ میں محب دو ہی طرح
چندہ دینے سے اور اخبار میں چھپ جانے سے

کیوں برا مانیں جو وہ کہتے ہیں ہمکو ڈیم فول
یہ تو معشوقانہ شوخی ہے کوئی گالی نہیں

تا کجا قدر سخن پی شاعری کے پیٹ سے
اور ہوتے ہیں تو لدا اب سخنور سیکڑوں

مدار کار جہاں اب سکہ پر ہے
گیا وہ وقت گٹھری و ریل کا کام نہیں

وہ وزن کھو کے بھائی ہم ڈھول ہو گئے ہیں
پہلے تھے ٹھوس لیکن اب پول ہو گئے ہیں

دل احباب کو دھسکا پڑا ہے فوجداری کا
بڑا لٹا ہے اب گھر سے زیادہ جیلخانے میں

بھلا ان لڑکیوں کے حسن کیرکٹر کا کیا کہنا
جنہیں مس صاحبہ اسکول میں تعلیم دیتی ہیں

تھیٹر کے نرالے سین اعلیٰ سینری دیکھو
نہ جاؤ بھول کر ہرگز جہاں پر رام لیلا ہو

مبارک ہو محب یہ آتش شوق
گھر اپنا خوب پھونکو اور تاپو

تقریر پر عمل جو نہیں خود تو چپ رہو
مینڈک کی طرح شور مچانے سے فائدہ

کیوں رتھ کا ذکر عاشق انجن سے کیجئے
بھینسے کے آگے بین بجانے سے فائدہ

قیس کو دیوانگی میں تھا سگ لیلیٰ عزیز
عشق مس میں ہمکو پیارا آج اک ڈاگ ہے

نئی ملت کا زاہد ہوں مزے جنت کے حاصل ہیں
کہ سوڈا اور لمنڈ کم نہیں کچھ آب کوثر سے

پئے نامہ بری اب پوسٹ آفس ہمکو کافی ہے
نہ قاصد کی تمنا ہے نہ مطلب ہے کبوتر سے

بڑھ کے خیرات سے ہے قوم کی خدمت تو آب
بھیک دینے سے تو چندے کا سوال اچھا ہی

ہاں آغاؤں سے وعدے پہ خوشی سے لیجئے
جب تقاضا ہو تو کہدیجئے کہ نالش کیجئے

تعلیم مغربی سے بھی پھولے پھلے نہ ہم
بولے گئے جو بیچ وہ قسمت سے سڑ گئے

کھاتے نہیں پٹ نگ کسی کے دباؤ سے
مجبور شیخ ہو گئے دم کے لگاؤ سے

گر نوٹ پاس ہو تو ملے ساحلِ مراد
اب بیڑا پار ہوتا ہے کاغذ کی ناؤ سے

حقیقت یہ ہے کہ محب دریابادی کا کلام سراسر اکبر مرحوم کا تتبع ہے۔ مگر افسوس کہ ان کے کلام میں وہ اثر اور زندہ دلی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں طنزیات کا ایسا بے محل استعمال ہوا ہے کہ وہ واقعہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور جن طنزیات سے وہ نواہی کا کام نکالنا چاہتے ہیں ان سے اوامر مفہوم ہوتے ہیں۔ ان کے کلام میں قطعات۔ رباعیات۔ مثنوی وغیرہ بھی ہیں مگر ہم اسیقدر کافی سمجھتے ہیں اور اصناف کلام کا یہ تذکرہ متحمل نہیں ہو سکتا۔

م۔ ح۔ یعنی ماسٹر باسط صاحب۔ آپ بسواں ضلع سیتاپور کے رہنے والے ہیں اور دور موجودہ کے ایک نہایت خوش گو خوش مذاق شاعر ہیں۔ غزل خصوصاً نہایت عمدہ اور زبان کی حدود میں کہتے ہیں جس سے صحیح صحیح رنگ تغزل کی لطف آتا ہے۔ دوسرے لوگوں کی طرح آپ اسمیں فلسفہ اور تصوف کے مذاق کو شامل نہیں کرتے۔ جگر بسوانی سے اصلاح لیتے ہیں۔ مگر اسکا کیا علاج ہے کہ جناب جگر سے یہ خود اچھا کہتے ہیں راقم الحروف جناب باسط صاحب سے بھی بخوبی واقف ہے۔ اور کبھی کبھی جناب جگر صاحب کی غزلیں بھی سنیں میرے نزدیک دو جدا جدا رستوں کے چلنے والے ہیں۔ اور ایک کا دوسرے سے کوئی تناسب نہیں۔ باسط صاحب نہایت خوب کہتے ہیں اُن کی طبیعت

رنگینی - بیان میں آمد - بندش میں چستی برجستگی ہے اور اس کے برعکس جناب جگر کے یہاں خشکی - تقشف - پھیکاپن - بے مزگی - بہرصورت باسط نے ایسے اوستاد کی تربیت سے فائدہ اٹھایا اور خود نہایت عمدہ کہنے لگے - ذلک فضل اللہ الخ - آپ کبھی کبھی تفنن طبع کے لئے ظرافت کے اشعار بھی کہتے ہیں اور ظرافت میں ایک ہمہ گیری کی صورت پیدا کرتے ہیں - مگر افسوس ہے کہ باسط جس قدر رنگ عاشقانہ کو نہایت خوبی سے کہتے ہیں اوسی طرح ظرافت میں کامیاب نہیں ہیں - اسکی وجہ یہ ہے کہ دراصل وہ ایک متین اور مہذب آدمی ہیں - ظرافت کو ان کی طبیعت سے کوئی خاص نسبت نہیں ہے - ماسٹر باسط کسی اسکول میں اردو ٹیچر ہیں - شاعری کے بیحد شائق ہیں اکثر رسالوں میں غزلیں طبع ہوتی رہتی ہیں آپکی عمر اسوقت تخمیناً ۳۵ - ۳۶ سال کی ہوگی - نمونہ کلام یہ ہے -

حضرت دل جو کسی مس کے حوالے ہوتے — جتنے گورے ہیں مقرر مرے سالے ہوتے
وہ بت تیغ نگہ سے سیکڑوں کو مارتا ہے — نہ تحقیقات ہوتی ہے نہ تھانہ دار آتا ہے
کہاں جائیگا آڑ کرکے پریشاں اپنے عاشق — تری ٹم ٹم کے پیچھے میرا موٹر کار آتا ہے
خفا ہے اگر اے دل وہ بے تقصیر ہو جاتے — اگر ٹاکر بندہ درگاہ بھی شہتیر ہو جاتے
عدو کمبخت کو سودا ہے کچھ ایسا جدائی کا — لئے سر پر پھرا کرتا ہے ڈبا پانی کا
مرغ دل دام میں گیسو کے پھنسا لیتا ہے — تجھکو دلدار کہیں ہم کہ چڑیمار کہیں
کیا فرق ہے بتا دو لٹھ میں ہو لوی میں — وہ شاخ ہیں قلم کی لٹھ ہیں یہ ہرا لے
جو دیکھیگا کوئی یوں بانکپن سے — پکڑ کر کھینچ ہی لونگا قلم سے
کھینچتا تصویر کیونکر دیکھکر تیرا جمال — ہاتھ کانپا مرگئی نانی وہیں بہزاد کی
رنگ لائیں نہ غضب غیر کی چکنی باتیں — تم تنبولی اسے سمجھے تھے وہ تیلی نکلا
بتنگ آمدم چون شب ہجر اے دل — طپیاں سوے او چون مچھر یا سم

مخلوق ۔ تذکرۂ خوش معرکہ میں جو پٹنہ لائبریری میں محفوظ اور موجود ہے ان کا نام میر احسان علی لکھتا ہے مخلوق نواب تقی خاں ترقی کے یہاں قصہ گوئی کے خدمت پر مامور تھے ۔ میر خلیق کے چھوٹے بھائی یعنی میر انیس کے چچا تھے ۔ صرف دو شعر تذکرۂ انیس مصنفہ مرزا فدا علی خنجر لکھنوی سے دستیاب ہوئے ۔ جو ریختی میں ہیں اسی سے گمان ہوتا ہے کہ مخلوق کا رنگ یہی تھا ۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے لوگ بھی اس قسم کے شعر کہنے سے باک نہ کرتے تھے ۔

اے دوا دیکھو اب ہوگا بڑا شر پیدا ۔ لوزنا خی نے کیا اور نیا گھر پیدا

مردوں کو ترس رنڈیوں پر کیوں نہیں آتا ۔ میں مرگئی کمبخت اثر کیوں نہیں ہوتا

مذاق ۔ مرزا غضنفر حسین نام ہے جونپور کے رہنے والے ہیں ۔ پچاس برس کی عمر کے آدمی ہیں ایک وقت میں مذاق اور ظرافت کے اشعار لکھنے کا بڑا شوق تھا ۔ اور صفدر مرزا پوری کو اپنا کلام دکھاتے تھے معاصرین سے چوٹیں چلا کرتی تھیں ۔ مگر اب عرصہ سے شاید بالکل اس رنگ کو ترک کر دیا ۔ چنانچہ خود ایک خط میں لکھتے ہیں ۔ مجھکو تو اب شعر و شاعری سے چنداں شوق نہیں ہے ۔ بہر حال جو کچھ اشعار یاد ہیں وہ لکھتا ہوں مرزا صاحب نے اپنا مختصر حال بھی تحریر کیا ہے ۔ جس میں خاندانی حالات زیادہ تر ہیں شاعری کے واقعات سے کچھ علاقہ نہیں اسیواسطے ان کو قلم انداز کرتا ہوں ۔ صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ آپ کے مورث اعلیٰ مرزا منور ل بیگ غازی خاں ایران سے بطلب شہنشاہ اکبر دلی میں آکر سکونت پذیر ہوئے تھے ۔ بعد چند سے منعم خان خاناں کے ہمراہ جونپور آکر رہے اور صوبہ جونپور کے گورنر یعنے

ناظم مقرر ہوئے۔ بہت سے مواضعات معافی میں پائے اور محمد شاہ رنگیلے کے عہد تک اسی طرح معافی میں رہے۔ مگر اب رفتہ رفتہ تمام علاقہ نکل گیا کچھ جاگیر اور برائے نام باقی ہے۔ ان کے خاندان میں سوائے مرزا صاحب یا اُن کے والد کے کسی نے ملازمت نہیں کی اور دربارداری کے جھگڑوں سے آزاد رہے اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

آتشک کے ہوئے یوں زخم بدن پر پیدا
رات کو چرخ سے جسطرح ہوں اختر پیدا

عیش باغ ان کا ہے کرتے ہیں مزے پیر کتیا
خوش نصیب ایسے بھی ہونگے کہیں بندر پیدا

شان اللہ کی ہے اسمیں اجارہ کس کا
بیضۂ زاغ سے ہوتے ہیں کبوتر پیدا

جھومنے لگتا ہے ہر شیخ و برہمن سنکر
تانیں سارنگی سے ہوتی ہیں یہ جوہر پیدا

یہ ذوق عشق تو دیکھو کہ قیس کے سر پر
ہمیشہ ناقۂ لیلےٰ سوار رہتا ہے

چلے ہیں وہ سوئے گنگا نہانے کے دن ہیں
اٹھائے بار نزاکت کہار رہتا ہے

شب وصال وہ ضد کرکے ہنسے کیا لپٹے
یہاں معاملہ اکثر ادھار رہتا ہے

ہمارا اوٹ بہت ہی شکستہ خاطر ہے
گلی میں آپ کی کوئی چمار رہتا ہے

یہ رنڈیاں نہیں جو گنگا ڈروں کی تابع ہیں
انھیں کے واسطے یارو خراب ہم بھی ہیں

مزمل شاہ مزمل کے نام سے مشہور تھے۔ ایک آزاد مزاج وارستہ حال فقیر تھے حافظ قرآن اور علوم ضروریہ سے آگاہ تھے۔ شاہ آبرو کے معاصر تھے۔ نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ اقتضائے زمانہ اور تفنن طبع کے لئے کبھی کبھی ظریفانہ شعر بھی ان کے قلم سے نکل جاتے تھے۔ اس رنگ میں

ایک شعر دستیاب ہوا جو لکھتا ہوں ۔

اے مزل ناز کا گھوڑا کدا شوخ بولا چل بے چل آگے سے چل

مست سرمست خاں نام تھا قوم افغان سے تھے کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتے تھے جسمیں اکثر ظرافت ملی جلی ہوتی تھی ایک شعر اسی انداز کا ملا ہے جو درج تذکرہ کرتا ہوں ۔

نہ وہ بانکوں میں گنا جائے نہ ٹیڑھوں میں گنا جائے خانہ جنگی تمہیں ہی ہے سدا مست کے ساتھ

مسٹر ۔ سید ضیاء علی نام ہے بدایوں کے رہنے ہیں جناب قمر بدایونی کے شاگردوں میں ہیں ۔ تحفۂ ظریف میں آپکا کلام چھپا ہے اسی سے چند اشعار منتخب کرکے نقل کرتا ہوں ۔

رات یہ اندھیر کیا بزم بت پرفن میں تھا غیر تو دالان میں تھے اور میں آنگن میں تھا
ٹھان لی تھی میں نے میں بھی جسلیخانے جاؤنگا جب سنا میں نے کہ وہ بت خانۂ دشمن میں تھا
آج اسکی صوبہ داری کا معما کھل گیا روٹی کپڑے پہ ملازم وہ کسی پلٹن میں تھا
سالٹ انسپکٹر کی دعوت توبہ توبہ الاماں ایک مٹھی بھر نمک اک طشتری سالن میں تھا
کہا گئے یہ کہہ کے وہ دیگچی وہ پوری پگ کی وہ تلنجن میں نہ تھا جو ذائقہ کھرچن میں تھا
ایک سی داڑھی تھی اور ایک ہی مونچھیں تو پھر ظاہرا کیا فرق مولا بخش و رگھنندن میں تھا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا سائیکل اللہ نے دی تھی مگر پیڈل نہ تھا
کون سی ایسی برائی تھی جو دشمن میں نہ تھی لُر نہ تھا جوکھٹ نہ تھا بودم نہ تھا پاگل نہ تھا
گارڈ صاحب نے برک میں رکھ کے چلتا کردیا یہ نہ سمجھے آدمی تھا میں کوئی بنڈل نہ تھا

کالی مرغی دیکھی ٹھاٹر میں تو مجنوں نے کہا　　مجھکو دھوکا ہوگیا لیلی نہ تھی محمل نہ تھا
باپ ماں نے یاد نہیں شادی کی بٹر ٹی لڑی　　ورنہ جورو کی قسم کھاتا ہوں میرا دل نہ تھا
ٹھاٹ سے چلتے وہ میرے ساتھ بزم غیر میں　　نعل جوتے کا لگا دیتے اگر میڈل نہ تھا
داغ دل کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے　　گیس کا ہنڈا تھا مسٹر یہ تمہارا دل نہ تھا

مسٹر نے اپنے کسی دوست کے لئے سہرہ بھی لکھا ہے جس کے بعض بعض شعر بہت خوب ہیں۔

شیخ صاحب نے جو باندھا ہے بکر پر سہرا　　ایک گز چھوڑ ہے دو گز کی برابر سہرا
تجربہ کار کو امداد کی حاجت کیا ہے　　کہدو نوشاہ سے خود باندھ لے اٹھکر سہرا
کون کہتا ہے گیا وقت نہیں آتا ہے　　پھر بندھا لوٹ کے نوشاہ کے سر پر سہرا
عمر کو دیکھ کے نوشہ کا ادب کرتا ہے　　بے سبب پاؤں پکڑتا نہیں جھک کر سہرا
کہدو مالن سے کہ تھامے رہے لڑیاں مسٹر　　رہ نہ جائے کہیں داڑھی میں الجھکر سہرا

مصحفی شیخ غلام ہمدانی نام تھا۔ امروہہ کے رہنے والے تھے۔ مگر عمر کا بیشتر حصہ لکھنؤ اور دلی میں صرف ہوا۔ شاعرانہ کمال اور علم و فضل میں معاصرین حتی کہ میر اور سودا سے ہرگز کم نہ تھے۔ بلکہ اگر بعض باتوں میں ان کو ان کے مشہور معاصرین پر ترجیح دیجائے تو قباحت نہیں ہے۔ تمام اصناف سخن پر قادر تھے۔ نہایت ذکی قوی الحافظہ زود گو تھے یہاں تک کہ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ غزلیں کہہ کہہ فروخت کرتے تھے۔ اور یہ دستور تھا کہ جہاں کوئی مشاعرہ ہوتا یہ بہت سے شعر اسی زمین میں کہہ کر رکھ لیا کرتے اور پھر گاہکوں کے ہاتھ حسب حیثیت شعر فروخت کر دیتے۔ دو تذکرے اردو و فارسی شعرا کے۔ اور چھ دیوان اردو ایک دیوان فارسی ان سے یادگار ہیں۔

مصحفی نے ابتدائی تعلیم پانے کے بعد دلّی کا رخ کیا اور وہیں علوم رسمیہ اور ضروری کی تکمیل ۔ مشاعروں اور شعر و سخن کے جلسوں میں شرکت کرتے رہے مگر جب دلی کے عروج کا زمانہ رو بہ زوال ہوا اور اہل کمال ایک ایک کرکے اسکے در و دیوار کو الوداع کہتے ہوئے اِدھر اُدھر چلدیئے ۔ تو مصحفی کا بھی جی اکھڑ گیا اور لکھنؤ چلے آئے ۔ یہاں آکر چند روز نہایت عسرت اور پریشان حالی میں گزارے آخر کار مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں ملازم ہوگئے اور کچھ درماہہ بھی مقرر ہوگیا ۔ اسی کے ساتھ ساتھ لکھنؤ میں ان کی شاعری کا سکہ جما اور دوسرے باکمالوں کے ساتھ لوگوں کی زبانوں پر ان کا نام بھی آنے لگا ۔ پھر تو وہ مشہور ہوا کہ نامی معاصرین ان پر رشک کرنے لگے ۔ حسد اور نفاق کی آگ لوگوں کے دلوں میں بھڑک اٹھی ۔ چنانچہ جہاں تک معلوم ہو سکا واقعہ یہ ہے کہ مصحفی کبھی کبھی ظرافت کے اشعار کہتے تھے مگر ہجو کے ناپاک اور گندے مضامین سے اپنی زبان اور بیان کو آلودہ کرنا نہ چاہتے تھے ۔ لیکن زمانہ کے مشہور زمانہ ساز شاعر انشا کی بیجا شوخیوں ۔ اور بد رنگیوں نے ان کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا ۔ اور وہ وہ کچھ کھلا کر چھوڑا جس سے آج ان کو بھی ایک ہجو گوئی کا مشاق شاعر ماننا پڑتا ہے ۔

جیسا کہ بیان ہوا مرزا سلیمان شکوہ کی غزلیں ہمیشہ مصحفی بنایا کرتے تھے ۔ اتنے میں وہ زمانہ آیا کہ انشا بھی لکھنؤ پہونچے انشا کو سب جانتے ہیں کہ وہ صرف شاعر ہی تھے زمانہ سازی اور بہروپ میں بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے حسب ضرورت نقالی کرنے میں بھی ان کو کوئی عار نہ تھا ۔ رنگیلے ۔ دنیا بھر کے جلسوں میں شریک ہونے والے تھے شدہ شدہ مرزا سلیمان شکوہ کی محفل میں بھی اُن کا گزر ہوا ۔ کون نہیں جانتا کہ عیش و مسرت کے جذبات اس کلام سے اور بھی ابھرتے ہیں جس میں رنگینی ۔ شہد پنا فواحش ۔ رذالت کی چاشنی ہو ۔ انشا کے یہاں اسکی کیا کمی تھی انھوں نے مرزا

سلیمان شکوہ کو وقت بیوقت اپنی سریلی آواز میں اُسی لب ولہجہ کے ساتھ مختلف قسم کی شاعری کے انداز دکھائے۔ کچھ وجاہت ظاہری۔ کچھ انشا کی خوبصورتی کچھ نواب کی مصاحبت کی عزت کچھ بذلہ سنجی۔ ظرافت آبی۔ کچھ مزاج شناسی وغیرہ یہی چیزیں تھی جنھوں نے شاہزادۂ مذکور کو ان کی طرف زیادہ متوجہ کردیا غریب ثقہ متین۔ مہذب۔ جذبات حزن و انقباض ادا کرنے والے عسیر الحال تنگدستی فقر و فاقہ میں بسر کرنے والے۔ متین اور مہذب سنجیدہ بزرگوں کی آنکھیں دیکھنے والے بڈھے مصحفی کے یہاں یہ چیزیں اول تو تھیں کہاں اور اگر تھیں تو متانت علم۔ شرافت کے تودے کے نیچے دبی پڑی تھیں۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ سلیمان شکوہ یا تو ان سے پھر گئے یا پھرے نہیں تو انشا کی چکنی چپڑی خوشامدانہ باتوں کی طرف زیادہ مائل ہو گئے۔ کچھ تنخواہ بھی کم کردی۔ جس پر غریب بڈھے نے جلکر یہ شعر کہے۔

چالیس برس کا ہے چالیس کے لائق | تھا در خور کبھی دس پانچ کے لائق
اے وائے کہ پچیس سے اب پانچ ہیں اپنے | ہم بھی تھے کبھی وزو قیس کے لائق
استاد کا کرتے ہیں امیر ایک مقرر | ہوتا ہے جو در باکہ ستائیس کے لائق

اسی واقعہ کے بعد سے انشا اور مصحفی میں ایک رنجش کی بنا پڑ گئی۔ مگر ابھی یہ رنجش دلوں سے زبانوں تک نہ آئی تھی اتنے میں ایک تازہ واقعہ یہ ہوا۔ کہ انھوں نے ایک غزل کہی۔

زہرہ کی جو آئی کف مارو ت میں انگلی | کی رشک نے جا دیدہ ہاروت میں انگلی

اسی غزل میں بعض بعض شعر ایسے تھے جن پر سید انشا کو اچھے خاصے تمسخر کا موقع لگ گیا۔ اور بڈھے کو خوب بنایا گیا۔ مثلاً ان کا مقطع تھا

تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس از مرگ | تھی اسکی دہری چشم پہ تابوت میں انگلی

انشاء نے اسکو یوں بنا دیا۔

تھا مصحفی کا ناچ چھپانے کو پس از مرگ　　رکھے جو تھا آنکھ پہ تابوت میں انگلی

پھر کیا تھا۔ بات کا بتنگڑ بن گیا ہجووں کا لٹھ ذرا اتنا کھچا کہ توبہ ہی توبہ۔ مگر ان سب کو نہ ہمارے تذکرہ کے لئے کوئی بڑا علاقہ ہے اور نہ لکھنا چاہتے ہیں دوسرے تذکروں میں موجود ہیں وہیں سے دیکھ لیجئے۔ میں کچھ ظریفانہ رنگ کے شعر لکھتا ہوں۔

دیکھا نہ میں نے ہند میں جب کہ پشاوری　　لئے برنج اے مصحفی وہ اپنی پشاور گئی

کیوں نہ دل نظارگی کا جائے لوٹ　　لکھنؤ میں حسن کی بندھی ہے لوٹ

آزاد نے لکھا ہے کہ ایک سقنی کو دیکھ کر شیخ صاحب کی شوخی طبع کے منھ میں پانی بھر آیا ہے۔ اس غزل کے چند ظریفانہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

پانی بھرے ہے یار وہیاں قرمزی دوشالا　　لنگی کی سج دکھا کر سقنی نے مار ڈالا

کاندھے پہ مشک لیکر جب قد کو خم کرے ہے　　کافر کا نشہ حسن ہوجائے ہے دوبالا

دریائے خوں میں کیونکر ہم تیم قد نہ ڈوبیں　　لنگی کے رنگ سے جب وہاں تا کمر ہو لالا

____________　　ناچی ہے تری عالم لاہوت میں انگلی

____________　　حایک کی گرفتار ہو جوں سوت میں انگلی

اس کے در پر میں گیا سوانگ بنا کے تو کہا　　چل بے چل دور ہو کیا لینے فقیر آیا

سرگرم سیر گلشن کیا خاک ہوں کہ اپنا　　نزلے سے سو رہا ہے آپ ہی دماغ ٹھنڈا

جینے عاشق نہ کیوں اسکے موئے　　کہ چشم شوخ اسکی ہے ممولا

جزاک اللہ بنایا تو نے صیاد　　قفس میں از پے بلبل ہنڈولا

انشا کی مخذ زوریاں اور ستم ظریفیاں جب حد سے بڑھ گئیں تو انھوں نے یہ رجز کہکر انشا کو چڑایا انشا نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا - اور خوب جواب دیا -

دانش پہ گھمنڈ اپنی جو کرتا ہے بہ شدت — وہ شخص ہے واللہ کہ مجنوں مرے آگے
میں گو نہ سمجھتا ہوں سدا اسکی صدا کو — گر بول اٹھے اوبی کی چوں چوں مرے آگے
قدرت ہے خدا کی کہ بنے آج وہ شاعر — طفلی میں جو کل کرتے تھے غاں غوں مرے آگے
موسی کا عصا مصحفی ہے خامہ مرا بھی — گو خصم بنے اسود افیوں مرے آگے

مصحفی کا ظریفانہ کلام اگر تمام دواوین سے انتخاب کیا جائے تو کافی تعداد میں نکل سکتا ہے گر شتے نمونہ از خروارے سمجھکر چھوڑتا ہوں - دوسرے یہ کہ ان کے کلیات کا ملنا بھی بہت دشوار ہے - مصحفی نے ایک طویل عمر پا کر ۱۲۴۰ھ میں بمقام لکھنؤ وفات پائی -

---

م - ع اودھ پنچ کے ایک نامہ نگار ہیں - جب کانگڑہ میں زلزلہ سے نقصانات ہوئے تو آپ کے عجیب و غریب خیالات کو اس طرح جنبش ہوئی - ملاحظہ فرمائیے -

کیا نہیں اس فتنۂ محشر کی ٹھوکر زلزلہ — پوچھ لینا اب کے جو آئے پکر زلزلہ
اے ستمگر تو دکھادے انکی چلکر زلزلہ — جو سمجھتے ہی نہیں آتا ہے کیونکر زلزلہ
اے عجب جاپان روس و مصر لندن چھوڑکر — ہند ہی میں کیوں رہا کرتا ہے اکثر زلزلہ
آمد آمد پھر کسی پر کافر آفت کی ہے — پھر جہاں میں آنے والا ہے مقرر زلزلہ
ایک میں کیا ساری دنیا کا مقولہ ہے یہی — دو قدم رہتا ہے پیچھے آن پھر کر زلزلہ
اے جت کا فر تمہی جا لوسے اکثر مہدیاں — آتا جاتا ہے برابر زلزلہ پر زلزلہ
مضطرب دل تھم گئے دلدار لنگڑے ہو گئے — اب جہاں میں آئیگا کیا خاک پھر زلزلہ

چپکے چپکے آ سکے پیچھے ہائے بھولا شام کا — صبح کو آیا کہیں راتیں گنوا کر زلزلہ
ہاں بہ تقریب سیاحت صوبۂ پنجاب میں — آجکل آیا ہے شملہ سے اتر کر زلزلہ
کعبۂ دل ڈھہ گیا اصنام ٹھنڈے ہو گئے — اللہ اللہ اب کرے گوشہ میں چھپ کر زلزلہ
پاؤں پڑنے والا ہے اک حشر زا رفتار کا — فتنۂ محشر سے ہے دو ہاتھ بڑھکر زلزلہ

معروف نواب الٰہی بخش خاں نام تھا فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں بہادر والی کے چھوٹے بھائی تھے دہلی میں رہتے تھے۔ چونکہ اوائل عمر سے درویشوں اور اولیاء اللہ سے ملنے کا زیادہ شوق رہا اسوجہ سے آخر میں دنیا کو ترک کر کے طاعت و عبادت میں زیادہ مشغول و مصروف رہتے تھے شعر و شاعری سے اوائل عمر سے شوق تھا۔ نہایت مشاق قادر الکلام تھے۔ آزاد نے آبحیات میں انھیں ذوق کا شاگرد لکھدیا ہے مگر یہ اتہام ہے ذوق سے ان کی مشق ہرگز کم نہ تھی بلکہ قابلیت علمی میں وہ ان سے زیادہ تھے ابتدا میں شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے آخر میں وہ بھی ترک ہو گئی تھی۔ ان کی تصنیف سے دو دیوان ہیں جو طبع نہیں ہوے اور نہ امید ہے کہ آئندہ چھپ سکیں گے معروف نے سنہ۱۲۴۳ھ میں دنیاے فانی کو خیرباد کہکر سفر آخرت اختیار کیا

معروف مرحوم کوئی ظریف شاعر نہ تھے بلکہ برعکس اس کے اپنے وقار خاندانی اور اپنی صوفیانہ روش کی وجہ سے وہ ایسی باتوں سے قریب قریب اجتناب کرتے تھے۔ مگر اس تذکرہ میں ان کا نام نامی صرف اسوجہ سے لایا گیا کہ انھوں نے دیوانوں کے علاوہ ایک چھوٹا سا دیوان ایک سو ایک اشعار کا تسبیح زمرد کے نام سے ترتیب دیا ہے۔ جس میں التزام کیا ہے کہ تمام اشعار میں معشوق کی سبزہ رنگی کی تعریف کیجاے۔ اور اس صنعت خاص کو نبھاتک

مرغوب سمجھا ہے کہ اپنی زندگی میں اپنے تمام احباب سے فرمایش کردی تھی کہ اگر کوئی محاورہ وغیرہ سبزی کا ملے تو ہمکو ضرور بتانا۔ اس میں اس قدر انہماک تھا کہ شاہ محمدی پاس کے ایک شاگرد بھورے خاں متخلص بہ آشفتہ نے کوئی شعر کہا جس میں ہری چگ (جو ایک جانور ہوتا ہے) کا لفظ آیا۔ نواب صاحب نے بھی اتفاق سے وہ شعر سنا چونکہ اسوقت تک ان کے یہاں یہ لفظ نہ آیا تھا لہذا اسو روپیہ دیکر یہ لفظ خرید لیا اور موزوں کیا جو آگے چلکر لکھا جائے گا چونکہ ہم اس سے پہلے آبنوس کے اشعار لکھ چکے ہیں جنھوں نے یہ التزام کیا ہے کہ کوئی شعر سیاہی سے خالی نہ ہو۔ اسواسطے یہ بھی ضروری سمجھا کہ تسبیح زمرد کے اشعار بھی نقل کیے جائیں۔ گو آبنوس کے یہاں ظرافت بھی شامل ہے اور اُن کے یہاں یہ کچھ بھی نہیں مگر صرف اس قسم کے اشعار بھی تفریح طبع کا سامان ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ صنعت جس کا شاعری میں التزام کیا جائے اور تشدد کے ساتھ اسپر قائم رہا جائے وہ خود بخود ایک قسم کی ندرت کے ساتھ ظرافت خیز ہو جاتی ہے۔

کسے تھا سبزہ رنگ الکلام بھرو سے اپنے جینے کا
نشانی گر ترا ہوتا نہ چھلا سبز مینے کا

بسکہ سبزہ رنگ ہے قاتل مرا
نت ہرا رہتا ہے زخم دل مرا

کون یہ لیکے ہاتھ میں سبز کماں آگیا
ابرٹے سبزہ رنگ کا پھر مجھے دھیان آگیا

سبزہ رنگوں کی جو میرا لفتیں آزار ہی ہوا
خلط صفرا یاں تلک بگڑا کہ زنگاری ہوا

حرف سبز اب تیرے منھ سے ہی نکلتا ہیڈ ہے
سبزہ رنگ آج ہے تو زہر اگلتا ہیڈ ہے

سبزہ رنگ آگے بڑا تو جوشے ساتھ بیٹے رات
کیا کہوں آ ٹکے طوطے مرے ہاتھ کے رات

قتل کی کچھ میرے سبزہ رنگ کہتا ہے آج
دل مرا چاہے ہے سیر سبزہ شمشیر آج

سبزہ رنگوں کے فریبوں میں آیا ہے طرح
عشق نے پھر سبز باغ اسکو دکھایا ہے طرح

جبکہ طفلی میں اماموں کا بنا یا تھا فقیر — تھا اسی دن سے عا گو سبزہ رنگوں کا فقیر

ولادت وہ تو ان سبزہ رنگوں کی صفائی پر — پھسل جاتا ہے اکثر آدمی کا پانوں کائی پر

سبزہ رنگوں کی صفائی پہ میں یوں شیدا سبز — دل میں چوں صوفی صافی دل کے ہوا ذ سبز

کائی ملدو تم مجھے آگے خدا شافی ہے بس — دل جلوں کو سبزہ رنگوں کے یہی کافی ہے بس

دھیان میں یوں ہوں سبزہ رنگ کے غرق — جوں نشے میں ہو کوئی بھنگ کے غرق

تری سبزہ رنگ ایسی صورت ہے صاف — زمرد کی گویا کہ مورت ہے صاف

سبزہ رنگوں پہ نہ اپنا ہو کہیں جی مائل — اس برس رنگ ہے نوروز کا سبزی مائل

کیوں عشق نہ سبزہ رنگ پہ دل سے مدام ہوں — میں حضرت امام حسن کا غلام ہوں

آج یہاں کل وہاں گذرے یوں ہی جگ میں — کھوئے ہے سر سبزہ رنگ بس سے ہری جگ میں

اے سبزہ رنگ ہاتھ سے لے میرے پان تو — یہ برگ سبز تحفۂ درویش جان تو

یہ حالت غم میں ہجران سبزہ رنگوں کے مرے جی کی — چمن میں زہر لگتی ہے مجھے آواز طوطی کی

سبزہ رنگوں سے محبت ہے مجھے دن رات کی — چاہتا ہوں ہر جگہ سر سبزی اپنی بات کی

اس بڑھاپے میں بھی کم ہو وینگے لہری ہمسے — سبزہ رنگوں سے چھنا کرتی ہے گہری ہمسے

یارب سبزہ رنگوں کے اب دل میں غم بھر آیا ہے — کیجیو خیر اس بستی کی یہ سبز قدم پھر آیا ہے

ذرہ طراوت آنکھوں میں ہے دائم چھاتی ٹھنڈی ہے — یاد میں سبزہ رنگوں کے دل کیا ہے سبزی منڈی ہے

مقصود ۔ مقصود بیگ نام تھا لکھنؤ کے رہنے والے اوباش مزاج شخص تھے ہزل گوئی میں مشاق تھے ۔ چنانچہ نواب مصطفیٰ خاں صاحب تذکرہ گلشن بیخار میں لکھتے ہیں " از سوقیان لکھنؤ است ۔ خرافاتش نہ سزاے آنست کہ دریں اوراق مذکور گردد اما چولا نوشتہ اند نوشتہ شد " ان کا صرف ایک شعر تذکروں میں ملتا ہے ۔

بوسہ لینے سے خفا ہوتے ہیں کیوں مشفق من — بوسہ دہ سنئے ہے کہ دونوں کو مزا ملتا ہے

مفروض شاعر اودھ پنچ سابق کے ایک مضمون نگار نے اسی نام سے ایک تاریخ داغ لکھی ہے جو بجنسہ درج کیجاتی ہے۔ افسوس ہے کہ ان کا نام و مقام کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ داغ کی ہجو کا سلسلہ تاریخوں کی صورت میں مدت تک اودھ پنچ میں قائم رہا تھا اسی میں سے ایک یہ ہے۔

کہتے ہیں لوگ داغ کی صورت — ایسی تھی جیسے زاغ کی صورت
نام گلزار داغ ہے جس کا — ہے وہ اک اجڑے باغ کی صورت
تم کہیں دو بھی شربت دینار — ہوں سراپا ایاغ کی صورت
ہائے بھیجے ناریل کی طرح — سر لبسر ہے دماغ کی صورت
اٹھ گئے ہائے داغ دنیا سے — غم سے کیا ہو فراغ کی صورت
داغ کے غم سے بزم ہستی میں — جل رہا ہوں چراغ کی صورت
چشم بد دور واہ کیا کہنا — میں نے دیکھی ہے داغ کی صورت

منیر۔ سعادت یار خاں رنگین کے شاگرد تھے آفتاب خاں نام تھا دہلی کے رہنے والے تھے ایک شعر ان کا تذکروں میں ملتا ہے چونکہ بیاض سلسلۃ الظرفا میں بھی یہی شعر درج ہے اسواسطے صرف اسی شعر پر اکتفا کرتا ہوں اسی ایک شعر سے ایک ضعیف سا احتمال ہوتا ہے کہ یہ ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے۔

جی چاہتا ہے زلف کا تیری بیاں کریں — شانے کے دانت توڑ کے اپنی زباں کریں

منحور۔ منشی اسد اللہ نام تھا۔ چھپڑ جو ہگلی کے متصل ایک قصبہ ہے وہیں رہتے تھے منشی علی جان کے عرف سے معروف تھے۔ مولوی عبد الغفور نساخ کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ ریختی گوئی میں نہایت مشاق تھے۔ اور اس میں دوگانا

تخلص کرتے تھے چونکہ اصل میں یہی تخلص تھا۔ لہذا حرف سیم میں اس کا ذکر کیا گیا

سو بہانے تھے گر آتے تو ہزاروں ڈھب تھے — لاکھ صورت سے اجی بات بنائی ہوتی

کل اُنسے جو محفل میں کہا میں نے کہ غافل — جینے کے ترے غم سے مجھے پڑ گئے لالے

سنتے ہی لگے کہنے وہ مخمور سبھوں سے — لو اور سنو یہ بھی ہوے چاہنے والے

رات کو اک نگوڑے نٹ کھٹ نے — صحن میں پا کے بے حجاب مجھے

مچھیاں لیں گلے سے لپٹا کے — پھر لیا زانوؤں میں داب مجھے

منتیں کیں ہزاروں قسمیں دیں — کر کے چھوڑا مگر خراب مجھے

موج ۔ خدا بخش ایک مشہور گویا تھا جو اکبر آباد کا رہنے والا تھا۔ مگر بیشتر حصہ عمر دہلی میں گزارتا تھا آخر میں لکھنؤ چلا آیا تھا۔ اور یہیں انتقال کیا۔ اسکو ظریف لکھا ہے۔ مگر اس کا کوئی شعر جو رنگ ظرافت میں واقعی ہو مل نہ سکا لہذا ایک شعر جو تذکروں میں درج ہے اور اس میں ایک ہلکا سا ظرافت کا رنگ ہے درج کیا جاتا ہے۔

لاکھوں کٹوا دئے سر آن میں ہنستے ہنستے — اے مری جان کوئی تو تو

مولانائی ۔ اودیاق تخلص سے متعلق تھے اور کبھی رہتے تھے۔ اپنے اشعار پر بڑا ناز تھا۔ مطائبات کہنے کا قطعہ تذکرہ آتشکدہ سے نقل کرتا ہوں۔

دی بہ حمام انبے غسل جماع — گشت

کیسہ مالے باسرین چوں بلور — بہر ما

ـل است مرد وزن را

شاخہ بود صد گردن را

پہ توجہ دلائی اور اس کے

ہا ۔ مہری نے برجستہ یہ

مہری نے

چوں مرا بر رو فگند از اشتیاق — جملہ شہوت گشت در تن خون من
طرفہ... بر سر... م نہساد — کاش بودے... او در... من

مہتر۔ عبدالسمیع نام تھا۔ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ نہایت خوش تقریر، نیک مزاج۔ بلند حوصلہ آدمی تھے۔ جس زمانہ میں تحصیل علوم فارسی وغیرہ سے فراغت پائی اور انگریزی کی طرف توجہ کی تو شاعری کا بھی شوق دامنگیر ہوا چنانچہ خود بیان کیا کرتے تھے کہ متعدد غزلیں کہیں۔ مگر دیکھا کہ کہنے والوں نے اتنا کچھ کہدیا ہے۔ کہ اسی رنگ میں شعر کہنا نہ صرف فضول ہے بلکہ متقدمین کا منھ چڑانا ہے اسی خیال کو پیش نظر رکھکر کچھ دنوں کے لئے شعر کہنا چھوڑ دیا ہے۔ مگر جذبات کا ابھار اور فطری ذوق دب کر رہا۔ اس طرف سے توجہ کم ہوتے ہی ظرافت کی طرف بہ نکلی۔ چرکین کا رنگ پسند آیا۔ اور اسی میں کہنا شروع کر دیا۔ مگر صرف تفنن طبع کے طریق پر اس مشغلہ کو جاری رکھا۔ نہ کبھی اپنے کلام کو جمع کیا اور نہ کہیں چھپوایا۔ چند روز کے بعد یہ بھی زما... بھر برسوں شعر کی نوبت نہ آتی تھی ۱۹۲۶ء میں ایک روز مسجد سے نماز پڑھکر نکل رہے تھے ... شخص نے چاقو مار دیا اور اسی میں فوراً جاں بحق ہوئے۔ ایک مرتبہ میں نے ... تو یہ شعر سنائے تھے۔ جو اب تک حافظہ میں محفوظ ہیں۔

...دسے افسوس آجتک — سبزہ ہے سخ پہ یار کے اور صفا بھی نہیں
...نے کے بعد بھی — بیت الخلا کے پاس ہمارا مزار ہو
...بس وہ چھوکرا — جو لئے پھرتا ہے اپنے ساتھ پنجہ ٹوکرا

...ل تھی، شاہرخ مرزا گورگان کے زمانہ میں گوہر شاہ
...ا۔ نہایت عقیل اور حسین و جمیل تھی۔ مطائبات

لکھنے کا بھی کافی شوق تھا۔ اور اپنے شوہر خواجہ عبدالعزیز کے ساتھ جو درباری اطباء کے زمرے میں ملازم تھے نہایت مذاق اور تمسخر کیا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ خواجہ مذکور آرہے تھے اور مہری اپنی بیگم کی مصاحبت میں بالاخانہ پر بیٹھی تھی بیگم نے خواجہ صاحب کو آتے دیکھکر اور خواصوں سے کہا کہ خواجہ کو جلد بلا لاؤ۔ چنانچہ خواصوں نے خواجہ سے جاکر کہا کہ جلد جلد چلئے بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں۔ حکیم صاحب نے حالت اضطراب میں جو جلد جلد چلنے کی کوشش کی۔ تو گر پڑے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ خواجہ نے بیگم کے انبساط طبع کی وجہ سے دانستہ ضعف کا بہانہ کیا اور پیرانہ سالی کی حرکتیں کرنا شروع کیں بیگم بہت ہنسی اور مہری سے فرمائش کی کہ اس حالت کو نظم کرکے عرض کرے۔ مہری نے حسب الحکم یہ اشعار کہے۔

مرا با تو مہر یاری نماندہ است — دل مہر و وفاداری نماندہ است

ترا از ضعف پیری قوت و زور — چنانکہ پائے برداری نماندہ است

بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ مہری کو سلطان شاہرخ مرزا کے بھانجے سے بڑی محبت تھی اور اس محبت پر لوگ ناجائز تعلق کا گمان رکھتے تھے۔ یہ قصہ ایسا مشہور ہوا کہ خواجہ عبدالعزیز کو بھی خبر ہوگئی۔ اور شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ کے کانوں تک پہونچی چنانچہ شوہر کی استدعا پر بادشاہ نے مہری کو قید کردیا۔ مہری نے اسی حالت قید میں یہ رباعی کہی

شہ کندہ نہاد سرو سیمیں تن را — زیں واقعہ شیون است مرد و زن را

افسوس کہ از کندہ نخواہد فرسود — پائے کہ دو شاخہ بود صد گردن را

ایک روز شوہر نے اپنے یہاں کی عیش و عشرت پر توجہ دلائی اور اس کے ساتھ ہی مہری سے اسکی بیوفائیوں کی شکایت کی۔ مہری نے برجستہ یہ رباعی کہکر خواجہ صاحب کو سنائی۔

در خانۂ تو آنچہ مرا شاید نیست بندے ز دل رسیدہ بکشاید نیست
گوئی ہمہ چیز دارم از مال و منال آرے ہمہ ہست آنچہ میباید نیست

اسیطرح ایک مرتبہ میاں بیوی میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ بڑھے شوہر کی زبان میں زور آگیا تھا جو چاہتا تھا کہتا تھا۔ مہری پہلے تو سب باتیں خاموشی کے ساتھ سنتی رہی مگر جب غصہ ضبط کی حدوں سے باہر ہوگیا تو یہ رباعی کہکر سنائی۔

شوئے زنِ نوجواں اگر پیر بود چوں پیر بود ہمیشہ دلگیر بود
آرے مثل است آنکہ گویند زناں در پہلوے زن تیر بہ از پیر بود

مہستی۔ گنجہ کی رہنے والی تھی نہایت شریف النسب تھی۔ بعض لوگوں نے اسکو نیشاپوری لکھا ہے۔ تذکرہ آتشکدہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ عورتوں میں ایسی شاعرہ کوئی نہیں ہوئی۔ سلطان سنجر کے مصاحبین میں شامل تھی۔ نہایت زود گو حاضر جواب بذلہ سنج تھی۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ چلے کے جاڑے میں جب برف خوب گر رہی تھی۔ در و دیوار سفید ہو رہے تھے سرد ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ رات کے وقت کسی ضرورت سے بادشاہ نے مہستی کو تھوڑی دیر کے لئے باہر بھیجا۔ جب واپس آئی تو جاڑے کی وجہ سے سکڑ گئی تھی۔ بادشاہ نے مذاقاً کہا کہ اسوقت باہر کا کیا حال ہے۔ مہستی نے فی البدیہہ یہ رباعی نظم کرکے سنائی۔

شاہا فلکت اسپ سعادت زیں کرد وز جملہ خسرواں ترا تحسیں کرد
تا در حرکت سمند زریں نعلت برگل نہ نہد پائے زمیں سیمیں کرد

اس کا کلام عبداللہ اوزبک کے فتنہ کے زمانہ میں خصوصاً تسخیر ہرات کے وقت ضائع ہوگیا۔ اس کے مطائبات کا نمونہ یہ ہے۔

قصاب چنانکه عادت اوست مرا | بفگند و بکشت گفت کیش است مرا
سرباز به عذر می نهد بر پایم | دم میدهم تا به کنند پوست مرا

قاضی چو زنش حامله شد زار گریست | گفتا ز سر کینه که این واقعه چیست
من پیرم و... من نمی جنبد ہیچ | وین قحبه مریم است این بچه ز کیست

آنی کلفت ہیچ کس تو چیزے نه دہی | صد چوب مغل خوری و تیزے نه دہی
شلکے که از و روغن بزرگ گیرند | گر بر شکمت نہند تیزے نه دہی

حرف نون

ناجی - محمد شاکر نام تھا - بڑے حریف و ظریف تھے - نادر شاہی لڑائی میں زندہ تھے - سب تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ زمانہ کے دستور کے موافق یہ ظرافت اور پھکڑ کے شعر زیادہ کہتے تھے - میر تقی میر اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں "جوانے بود آبلہ رو - سپاہی پیشہ مزاجش بیشتر مائل بہ ہزل بود معاصر میاں آبرو - بندہ باو یک دو ملاقات کردہ بودم شعر ہزل خود میخواند - مردمانرا بخندہ می آورد و خود نمی خندید - مگر گاہے تبسمی میکرد - وطنش شاہجہان آباد جواں از جہاں رفت" اسیطرح میر حسن - اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں - "در اوائل سلطنت محمد شاہ مردے ظریف طبع بود اکثر از لطائف و ظرائف مردماں را بخندہ می آورد و خود نمی خندید - مگر تبسمی میکرد" اسیطرح آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں - "اہل سخن نے انھیں طبقہ اول کے ارکان میں شمار کیا ہے - امیر خاں جو محمد شاہی دربار کے رکن اعظم تھے یہ اُن کے نعمت خانہ کے داروغہ تھے مگر تیز مزاج اور شوخ طبع بہت تھے - راہ چلتے سے الجھتے تھے اور جس کے گرد ہوتے تھے اُسے پیچھا چھڑانا مشکل ہوتا تھا - مندرجہ بالا بیانات سے اُن کی شوخ طبعی اور ظرافت مسلم ہوتی ہے - مگر کیسی مصیبت ہے ظرافت کے تذکرہ لکھنے والے واسطے کہ ایک شخص نے بھی اں میں سے ظرافت کا ایک شعر نقل نہیں کیا - مجبوراً انھیں متین اور مہذب اشعار میں سے کچھ ایسے شعر انتخاب کرنا پڑے جن پر ان کی شوخ مزاجی

کی مہریں لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اگرچہ وہ سراپا رنگ ظرافت میں نہیں ہیں۔
پھر بھی سب کچھ ہیں۔ گو کم ہیں مگر نمونہ کے لیے بہت ہیں۔

بے نواؤں سے نہ ملے ہو کر مت پیچ کھا
مونڈ سر لڑکوں کو کرتے ہیں وہ اپنا بالکا

رکھے اس لالچی لڑکے کو کوئی کب تک بہلا
چلی جاتی ہے فرمائش کبھی یہ لا کبھی وہ لا

اگر ہو وہ بت کافر کبھی اشنان کو ننگا
بھنور میں دیکھ کر جمنا اسے غوطے میں جا لگتا

نہ ٹوکو یار کو کہ خط رکھاتا یا منڈاتا ہے
مے نشہ کی خاطر لطف سے سبزی بناتا ہے

جو کوئی کچھ کہے پگھل جائے
شمع رو ہے ہمارا موم کی ناک

ہمیں تو بوسہ نہ دینے کہا نہ کہہ کے دیا
جنھوں سے وعدہ کیا ہے انھیں جا تے ہیں

جان ہے جیوڑا ہے دلبر ہے
پر یہ مشکل کہ طالب زر ہے

لب جان بخش آگے تیرے سخن
جو مسیحا کا نام لے خر ہے

جہاں دل بند ہو ناجی کا وہاں آوے خلل کرنے
رقیب لاولد ناصح گویا لڑکوں کا باوا ہے

ناز۔ سید حسن نام ہے۔ تکیہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں۔ دور موجودہ کے خوشگو ظریفوں میں ہیں۔ عاشقانہ اور ظریفانہ دونوں رنگوں میں شعر کہتے ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اردو۔ انگریزی۔ اور قدرے ہندی جانتے ہیں جس زمانہ میں لکھنؤ میں قیام تھا۔ راقم الحروف کو اپنا کلام دکھاتے تھے اب دو تین برس سے نہ ملاقات ہوئی نہ کوئی کیفیت معلوم ہوئی۔ ناز ایک دوست آشنا۔ نیک مزاج۔ نیک نفس آدمی ہیں۔ لکھنؤ کے اکثر مشاعروں میں ہزل اور غزل دونوں پڑھا کرتے تھے۔ اب نہ معلوم ظرافت کہتے ہیں یا نہیں۔ ان کا کلام میرے پاس موجود نہیں ہے مگر تذکرہ تبسم گل سے نقل کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور جو شعر یاد آئے گا وہ لکھ دیا جائے گا۔

ہزاروں اور اچھی اچھی چیزیں تھیں زمانے میں — مگر اس چوٹی والے کو میرا دل پسند آیا
اسی ٹٹی کے پیچھے کھیلتے ہیں یہ شکار اکثر — جناب شیخ کو انداز ریشا ئل پسند آیا
ہماری گردش قسمت لکھاتی ہے انھیں نامے — فلاور مل کو بھی انداز پیپر مل پسند آیا

قیمہ کرنے کے لئے پاس جو قاتل آیا — پائے پھر ساتھ میں لیتا ہوا فلفل آیا
فَعَلَ یفعل کی جب اک پڑھی صرف کبیر — ساتھ مفعول کے پکڑا ہوا فاعل آیا
اب بلیٹر نہ کہو دو مجھے لیڈر کا خطاب — اتنے کھدر کا انگرکھا بھی مرا سل آیا
ایک دانہ بھی ہے اس قحط میں ملنا دشوار — شکر کر شکر کہ ہونٹوں پہ ترے تل آیا

مجنوں میاں نے ڈھیلا جو مارا گھسیٹ کر — لیلی اچک کے پردۂ محمل میں رہ گئی

اسے وہ قتل کر دیتا ہے جس نادان سے ملتا ہے — نصیب شوق کا میرے ہلاکو خاں سے ملتا ہی

سوال وصل پر ان کو حیا آئی حجاب آیا — مگر میں بھی بڑا ہی مسخرا تھا ہونٹ داب آیا
حسینوں نے عجب گلچھپ مچائی بزم رندانہ میں — لپک کر کھا گئے فوراً اگر کوئی کباب آیا
نزاکت کا غرور اچھا نہیں ہوتا ہے سن لیجے — پکڑ کر ٹھونک ہی دونگا اگر مجھکو عتاب آیا
جوانی میں ہر اک صورت حسین معلوم ہوتی ہے — دلہن بنجائیگی جس دن گدھی پر بھی شباب آیا

سوز دل سے میں چراغ بزم ساقی ہوگیا — رات بھر جلتا رہا اور صبح ٹھنڈی ہوگیا
پھول رسالہ میں بھی اک تذکیر و تانیث کا — رات بھر مرغا رہا اور صبح مرغی ہوگیا
اس میں کمسن کے رخ پر دی جو بوسہ کی ٹکٹ — وہ لگی کہنے کہ او دل کیا نرالی ہوگیا

کل جو گڑیاں کھیلیں اُسنے لطف حاصل ہو گیا　　وہ مری بھاوج بنے میں انکی بھابی ہو گیا
اب انھیں یہ فکر ہے اسپر کریں کیونکر ستم　　اتفاقاً جو تہ کھانے کا میں عادی ہو گیا
اب اس بتِ کمسن نے ڈالی ناک میں جسکی نکیل　　اونٹ ہو وہ یا کہ عاشق ہو بلاقی ہو گیا
دیکھیں کیونکر کہیں آخر بتِ بے پیر سے　　وہ ابھی بچہ ہے اور میرا شادی ہو گیا

اس طرح کی بہار ہے اب دشتِ یار میں　　کمر کد لگی ہو جیسے کسی سبزہ زار میں
لیلیٰ کے قافلہ میں عجب اہتمام ہے　　مجنوں میاں ہیں اونٹوں کی اگلی قطار میں
مت جاؤ قافلہ کے لئے قبرِ غیر پر　　ٹانگیں پکڑ کے کھینچ ہی لیگا مزار میں
لیلیٰ کے ساربان کے نشتر غمزے دیکھئے　　مجنوں میاں کے کان ہیں بندھے مہار میں
معلوم ہو گیا سبب اضطراب بھی　　وہ کودتے ہیں میرے دلِ بیقرار میں
دعوت کے ساتھ ہی مری السلطے بھی ہو گئی　　بینگن کے چھلکے ڈالے ہیں اُسنے بگھار میں

پیری پہ پیر کھائے وہ ماہرو ہمارا　　بندر کی نسل سے ہے وہ خوش گلو ہمارا
ملتا تو صرف تجھسے تنک بلینڈ مانگتا ہے　　ہم سے بچا کرائی کیا آبرو ہمارا
کسطرح سے عبادت اب ہو سکے گی واعظ　　دیکھا اُسے تو ٹوٹا فوراً وضو ہمارا

زاہد کا بھی بڑھاپا اچھا رہا بچپن میں　　کچھ فرق ہی نہیں ہے داڑھی میں اور سر میں
جب چار بج گئے تو بھاگے وہ وصل کی شب　　کیا سحر تھا الٰہی ٹن ٹن ٹنا ٹن میں

دشمنی کے لئے تیار رہے بلی والا　　کیوں بنایا ہمیں اللہ نے مرغی والا
کیسا ناداں ہے کمبخت سمجھتا ہی نہیں　　تو ند کو کہتا ہے اک لوٹا ہے ٹونٹی والا

شب غم کی تیرگی میں یہ کہا کیا ہوں شب بھر　　ڈبیا دیا سلائی فریاد رس الٰہی
رات دن احمق بنانے میں مرے مشغول ہے　　آپ ہیں پوری بلیڈی یعنی خاصے فول ہیں
کیا قلندر رہگیا ہیں کیا مچھندر رہگیا　　ریچھ پہلے رکھتا تھا اب ایک بندر رہگیا
لیکے منڈی سے دیا پورا مجھے اچور کا　　عاشقوں سے کام وہ لینے لگا مزدور کا

وہ بیوفا ہے مگر کتنا خاندانی ہے　　کہ باپ بہشتی ہے ماں اسکی مہترانی ہے
اگرچہ اور بھی غم ہیں ہزار ہا مجھکو　　شب فراق مگر سب غمونکی نانی ہے
ہر اک لچک میں ہے مضمر مآل جوش شباب　　کھنچی ہوئی بت سفاک کی کمانی ہے
یہ کس کے غم میں بنے سوگوار تم آخر　　کہ سر کھلا ہوا ہے ساری آسمانی ہے

چڑھتے ہیں دونے ہزاروں اسکے اوپر رات دن　　وہ بت بدخو مزار شیخ سدو ہوگیا
جب سے دشمن نے پڑھا ئیں پٹیاں اس شوخ کو　　سچ تو یہ ہے میں تو بس اسدن سے الّو ہوگیا
تیرہ بختی میں ہماری داغ دل چمکے ہیں یوں　　ناز جیسے اک سیہ اطلس پہ الّو ہوگیا
یہ ضعف کا عالم ہے کہ ہوں کہہ نہیں سکتا　　مرغا ہوں مگر کو کڑوں کوں کہہ نہیں سکتا

پیرزن نے جب سنائی مرگ شیریں کی خبر　　کوہ کن کی یہ خبر سنتے ہی نانی مرگئی

خیال ان کا رہتا ہے سر پہ سوار　　اسی سے وہ مجھکو گدھا جانتے ہیں
سحر اٹھتے ہی آہ کرتے ہیں روز　　ترے غم کو ہم ناشتا جانتے ہیں
ہے معشوق میرا جو مجھسے بڑا　　اسے لوگ میری دوا جانتے ہیں

جب سے کچھ فارسی پڑھی ہے — اس روز سے تیل بیچتا ہوں
عاشق ہوں شباب پہ تمہارے — اسواسطے بیل بیچتا ہوں
ہے محمل یار جو نظر میں — ار نٹوں کی نکیل بیچتا ہوں

کل بلایا مجھکو اپنے محفل مولود میں — میں چرا لایا وہاں سے چند ہنڈیاں کھیر کی
بھائی نے بھی تو پیا ہے ساتھ آخر ماں کا دودھ — کیوں بہن کے واسطے ترکیب ہے ہمشیر کی
زاغ نا معقول کہتے ہیں مجھے اے ناز وہ — جب سے سہل میں ضرورت ہے انہیں انجیر کی

کیا بتائیں کہ ہیں سچ ہیں کیا لے ناز — یہی کیا کم ہے کہ کل رات کو افیوں نہ ملی
مست میں رات کو بیٹھا تھا کہ وہ آ پہونچے — میں نے ڈہونڈی بھی مگر مجھکو لنگوٹی نہ ملی

سر منڈا کر ہاتھ میں تسبیح لیکر رات ناز — جانب میخانہ ہم پہونچے تو پٹو لے گئے

بدلتی ہی نہیں عادت مری محبوب بھٹیاری — وہی کدو کا سالن ہے وہی بیگن کی ترکاری

بہت بیتاب تھی دلمیں مرے حسرت جوانی کی — ملی بیت الخلا میں ایک لڑکی مہترانی کی
تری خاموشیوں نے تجھکو نظروں سے گرایا ہے — ادائیں تجھسے اچھی ہیں ابھی تک تری نانی کی

سر میدان الفت عاشقوں کے خون پی پی کر — ٹماٹر بنگیا ہے یا چقندر ...... والا
یہاں جاڑوں کے موسم میں لنگوٹی بھی نہیں ملتی — وہاں پہنے ہوئے پھرتا ہے جمپر ...... والا

جو ہم خوشی سے کسیر و سا سر منڈ لتے ہیں | تو کس غضب کی وہ آگ رچیت لگاتے ہیں
اُسے وہ قتل کر دیتا ہے جس نا داغ ملتا ہے | نسب معشوق کا میرے ہما کو خال سے ملتا ہے

نازنین - تذکرہ نساخ میں ان کا نام علی بیگ لکھا ہے - مگر تذکرہ صابر میں ایک عورت کا تخلص سے بیان کیا ہے اور یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ علی بیگ کا تخلص نہیں ہے چنانچہ لکھتے ہیں " غلط فہمان ادا شناس کی نظر میں تخلص ہے مرزا علی بیگ نام جوان خوش اسلوب رستم توان) بزور و قوت سہراب طاقت کا - نازنینان کشور جمال اس کے حسن یوسفی پر اگر زلیخائی کا دم بھریں کچھ دور نہیں اور نازک نہالان گلشن حسن اسکے گل رخسار کی نازکی سے اگر آپکو غنچہ برگ ریز تصور کریں تو کیا عجب ہے - اس کے خم کے آگے زور آزمایان ورزش خانہ طاقت کا سر جھکتا ہے - اور اس کے نعرۂ مردانہ کے سامنے شیر صولت ال بیشۂ شجاعت کا دم بند ہوتا ہے - اور یاران ادا فہم اور حریفان ادا شناس جانتے ہیں کہ نازنین نام ہے اس حیلہ آفرین شعبدہ ایجاد کا ناز و انداز و غمزہ طرازی و عشوہ سازی گاہ عشاق بے قرار سے لطف کے پردہ میں جان کا خواہاں ہونا اور گاہ اغیار نامحرم کی بغل میں بے تکلف سونا الخ " بہر حال یہ دہلی کے رہنے والے تھے اور استاد ذوق کے شاگرد تھے - ریختی گوئی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے - چنانچہ مولوی عبد الغفور نساخ نے ان کے کلام کو جان صاحب کے کلام پر ترجیح دی ہے - یہ صاحب دیوان تھے - مگر اب صرف تذکروں میں کلام ملتا ہے - دیوان ناپید ہو گیا - تذکرہ صابر کی ترتیب یعنی ۱۲۷۱ھ تک زندہ اور بخیریت دہلی میں موجود تھے - ذوق سے ان کو خاص محبت تھی - چنانچہ اُن کی وفات کا قطعہ تاریخ کہا ہے - جسکے لفظ لفظ سے عقیدت اور محبت کا چشمہ جوش مار رہا ہے -

نہیں ناز نہیں رنج کرتی کسی کا — گیا جب سے یار اور حرمت ہے کھوئی
بلا سے رکھوں شاد دل کو تو اپنے — اگر میں نے کنبے کی عزت ڈبوئی
خصم جیسا موا لونڈیوں کو رُلایا — کہ اس پردہ میں نام رکھے نہ کوئی
ولیکن مجھے کاملوں سے ہے الفت — غم ذوق میں رات بھر میں نہ سوئی
لکھی اُن کی تاریخ اور یہ ہوا غم — میاں ذوق کو میں لوا آپ روئی

اسی رنگ میں قطعات نہایت عمدہ عمدہ کہے ہیں تذکرہ قطعہ منتخب سے ایک قطعہ نقل کرتا ہوں۔

ناز نہیں اتنا بھی ہرجائی پتا — یہ تمھارے آگیا کیا دھیان میں
روز اک جھگڑے کی ہیں مہمانیاں — روز رہتی ہو اسی سامان میں

نمونہ کلام ریختی یہ ہے۔

ہوئی عشاق میں مشہور یوسف ساجوان اُن کا — ہوا ہم عورتوں میں تھا بڑا دیدہ زلیخا کا
میں اپنے سر کو دھوتی ہوں لوا اور یہ تماشا ہو — موا بیٹھا ہے کیا خوش خوش کہ دن آیا تقاضا کا

کوئی ہاں بیٹھا ہو تجھے ہے کام اپنے کام سے — اے نگوڑے آدمی تو تو حیوان ہو گیا
سونا کبھی شوہر کو میسر نہیں ہوتا — عورت انھیں باتوں سے ترا گھر نہیں بستا
ایسا کسی تحبہ نے لبھایا تھا کہ شب بھر — لیٹا تو رہا پاس پہ کوسوں ہی نہیں تھا
میری نماز کھوئی اس مردوے نے آکر — اٹھی تھی لے ودا میں کمبخت ابھی نہا کر
اے زناخی مردوا ہے بدگمان — تو نہ کر باتیں ہمارے کان میں
رات بھر ہو وہی بات اور وہی چوما چاٹی — اے ودا لیسے نہ پیسے پڑا کا ہے تجھے
فوارہ کی طرح سے ذرا بھی نہ تھم سکے — تم ایک بوند پانی پہ کتنا اچھل پڑے
دس گھر تو جھپٹ چکے ہو کیا خاک کروں خصم — کس جا بٹھائے دیکھیے آسمان مجھے

نازک - دورِ موجودہ کے ایک شاعر ہیں جنھیں ریختی گوئی کا بدرجۂ اتم شوق ہے پرائیوٹ ایک مشاعرہ کرتے ہیں اور اسمیں مخصوص مخصوص اپنے احباب کو بلاتے ہیں جن میں خوب خوب دادِ ظرافت دیجاتی ہے - لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اب تک نہ اس رنگ کا کوئی کہنے والا کوئی آپکو جانتا ہے اور نہ اُن لوگوں سے کوئی واقف ہے جو اس صحبت میں شریک ہوتے ہیں وہ اُس کو یہانتک چھپاتے ہیں کہ میرے اصرار کے باوجود بھی مجھکو زیادہ کلام نہیں دیا گیا - اور یہ نہ اجازت دی گئی کہ آپ کا وطن اصلی آپ کی لیاقت اور آپ کا نام تذکرے میں لکھوں تخلص ہی تخلص ہے گو آپ کا قیام فی زمانہ لکھنؤ میں ہے - مگر لکھنؤ آپ کا وطن اصلی نہیں ہے - آپ ایک بہترین شاعر ہیں - گو رنگ ریختی میں میرے نزدیک ابھی تک پختگی پیدا نہیں ہوئی ہے مگر اسیطرح مشق جاری رہی تو جلد آپ معراج ترقی پر پہونچیں گے -

خدا بچائے بوا مردوں کی دید سے
کہ تاک جھانک لگاتے ہیں یہ نپیدلیے

کونسا بچی کو تو دیدے ہی نکلوا لوں گی
سات لالوں میں یہی ایک رہا ہے بنو

جار میں بیٹھ کے کیا آنکھ اٹھائے کوئی
طاق بھرنے جو اکیلی چلی جائے کوئی

انگلیاں بھونک کے آنکھوں میں جگایا شب بھر
نوج نرگس کو بوا ساتھ سلائے کوئی

میں تو لو لڑتی ہیں بوا صاف یہ کہدیتی ہوں
سنجو سے کہہ لے ہمیں نوج یہ نخرے دکھائے کوئی

میں نگوڑی کہیں آئی نہ گئی لے بنو
پھر بھی لاکھوں مجھے الزام دیئے جاتے ہیں

اکیلے رات کو کیوں آئے تم یہاں مرزا
جو کہیں کا ئیں کا ئیں مچانے لگی موئی لٹیخ

ہر یدی ایسی کہیں نوج ہو کوئی چھنیا
اب انڈے دے کے بھی کھا نیگی موئی لٹیخ

بیٹوں والی پوتوں والی
ہاتھوں میں چھلے کانوں میں بالی

دانتوں میں مسی دانتوں میں ہیرا
ماتھے پہ افشاں ہونٹوں میں لالی

میں نے سب کو سمجھا ہے
سب ہیں میری دیکھی بھالی

ناطق تخلص ہے میرے استاد مکرم مولوی سید ابوالحسن صاحب کا
وطن اصلی گلاوٹھی ضلع بلند شہر ہے۔ مگر اپنے کاروبار کے سلسلہ کی وجہ
سے ناگپور سی پی میں مقیم رہتے ہیں - مولانا عربی فارسی انگریزی اردو
ناگری کے منتہی فاضل ہیں اور لطف یہ کہ آپ کو تمام درسیہ کتابیں مستحضر ہیں
شاعری میں آپ استاد داغ مرحوم کے ایک مایۂ ناز شاگرد ہیں اور اسی وجہ
سے زبان پر اتنی زبردست قدرت ہے جسکا جواب نہیں - محاورہ بندی کا آپکو
نہایت زبردست شوق ہے - اور اسمیں سوائے ذوق مرحوم کے شائد کسی
شخص کو کبھی اتنی کامیابی نہیں ہوئی - آپ کی غزلیں زبان میں ایسی ایسی
ہیں کہ دوسری جگہ اُن کی نظیر نہیں - زود گوئی کے ساتھ خوشگوئی اور سخن
فہمی آپ کا خاصہ ہے - غزلیات کے علاوہ نیچرل نظموں میں بھی آپ کو قدرت
حاصل ہے - نطق ناطق آپ کی نیچرل نظموں کا مجموعہ عرصہ ہوا کہ طبع ہو چکا ہے
عرصہ سے چونکہ آپکو سیاسی امور سے ایک گہری دلچسپی ہوگئی ہے - اسواسطے اب
اب مہینوں سے یہ نوبت بھی نہیں آتی کہ آپ کوئی غزل لکھیں - البتہ آپنے
دیوان غالب کی جو ایک شرح لکھی ہے وہ بتسلسل جلوۂ یار میں شائع ہو رہی
ہے راقم الحروف سے آپ کی قرابت بھی ہے سنہ ۱۹۰۸ء میں آپ سے نیاز حاصل
ہوا اسوقت سے آپ کی خاص عنایات اسی نیاز کے حال پر مبذول رہیں - گو
اب عرصہ سے خط وکتابت بھی متروک ہے - مگر بعد معنوی نہیں ہے - آپ ظرافت
گو مستقلاً نہیں کہتے - لیکن بعض مرتبہ اسکا بھی اتفاق ہوا ہے اسی وجہ سے اکثر غزلوں
غزلوں میں ظریفانہ شعر نکل جاتے ہیں جنھیں مہذب ظرافت کے دائرہ میں رکھنا
چاہیئے - چنانچہ ذیل میں کچھ اشعار اسی انداز کے لکھتا ہوں - آپ کی عمر اب
تقریباً ۵۵ سال ہوگی -

آئے گا تو کیا گھول کے پی جائیگا دشمن — دیکھو تو ہمیں ہم بھی نہیں منہ کے نوالے
کچھ غیر کو ملجائے گا انعام وفا کا — اس شوخ نے کچھ ہکو اڑھائے ہیں دوشالے
گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے پلٹ وہ — دشمن نے تو کچھوے کی طرح پانوں نکالے
پہلے تو اڑے مجھسے وہ آکر مرے بس میں — جب بس نہ چلا کچھ تو کہا صبر جو اسے

رنجش بے جا نکالی جائیگی — بے مروت کس سے پالی جائیگی
دھر لیا جائیگا واعظ چھیڑ کر — دختر رز کو توالی جائیگی

نکل دل سے جو تو عادی نہیں ہے قوالی کا — خدا کے گھر میں ہے کیا کام ایسے بے نمازی کا

ہمارے میکدے میں محتسب کا ڈر نہیں واعظ — کہ پہلے ہی یہاں حصہ نکل جاتا ہے قاضی کا

دھر میں پانوں تو دریاں بھی چٹے پانوں ہل — ماردوں ہاتھ اگر پاؤں کی آواز سنو

مذاق ہے یہ جفا کچھ جفا نہیں ہمدم — یونہی وہ دیکھ رہے ہیں ذرا ستا کے مجھے

ایک صاحب جو مولانا کو ہمیشہ دوستانہ نصائح کر کرکے پریشان کیا کرتے تھے
اُن کے لیے ایک شعر کہا۔

یہ مقولہ ناصح مشفق پہ پھبتا ہو گیا — موتنا آیا نہیں اور اونٹ بوڑھا گیا

ایک مرتبہ مادران جنگ عظیم میں ایک قطعہ لکھا تھا جسکا ایک یہ شعر ہے۔

آتی مثل صادق ہے اسوقت قسطنطین پر — ساری خدائی اک طرف جورو کا بھائی اک طرف

ناگپور میں ایک صاحب تھے جو بظاہر درویش تھے باطن کو خدا جانے کہ کیا تھا

اتفاق سے مولانا سے اور ان سے کچھ سخت باتیں ہو گئیں اور بڑھتے بڑھتے انجام دشمنی تک پہونچا - اسپر مولانا نے یہ رباعیاں لکھیں -

دولت کا ہمیشہ ایک دستور نہیں　　　چہ خوبیٔ بخت ہمکو منظور نہیں
لگتی نہیں روز ہاتھ اندھے کے بٹیر　　　ہر شخص جو لنگڑا ہے وہ تیمور نہیں

بدنسل کی اصل پر نظر ہے کہ نہیں　　　ناطق کو نسبت کی خبر ہے کہ نہیں
دشمن کی کمینہ پن پہ حیرت کیا خوب　　　دادی ڈھرنی تھی وہ اثر ہے کہ نہیں

غدار ہے جب خم سے بدلکر بدخو　　　ایماں کی مردود نہیں تجھ میں بو
بیوجہ ابوالحسن کا دشمن کیوں ہے　　　اولاد یزید ہے کہ ابن ملجم ہے تو

چند لوگ تھے کہ اُن درویش کی حمایت میں مولانا سے کاوش رکھنے لگے - مگر فوجی لوگ تھے جنگ جرمنی شروع ہوئی اور اُن سب کو جنگ میں جانا پڑا - مولانا کو ایک موقعہ ملا یہ رباعیاں کہیں -

جو گولی سے مارنے کو تھے ناہنجار　　　وہ توپ کے منھ میں جا پڑے آخرکار
حق کے لئے ناطق سے عداوت تھی جنھیں　　　ہو جائینگے رفتہ رفتہ سارے فی النار

سچ بولنے والا آبرو کھوتا ہے　　　سچا جھوٹے　　　-وتا ہے
یہ سچ ہے مگر دیکھو تو سچ پھر سچ ہے　　　سو بار وہ جھوٹے کے منھ میں گوہ ہوتا ہے

نسبت - میر احمد علی نام تھا نسبت تخلص فرماتے تھے - لکھنؤ کے مشہور و معروف ریختی گو تھے - جان صاحب کے معاصر تھے - بلکہ جان صاحب نے اپنے

دیوان میں جا بجا ان کے کمال کا اعتراف کیا ہے۔ میں نے بھی ان کا دیوان دیکھا ہے اگرچہ لکھنویت اسمیں کافی موجود ہے۔ رعایات لفظی کا گورکھ دہندا اسمیں اسقدر نظر آتا ہے کہ اس سے طبیعت گھبرا اٹھتی ہے۔ مگر پھر بھی جان صاحب کے کلام سے ان کا کلام نسبتاً اچھا ہے بعض جگہ حدود اعتدال سے بڑھ جاتے ہیں تو ریختی سے گزر کر فواحش کی خبر لاتے ہیں۔ بعض جگہ کلام میں ضرورت سے زیادہ پھیکا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر مجموعی حیثیت سے ان کا کلام بہت اچھا ہے۔ افسوس ہے کہ اسوقت میرے پاس دیوان موجود نہیں ہے۔ مجبوراً دو شعر تذکرۂ نساخ سے اور باقی اپنی یاد سے لکھتا ہوں۔

اے دوگانا وہ اگلی آنکھ نہیں — مجھ سے تیری یہ پھر گئی ہے آنکھ

یل ہر اک شخص سے جو کرتی ہے — کسی بانکے سے کیا لڑی ہے آنکھ

کیوں لال... والے کا تم لیتی نام ہو — فجری فجر نہ نام لو اچھی بڑی ہوا

محل میں خواجہ باجی نہ چھپتے پاوے — یہ حکم آیا ہے از جناب عالی کا

بیٹھے ہیں ہر کسی کے پاؤں تم کیوں دیتی ہو خانم — بھلا ہے شوق ملے بی بی تمہیں جگہ ڈاچکانے کا

... کہیے کیوں پڑی پھرتی ہو کیا ماموں ہوا — دیکھو کپڑا آکے ڈھانکو کیا تمہیں یہ وہم ہوا

بس چپٹے رہ جا اتنا سیلا پن مجھے بھاتا نہیں — ہو گیا لو اور ابھی سارا نہیں......

شمع جلواؤ لگی ہیں... میں تیری لونڈیا — جو بہلا چاہتی ہے کہ مرا زلیو پیدا

کہتی ہے انگلی سی گھر بسایا اس نے — کرتی کیوں اپنے بیٹے پہ ہی تو ستان تھی

جھانتیاں کھولے جو دوالی چلی آتی ہو — اچھی بھنوئی ہے بیٹا نہیں شرماتی ہو

نانی ماموں کہیں ہو وے تو دیکھوں بچی کھاتی ہے — مجھے پتا دیکھ کے تارے ٹوٹ کے کلیجہ دھڑک رہا ہے

جاتا ہے وہ اندھیرے میں اس کے واسطے — ایسا نہ ہو میاں تی میں یا ندی چڑھ لے شمع

کیلے کو دیکھکر مرا جی کلبلا اٹھا — اے کیا شکے نہ آتی جیرا ہو ان باغ میں

اوپر کے دل سے یونہی کہہ لیں نہیں نہیں
جب مر دو اسے تو یہ دیکھیں ہونہ نہیں
مجھکو یہ قسمت نہیں اٹھیں ہیں تیری ہاتیاں
جب نہ تب آکر جو تو ملنے لگے ہو ۔۔۔۔

نظر ۔ جناب احسن لکھنوی کے بھائی ہیں غالباً مشاعروں میں بہت کم شرکت کرتے ہیں ایک غزل دستیاب ہوئی جو درج کرتا ہوں افسوس کہ زیادہ حالات معلوم نہیں ہوئے ۔

لطف آجائے تو ٹوٹے سے کروں پانہ جدا
سر جدا پاؤں جدا ہاتھ جدا شانہ جدا

پانی کے پینے کو رکھتا ہوں میں پیمانہ جدا
کھچڑی رکھتا ہوں میں وہ جسکا ہو شرانہ جدا

دیکھ لو چاندی پہ ہے سونے کا پانی پھیرا
روشنی رکھتا ہے ملبوس شریفانہ جدا

آتی ہے جنگلی کبوتر کی غٹر غوں کی صدا
دور ہے بستی سے لے جائے یہ ویرانہ جدا

عشق کمبخت نے دونوں کو بنایا پاگل
وہ سڑی ہو گئے میں ہو گیا دیوانہ جدا

پالیسے کی بھردں پینے کو گھنٹوں گھنٹوں
ٹانک کی ٹانک ہو پیمانہ کا پیمانہ جدا

خال کو چاہتے مستی سے بہت دور ہے
دیکھ لو رہتا ہے عنابے سے دانہ جدا

نظیر ۔ شیخ ولی محمد نام تھا ۔ آگرہ میں بیرون شہر روضہ تاج گنج کے قریب رہتے تھے اور معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے ۔ نہایت خلیق وضعدار زندہ دل بزرگ تھے ۔ جوانی میں نہایت شوقین تھے اور شہر کے تمام میلوں ٹھیلوں اور جلسوں میں شرکت کرتے اور ان کے تجربات سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے میل ملت میں نظیر نہ تھے بلکہ بے نظیر تھے ۔ لوگ کہتے ہیں کہ صبح کو ملنے جاتے تھے تو شام ہو جاتی تھی ۔ مذہب شیعہ رکھتے تھے ۔ مگر اتنے بے تعصب اور نیک مزاج تھے کہ شیعہ سنی کی تفریق تو درکنار ہندوں سے بھی وہی ربط وضبط اور خلوص تھا ۔

جو مسلمانوں سے تھا۔ اصل یہ ہے کہ ان کا مذہب حکمائے یونان کے مقولہ کے مطابق صرف درستی اخلاق اور تکمیل صفات انسانی تھا۔ ان کو شیعہ محض اسی خیال کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے دوسرے سنی شعرا کی طرح صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعریف نہیں کی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں غلو اور مبالغہ کیا ہے۔ مگر بقول شہباز مرحوم مصنف زندگانی بے نظیر یعنی سوانح عمری نظیر "میاں نظیر جب مر گئے تو ہندو شاگردوں نے چاہا کہ اپنے طور پر ان کی موت پر اظہار تاسف کریں۔ نظیر کے خاندان کے لوگوں نے کچھ مخالفت کرنی چاہی تو اُن ہندوؤں نے کہا کہ اگر مخالفت کروگے تو گرو نانک شاہ کا حال ہوگا۔ کہ نصف چادر مسلمانوں نے دفن کی تھی نصف جلائی گئی تھی۔ اس تقریر پر وارثوں نے تعرض چھوڑ دیا۔ اور اُن کو اپنے طور پر نظیر مرحوم کی صلح کل کا خراج ادا کرنے دیا" جب نظیر کا انتقال ہوا کئی ہزار آدمی ہندو مسلمان جمع تھے۔ چونکہ ان کا مذہب اثنا عشری تھا بڑی دھوم سے نماز جنازہ حسب مذہب اثنا عشری پڑھائی گئی۔ مگر دو نمازیں پڑھی گئیں چونکہ اُن کے شاگرد اہل سنت تھے۔ انھوں نے الگ اپنا گروہ کرکے نماز پڑھی اور اوپر کی چادر ان کی پارچہ پارچہ کرکے اہل ہنود لے گئے۔ نہیں معلوم ہندو شاگردوں نے پارچے رکھے جلائے کیا کئے" روز دوشنبہ ۲۶ صفر سنہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۶ اگست سنہ ۱۸۳۰ء اور بقول بعض سنہ ۱۲۴۳ھ میں انتقال کیا۔

نظیر کے کلام میں تمام اصناف سخن یکساں طور پر پائی جاتی ہیں جن کو دیکھکر ماننا پڑتا ہے کہ وہ قادر الکلام اور جملہ اصناف بلکہ تمام رنگوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے نہایت زود گو اور پرگو واقع ہوئے تھے بات بات پر بڑی بڑی نظمیں کہدینا ان کے نزدیک ایک معمولی بات تھی۔ اور لطف یہ کہ ہر مذہب کے موافق اور ہر مسلک کے مطابق شہر کی مشہور چیزوں۔ کھانوں۔ عمارتوں۔ میلوں۔ بازیگروں۔ تماشوں۔ وغیرہ کا ذکر دینا

کی بےحقیقتی - اور اہل جہاں کے طور و طرق کا تذکرہ - دولت - مفلسی - عیاشی - شبابینی
بھنگ - چرس - افیون - وغیرہ وغیرہ کے متعلق بڑے زبردست نظمیں اُن کے یہاں
ملتی ہیں - ہندوؤں کے تہوار - دسہرے - ہولی - دیوالی - کنھیا جی کے جنم لینے کی
کیفیت بھی اسی جوش و خروش سے بیان کرتے ہیں جس طرح مسلمانوں کے عید
بقرعید - محرم - شبرات کا ذکر کرتے ہیں - دونوں سے یکساں محبت - دونوں سے ایک
سا برتاؤ - دونوں سے وہی خلوص - وہی دوستی - با مسلمان اللہ اللہ با برہمن
رام رام پر عامل - لفظوں کی وہ افراط کہ ایک زخار دریا موجیں مارتا دکھائی
دیتا ہے - معانی کی وہ بہتات کہ شہوار موتیوں کا انبار نظر آتا ہے - بیان کی
سلاست ایسی کہ کہیں رکاوٹ کا نام نہیں - بندش کی وہ چستی کہ کڑی سے کڑی ملی
چلی جاتی ہے - تصویر کشی اور محاکات کا یہ عالم کہ جب تاج گنج کے روضہ کی تعریف
ہم پڑھتے ہیں تو ہماری آنکھیں اس کے ایک ایک نقش و نگار ایک ایک جالی کو
دیکھ لیتی ہیں جب ریچھ والے کی تعریف نظر آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک قلندر
کان چھید والے سر پر بڑا سا پگڑ باندھے ہاتھ میں موٹا سا سونٹا لئے - ریچھ کے بچے کی
نکیل پکڑے اسکو نچا رہا ہے اور اپنے سونٹے سے اسکو سدا رہا ہے - دنیا کی بےبقائی
اور عالم کی بےثباتی کے اشعار سامنے آتے ہیں تو دل کو یقین آجاتا ہے - کہ روپیہ پیسہ
دھن دولت - مال و اسباب سب ہیچ - ہم - اور ہماری خواہشات لایعنی - ہماری
بود بےبود - ہماری ہستی عین فنا ہے - دیوالی کی تعریف پڑھتے ہیں تو ہماری آنکھیں
دیکھتی ہیں کہ در و دیوار پر چراغاں ہے - مٹھائی کی دوکانیں سجی ہوئی ہیں - مٹی کے
کھلونے بیچنے والوں کی دوکانوں کی دو طرفہ قطاریں لگی ہوئی ہیں - بھڑ بھوسے کے
کھلیں بیچ رہے ہیں - دنیا کی رسم و رواج کے پابند رومالوں میں کھلیں باندھ
باندھ کر لیجا رہے ہیں - جواری اپنے اکھاڑوں میں اترے ہوئے ہیں - چھو لوا کھ

سکے والوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ شوقین مزاج گھوم رہے بازار کی رونق کا لطف اٹھارہے ہیں۔ بعض بڑے اپنے بچوں کی انگلی پکڑے دکان دکان دکھاتے پھر رہے ہیں۔ تماشائیوں کا ہجوم ہے۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی غرضکہ اسی طرح ہر ایک نظم میں جزئیات سے بحث کرنا نظیر کا خاص حصہ ہے۔

گو بعض نقادوں کی رائے سراسر نظیر کے خلاف ہے۔ مگر یہ ایک صریح ظلم ہے حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین نے نظیر سے بہتر کوئی شاعر پیدا نہیں کیا۔ وہی ایک شخص ہے جسے ایران کا سعدی اور انگلینڈ کا شیکسپیر کہہ سکتے ہیں۔ وہ نظمیں جو آج نیچرل کے نام سے مشہور ہیں جن پر جدید طرز کا انحصار ہے ان کا موجد نظیر ہی کو ماننا پڑے گا۔ نظیر کے انتقال کو سو برس سے زیادہ کا زمانہ ہوگیا مگر اسکی زبان آج کی زبان ہے۔ اسکی بندش اتنی ہی چست ہے جتنی ہونا چاہیے۔ اسکی مثنوی غزل رباعی اردو فارسی کا ایک درجہ ہے۔

نظیر کی ظرافت اگرچہ ہزل اور بعض دفعہ فواحش تک پہونچ جاتی ہے مگر اس کے الفاظ و خیالات اسکو بے مزہ اور پھیکا نہیں ہونے دیتے۔ اسکی ظرافت میں تصنع اور آورد کا نام نہیں ہے جس طرح اسکی صوفیانہ نظمیں اپنی روانی وغیرہ میں لاجواب اور عدیم المثال ہیں اسی طرح ظریفانہ اشعار جس طرح انکا درد ہے اسیطرح ان میں اثر ہے وہ اور لوگوں کی طرح نہیں تھا جو طبیعت کو ظرافت گوئی کی طرف آمادہ اور مجبور کرتے ہیں۔ بلکہ طبیعت خود اسکو آکسانی اور ظرافت کے وادی کی طرف لے آتی ہے۔ جس کا نمونہ جستہ جستہ درج کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظیر کی نظمیں جب پوری پوری لکھی جائیں تب خاص لطف آتا ہے۔ یا اگر ان میں سے اسکی ظرافت کا انتخاب کم از کم پورا کر کے پیش کرنا چاہیے۔ مگر دونوں صورتوں میں معمول سے زیادہ طوالت ہے لہذا

بہت سے ہلکا اور کم انتخاب کرکے ہزلیات و فواحش کو نظر انداز کرتا ہوں۔

بڑھاپا

آگے تو پری زاد یہ کہتے تھے ہمیں گھیر — آتے تھے چلے آپ جو لگتی تھی کہیں بیر
لو آکے بڑھاپے نے کیا اور یہ اندھیر — جو دوڑ کے ملتے تھے وہ اب لیتے ہیں منہ پھیر

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

آگے تھے جہاں گلبدن اور یوسف ثانی — دیتے تھے ہمیں پیار سے چھلوں کی نشانی
مرجائیں تو اب منہ میں نہ ڈالے کوئی پانی — کس دکھ میں ہمیں چھوڑ گئی ہائے جوانی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

ہم بھی تھے جوانی میں بہت عشق کے پورے — وہ کون سے گھر ہیں جو ہمنے نہیں گھورے
اب آکے بڑھاپے میں کئے ایسے ادھورے — پر جھڑ گئے دم اُڑ گئی پھرتے ہیں لنڈورے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کیا یار گیا ہے الٹ ہائے زمانا — جو شخص کہ تھے اپنی نگاہوں کا نشانا
چھیڑے ہے کوئی ڈال کے وادا کا بہانا — ہنسکر کوئی کہتا ہے کہاں جاتے ہو نانا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

پوچھیں ہیں جسے کہتا ہے کیا پوچھے ہے بڈھے — دیکھیں ہیں جسے کہتا ہے کیا دیکھے ہے بڈھے
بیٹھیں ہیں تو ہو دھوم کہاں بیٹھے ہیں بڈھے — آویں ہیں تو یہ غل کہ کہاں آوے ہے بڈھے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

نظیر بلبلیں لڑاتے ہیں

کل بلبلیں جو نو دس قابو میں اپنے آئیں　　اسمیں سے دو پکڑ کر کشتی میں دھر بھڑائیں
یہ شور سن کے خلقت دوڑا لگی دائیں بائیں　　کوئی بولا واہ حضرت کوئی بولا واہ سائیں

سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

دس میں تو دو لڑ کٹ کٹ لڑتی تھیں کر کے گڑا　　جب تیسری کو چھوڑا پھر تو ہوا اکھاڑا
خلقت یہ آکے ٹوٹی چھوڑا اپنا اڈا　　سر کی کسی کی پسلی ٹوٹا کسی کا ہڈا

سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

تھی تین کی یہ کشتی چوتھی کو اسمیں چھوڑا　　اُس نے آ ختم بجا کر تینوں کو دھر جھنجھوڑا
پھر تو یہ جھپٹکا آکر اُن کشتیوں کا کوڑا　　چھوٹا کسی کا ہاتھی بھاگا کسی کا گھوڑا

سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اسطرح ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

اک کنکری جو ماری پڑھ ہمنے پھر فسونکی　　کشتی میں گٹھری بندھ گئی ان چاروں بلبلونکی
سن سن کے چیخیں انکی لڑنے میں غرغوں کی　　سب بولے واہ حضرت اچھی پڑھ کے پھونکی

سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اسطرح ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

بھنگ کی تعریف

ہیں اس نشے میں ظالم سو رنگ کے دھڑاکے　　کونڈی کی ڈگڈگاہٹ سونٹے کے سو کھڑاکے
گردیکھتی ہیں تمہاکو کچھ علیش کے جھڑاکے　　تو جھاڑ اپنے پیچے اور سر کو جھڑجھڑاکے

پی عاشقوں میں آکر دو بھنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

کیوں بہت بیٹھا ہے ڈالے کان میں غفلت کا تیل　　خلق میں کیا کیا مچی ہے سبزیوں کی ریل پیل
کھول زلف علیش کو اور ڈال پیالے کا طبل　　پھر چڑہا دے آسمان عیش پر عشرت کی بیل

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

مرشد مولا سے پوچھا میں نے اے پیر زمن　　میری کچھ لگتی نہیں مدت سے دل کی لگن
سنکے بولے وہ بتائیں ہم تجھے اس کا جتن　　جا شتاب اور جلد سبزی لیکے آک وجامن

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

اندھیری رات

جب یار چلا اوڑھ کے کالا سا دوشالا　　کمبل کو ادھر میں نے بھی کاندھے پہ سنبھالا
جا مل گئے اور دل کا بھی ارمان نکالا　　منہ اسکے رقیبوں کا کیا خوب ہی کالا

کیا وصل کی رکھتی ہے کرامات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

بوسہ لیا منھ موڑ الگ ہو رہے چپکے ۔۔۔ چھاتی سے لگا چھوڑ الگ ہو رہے چپکے
سینے کا وہ پھل توڑ الگ ہو رہے چپکے ۔۔۔ اغیار کا سر پھوڑ الگ ہو رہے چپکے
کیا وصل کی رکھتی ہے کرامات اندھیری

کل یار نے اور ہم نے جو پی مل کے گلابی ۔۔۔ اور عیش لگے کرنے جو ہو ہو کے شرابی
اتنے میں رقیب آگیا بو سونگھ شتابی ۔۔۔ گر چاندنی ہوتی تو بڑی ہوتی خرابی
ٹالے ہے سب آئی ہوئی آفات اندھیری

سوتے تھے جو ہم انہیں سنے غیر کے کھٹکے ۔۔۔ چھپ چھپ گئے اٹھ دونوں وہیں نیچے پلنگ کے
ہم ہنستے رہے آستے ڈھیک ڈھے ہوے جو مارے ۔۔۔ کتنا ہی ٹٹولا جو اجالا ہو تو پاوے
چوری کی بھی رکھ لیتی ہے کیا بات اندھیری

بسنت

جب پھول کا سرسوں کے ہوا آکے کھلنا ۔۔۔ اور عیش کی نظروں سے نگاہوں کا لڑنا
ہم نے بھی دل اپنے کے تئیں کر کے بچھڑنا ۔۔۔ اور ہنس کے کہا یار سے اے لکڑ بھونتا
سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

تھے اپنے گلے میں تو کئی من کے پڑے ہار ۔۔۔ اور یار کے گجرے بھی تھے اگ دھون کی مقدار
آنکھوں میں نشے کے ابلتے تھے دھواں دھار ۔۔۔ جو سامنے آتا تھا یہی کہتے تھے دلدار
روں کی بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

برسات کی بہاریں

جو کسبیاں جوانی جسم نمیں پڑتیاں ہیں ۔۔۔ سینوں میں لال انگیاں اور لال کرتیاں ہیں
نظریں بھی بدلیاں ہیں دلیں بھی سرتیاں ہیں ۔۔۔ اک اک نگہ میں کافر بجلی بھی بھرتیاں ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو نوجواں ہیں اُنکی تیاریاں پڑی ہیں ہاتھوں میں لال چھڑیاں کوٹھوں اُپر کھڑی ہیں
اور وہ جو آشنا سے جھگڑی ہیں یا لڑی ہیں منھ کو چھپا پلنگ پر نچلی ہوئی پڑی ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی اپنے آشنا سے کرناز کا جھپٹا کہتی ہے ہنس کے کافر چٹکی لے یا انٹھا
تم سے تو دل ہمارا اب ہو گیا ہے کھٹا تم آج بھی نہ لائے رنگوا مراد وپٹا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے قول باندھا معمولی دیکھ پیسے کہتی ہیں شاد ہو کے یوں اپنے آشنا سے
برسات بھر تو ہل کے سنتے ہو جان پیارے احمق ہو جو پلنگ سے اب مرتے تم کو اترے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بھنگ

الفت کے زمرد کی کھیت کی بوٹی ہے پتوں کی چمک اسکی کمخواب کی بوٹی ہے
منھ جسکے لگی اُس سے پھر کاہیکو چھوٹی ہے یہ تان کٹورے کی اس بات پہ ٹوٹی ہے

کونڈی کے نقارے پر خطکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

سخاوت و عشرت

یہ نعمتیں ہیں جتنی جو کچھ ملیں سو کھا جا تاش اور بادلے میں اک بار جگمگا جا
بابا بخیل مت بن داتا سخی کہا جا اکدم تو اپنا ڈنکا من مانتا بجا جا

دل کی خوشی کی خاطر چکھو ڈال مال دہن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

ریچھ کا بچا

کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آؤ قلندر　　وہ کیا ہوئے اگلے جو تمہارے تھے وہ بندر
ہم اُن سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر　　ہاں چھوڑ دیا بابا انھیں جنگلے کے اندر
جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچا

روٹیاں

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں　　پھولے نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں　　سینہ اُپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

نوچی اور نائکا کی لڑائی

مرتی نہیں بہنا یہ گزرتی نہیں ڈھڈو　　اور قہر خدا سے بھی یہ ڈرتی نہیں ڈھڈو
اب اپنے ذرا بند یہ کرتی نہیں ڈھڈو　　کیا سخت خرابی ہے یہ مرتی نہیں ڈھڈو

ایسا جو مرے پاس لگے جائیگی چھاپو　　اک روز مجھے گھر سے نکلوائیگی چھاپو

سب کھا چکی اب مجھکو بھی کیا کھائیگی چھانپو وہ کون سا دن ہوگا جو مرجائیگی چھانپو

ضام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی ڈھئی آن ٹلی آؤ پیو دس کھیلیں ٹھالی سے بیگار بھلی

نکیلا - محمد یوسف نام ہے - قدیم وطن شہر جونپور رہے - مگر آٹھ نو سال کی عمر تھی جب ۱۸۹۱ء میں اپنے نانا محمد خضر خاں مرحوم اور اپنے ماموں محمد اسمعیل خاں رنگیلے مرحوم کے پاس جونپور سے بمقام مین پوری چلے آئے - یہیں تعلیم و تربیت پائی اور بعدہ اپنے نانا کے پاس محرری کا کام کرتے رہے - چونکہ رنگیلے مرحوم کی صحبت تھی اس واسطے شعر و شاعری کا شوق ہوا - اور مدتوں تک چھپا چھپا کر شعر کہتے رہے - مگر ابھی تک رنگ قدیم عاشقانہ میں شعر کہتے تھے - جب رنگیلے مرحوم کو خبر ہوئی تو وہی اصلاح دیتے رہے اسکے بعد ۱۹۳۰ء میں جب رنگیلے مرحوم کا انتقال ہوگیا تو اُن کے احباب نے نکیلے صاحب کو اُن کے ماموں کا رنگ ظرافت اختیار کرنے پر مجبور کیا - چونکہ برابر رنگیلے کی صحبت رہی تھی اور وہ رنگ اچھی طرح ان پر اثر کرچکا تھا اس واسطے انھوں نے ظریفانہ رنگ اختیار کرلیا - مگر عوارض جسمانی اور افکار خانہ داری نے پورے طور سے ادھر متوجہ نہیں ہونے دیا - پھر بھی آپ کا رنگ ظریفانہ غنیمت ہے اور دکم ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس رنگ کو تھوڑی بہت طبیعت سے مناسبت ضرور ہے چنانچہ کلام کا نمونہ انتخاب یہ ہے -

چلبلی طبیعت جب پھاندنے پہ آئی پھر کیا ہے پھر تو کچھ ہو خندق ہو یا ہو کھائی
اب راہ پر کسی کو تقدیر کھینچ لائی قسمت پھری کسی کی شامت کسی کی آئی
جب ایک کا بھی تم سے مطلب نہیں نکلتا لے لیتے ہو تو پھر کیوں بنا ہے مفت آئی

اپنی آنکھوں کا اسے سمجھیں نہ کیوں عشاق نور
سوختہ پاپوش پائے یار کا انجن میں ہے

شیر بازاری کی کھرچن میں مزا تو ہے مگر
ذائقہ کچھ اور ہی گھر کے دودھ کی کھرچن میں ہے

ہے مری فردِ خطا اللہ کی رحمت کے ساتھ
عفو کا فرمان نتھی رشتۂ سوزن میں ہے

چلنے پھرنے میں نہیں محسوس ہوتا کچھ تکان
جنسِ ہستی کا ذخیرہ گو مرے دامن میں ہے

مل نہیں سکتی جہاں میں اس مٹھائی کی مثال
جو نکیلے یار کے سنبوسۂ بیسن میں ہے

یہ بند پھبکیاں یہ ظلم بے بنیاد رہنے دے
نیامِ طیش میں شمشیرِ مادرزاد رہنے دے

چمن میں چار تنکوں سے بنا ہی آشیاں میرا
بچا کر اپنی جھاڑو سے انہیں صیاد رہنے دے

رہے تو جب کبھی آپے میں اپنے ہوش میں اپنے
نظر سے دور جب ساقی فیض آباد رہنے دے

زمیں اپنی اگر گوہاں کرنا چاہتا ہے تو
تو اپنے کھیت میں کچھ روز میرا کھاد رہنے دے

مجھے تاڑی کے قطرے اگر دینا ہے اے ساقی
مرے دشمن کے پینے کو تلی میں گاد رہنے دے

اگر جاتا رہا تو پھر کھجانے کا مزہ رخصت
نہ کر اسکا تدارک اے مسیحا داد رہنے دے

سونچ کا رسا کمر میں ٹاٹ کی دستار ہے
اس ادا کے بھیس میں کنجڑے کے میرا یار ہے

یہ نہ سمجھیں آپ یہ ہی ٹاٹ کی بے کار ہے
یہ تو تاڑی خانہ کا اک منزلہ مینار ہے

چار میں ٹنگا اسے ہو جانے میں کب عار ہے
بے حیا بھی کیسی بکی بے حیا تلوار ہے

یہ اگر سچ ہے کہ شملہ علم کی معیار ہے
تو ستارہ علم کی تقدیر کا دمدار ہے

نوجواں اب بھی بڑھاپے میں ہمارا یار ہے
یہ پرانی چال کا ٹھیلہ بھی موٹر کار ہے

پیار کرتے وقت تم کیوں کاٹ کھاتے ہو میری
دوستی میں دشمنی کا کون سا بیوپار ہے

یہ لبادہ ہے پرانی چال کا اچھا لباس
کرتے کا کرتا ہے اور شلوار کی شلوار ہے

فرق اتنا ہے مرا کرتہ ہو یا کرتی تری
ایک ہے محروم دامن ایک دامن دار ہے

بانس کا ڈنڈا پرانا یا نیا جیسا بھی ہو — یہ پرانا اور بے لیسنس کا ہتیار ہے
کان پر دھرتے تھے تم تو ہاتھ ذکر غیر پر — زیر دامن اب یہ کس کا تحفۂ کردار ہے

آباد ہے الو سے ہر قریہ ویرانہ — ہر کھنڈ نشیمن ہے ہر تار ہے کاشانہ
حرکت کا تری صدقہ اے لغزش مستانہ — ٹھلیا کا ہر اک ٹکڑا ہے غیرت پیمانہ
ساقی کی عنایت سے ہر مست خراباتی — ہے رقص مسرت میں سر پر لئے میخانہ
دنیا میں زنانے کی مردانے کی ہستی ہے — آئینہ زنانہ ہے تصویر ہے مردانہ
بوتل مئے گلگوں کی ہے شیشۂ قارورہ — ہے اب تو چڑیل آہنچ گھر تھا پریخانہ
کوئی بھی شب وعدہ حسرت نہ رہی باقی — لٹیا نہ ڈبو دینا اے ہمت مردانہ
جسطرح کمینوں سے رونق ہے مکانوں کی — آباد نکیلے ہے پاخانہ سے پاخانہ

دیکھو رہتے ہو کھلے بندوں بہت تم دیکھو — گرد گھما نہ کوئی دیکھ لے لٹو ہو جائے
اب طویلے میں نہیں آپ کے تانگن کوئی — آپ کے تھان کا اب تو مرا ٹٹو ہو جائے
آپ کے کھیت میں پڑتا ہے جو گوبر اکوڑا — اسکی گرمی سے شکر قند نہ آلو ہو جائے
بے تلا پھر نہ رہے کوئی جگر کا ٹکڑا — ناوک ناز اگر دل میں ترازو ہو جائے

بیٹھا ہے بزم یار میں دشمن چچا کے ساتھ — بے شرم ہے جلیس بڑے بے حیا کے ساتھ
دشمن کو کہنہ مشق سواری پہ ناز ہے — منگنی ہوئی ہے جب سے کسی ٹانگہ کے ساتھ
صحبت سے بھاری پاؤں ہوا ہے جو آپ کا — شاید رہے ہیں آپ کسی لیل پا کے ساتھ
اک داغ دے کے چھوڑ دیا اسنے عمر کو — اب اور کیا سلوک کرے بیچیا کے ساتھ
ہے یہ بھی اک ہوا کہ زمانہ ہے آپ کا — دنیا بھی آپ کی ہے مگر ہے ہوا کے ساتھ

نکتہ چین سابق اودھ پنچ کے پرانے فائلوں میں اس تخلص سے ایک صاحب ملتے ہیں جن کا پتہ کچھ ہے تو یہی ہے اپنی نظم کی تقریب میں کچھ عبارت بھی درج کی ہے "ہائی ڈیر ہیسٹر اودھ پنچ۔ گڈ مارننگ قران شریف جیسے آج کل کی نئی روشنی کے محاورہ میں الکران کہتے ہیں اسمیں یا کم سے کم سیل کے ترجمہ میں آپنے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ شعراء کی شان میں خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ یہ تو ہر میدان میں بھٹکتے اور سر مارتے پھرتے ہیں (لانھم فی کل وادٍ یھیمون) اتفاق سے مجھے ایک شاعر کی بیاض مل گئی جسکی نقل ان سطروں کے ساتھ ہے اس سے ظاہر ہوگا کہ یہ کلام معجز نظام کسقدر سچا ہے۔ میرے خیال میں ان خیالات پریشان سے زیادہ کوئی شے اس کی تصدیق نہیں کر سکتی۔

غیرت نہیں اس سبب جٹے جاتے ہیں — جو کام نہ کرنا تھا کئے جاتے ہیں
لازم تھا کہ ونزاتا وہ ڈٹتے بیٹھے — افسوس وہ آنسو ہی پئے جاتے ہیں

حرص سے مری یہ گاڑی چل رہی ہے — زبان وقت کی ہے بڑی چل رہی ہے
ہے کھٹ کھٹ میں اسکی کوئی ذکر خفی — یہ تسبیح کوئی بڑی چل رہی ہے
لگاتی ہوئی جاک غفلت میں ٹانکے — اگرچہ ہے سوئی جڑی چل رہی ہے
نہیں سیل سے ریت کی خوف اسکو — ہے کیا ڈر اگر ہے جھڑی چل رہی ہے

کریا یہ بخشا سے پکا پلاؤ — جو مٹے نہ پڑے تو ہمکو بلاؤ
کریا یہ بخشا سے پکے ہیں آم — نہ ہو پاس پیسا تو لو مجھے دام
کریا یہ بخشا سے پکے ہیں بیر — کھلانے میں ان کے کرو تم نہ دیر
کریا یہ بخشا سے پکی کھجور — بلاتے ہیں کھانے میں ہمکو ضرور

کریما بہ بخشائے پکے کباب — بلاتے ہیں کھانے کو تمکو نواب
کریما بہ بخشائے پکے کٹھل — اسے کھا کے ہو جاؤ گے تم اتھل
کریما بہ بخشائے پکی ہے دال — اسے کھا کے ہو جاؤ گے کنبہ پال
کریما بہ بخشائے پکی ہے نان — گئی واسطے جسکے مرغی کی جان
کریما بہ بخشائے ٹوٹی ہے ٹانگ — گزر کرتے ہیں در بدر بھیک مانگ
کریما بہ بخشائے ٹوٹے ہیں ہاتھ — نہ ہی سنگ بیوی نہ لڑکے ہیں ساتھ
کریما بہ بخشائے پھوٹی ہے آنکھ — لے رکھ کے روٹی پہ آلو کی پھانک
کریما بہ بخشائے ٹوٹا ہے سر — کوئی آکے لے جلد میری خبر
کریما بہ بخشائے دھوتی پھٹی — مری عمر دنیا میں یونہی کٹی

ندارم غیر از تو فریاد رس — مزا آئے ٹھیکے جو گنے کا رس
نگہدار ما را ز راہ خطا — کوئی مجھکو کھانے کا رستہ بتا
زبان تا بود در دہان جائے گیر — کھلایا کرو مجھکو روٹی پنیر
حبیب خدا اشرف انبیا — پڑا مجھکو چسکا بڑا آم کا
سوار جہان گیر یکراں براق — کھلا دو مجھے ایک روشن طباق
چہل سال عمر عزیزت گزشت — بڑی ہے تری ابتلک سرگزشت
ہمہ با ہوا و ہوس ساختی — ہمیشہ نظر تاکتی جھانکتی
مکن تکیہ بر عمر ناپائدار — پہن کوٹ پتلون پھینک ازار
دلا ہر کہ بنہاد خوان کرم — نہیں اسکی پاکٹ میں دام و درم

بوجھ تھا سر پہ جو اتار آیا — سر پہ احسان بڑا ہے نائی کا

اشرفی سے تو یوں نکاح ہوا — پر بندھا مہر ایک پائی کا
پیچھا جب چھوڑتی نہیں سُتری — چھوڑ پیچھا نہ تم رنڈائی کا
تُرش روئی نہیں ترے منھ پر — ہے پیالہ بھرا کھٹائی کا

خدا کی مہربانی قبر میں میری سہیلی ہے — گھٹا چھائی ہے رحمت کی ہوا الٹی چلی ہے
شعر لکھتا ہوں اگر ملتی نہیں کوڑی کوئی — لے روپیہ کی تھیلیاں آتی نہیں دو پیسی کوئی
پائی تھی ایک میں نے جو کتیا چلی گئی — مشہور یہ غلط ہے کہ قضا چلی گئی

نوائی — بابا سلطان قلندر کے نام سے مشہور تھا۔ شاہ عباس ماضی کے زمانہ کا ایک ظریف نکتہ سنج شاعر ہے حیدری خانہ چار باغ کا تکیہ اس کی سپرد تھا اور اسی میں بسر اوقات کرتا تھا۔ ایک قطعہ بطرز مثنوی ظریفانہ رنگ میں دیکھا گیا جو اس کے نام سے مشہور ہے۔

عربے در میان مکہ و شام — کسب اسباب می نمود مدام
بہر تحصیل مال و کسب ہنر — از حضر رخت بست سوے سفر
مدتے سیر کرد و ہیچ نیافت — باز سوے مکان خویش شتافت
چند گہ راہ بادیہ بہ برید — تا بیک روزہ از وطن برسید
از کمر باز کرد انبانے — کہ درو بود یخنی و نانے
چوں بخوردن نشستہ آں سرِ مرد — عربے در رسید بادیہ گرد
پیش رفت و ستادہ کرد سلام — بدوی چوں شنید بے طعام
داد او را جواب و گفت کہ — پیش من ایستادہ بہر چہ
گفت من چاکر سراے توام — دشت پیماے از براے توام

گفت از خیل من خبر داری　　بدوی در جواب گفت آری
گفت چون ست احمد آن پسرم　　کہ ز ہجرش کباب شد جگرم
گفت از فضل و رحمت یزدان　　باغ حسن ست خرم و خندان
گفت چون ست اورا حمد　　گفت صد چون برابر احمد
گفت چون ست قصر و ایوانم　　گر بمنش بر فلاک شد افغانم
گفت آن قصر دلکش و ایوان　　داغ رشکے ست بر دل کیوان
گفت چون است آن سگے زمن　　کہ بود بہ ز شیر نر بر من
گفت او خاک آستانۂ تست　　روز و شب پاسبان خانۂ تست
گفت آن بارکش شتر چون است　　گر بخش دانم چہ جیحون است
گفت باوے کہ فربہ است چنان　　کہ مساوی است پشت با کوہان
چون عرب قصہ را شنید تمام　　با دل جمع کرد میل طعام
خورد چندان کہ سیر گشت از نان　　بدوی را نہ داد و بست انبان
بدوی چون خساست او دید　　بر خود از درد جوع مے پیچید
ناگہان دید کز کنارۂ دشت　　آہوے در رسید و تند گذشت
بدوی چون بدید آہو را　　از دل خستہ جست آہ او را
چون عرب آہ دردناک شنود　　گفت با وے کہ آہ بہر چہ بود
گفت ازین بود کان سگ تو　　گر بماندے گشت صدقۂ سر تو
آہوک را نہ گذاشت کنون　　کہ ازین دشت جان ببرد برون
گفت اے وائے آن سگ چون مرد　　گفت از بسکہ خون اشتر خورد
گفت خون شتر کہ ریخت بگو　　خاک بر فرق من کہ ہیچ مگو
گفت کشتند اشتر ہمرہ ات　　کہ دہند آب آتش ہمشیرہ ات
گفت اے وائے زوجہ ام چون مرد　　رخت ہستی حیات بخاک سپرد

گفت از بسکہ کوفت سر بزمیں | از غم فوت احمد مسکیں
گفت اے وائے چوں گزشت احمد | گفت قصرش بہ سر فرود آمد
چوں عرب قصۂ فراق شنید | خاک بر سر فشاند و جامہ درید
بعد ازاں راہ خیل خویش گرفت | بدوی ناں و گوشت پیش گرفت

نوح حافظ محمد نوح نام ہے تارہ ضلع الہ آباد مولد و مسکن ہے۔ آپ زمانہ موجودہ کے نہایت مشہور و معروف شعراء میں سے ہیں۔ داغ مرحوم کے شاگردوں میں نہایت معزز مانے جاتے ہیں۔ زبان نہایت عمدہ کہتے ہیں۔ محاورہ بندی میں اتنی کاوش کرتے ہیں کہ مشکل سے آپ کے یہاں کوئی شعر اس کے بغیر ملیگا۔ ملک کے مشہور مشہور مشاعروں میں آپ شرکت فرماتے رہتے ہیں نہایت خلیق اور زندہ دل ہیں۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بھی بہت کافی ہے آپ کے نام کے ساتھ ناخدائے سخن بھی شامل کیا جاتا ہے ممکن ہے کہ کہیں سے یہ خطاب ملا ہو۔ حضرت داغ مرحوم کی جانشینی کے بھی آپ مدعی ہیں اور اگر زبان و سلاست کے اعتبار سے آپ کو داغ کا جانشین کہا جاے تو بجز اس کے کہ چند دوسرے زباندان اور کہنہ مشق شاگردان داغ کی حق تلفی ہو اور کوئی حرج نہیں ہے آپ کے دو دیوان شائع ہو چکے ہیں اور اطراف و اکناف میں پھیل چکے ہیں آپ تفنن طبع کے طور پر اکثر ظریفانہ اشعار بھی فرماتے رہتے ہیں۔ چنانچہ سفینہ نوح کے آخر میں کچھ ظریفانہ کلام دیا گیا ہے جس کا انتخاب لکھتا ہوں راقم الحروف کو بھی ایک دو مرتبہ آپ سے ملنے کا اتفاق ہوا اور آپ کی خوش خوئی و نیک مزاجی کا معترف ہو گیا۔ آپ کا ظریفانہ کلام اکبر کے اتباع میں زیادہ ہے۔ اور اکثر جگہ اس اتباع کو نہایت حسن و خوبی سے نباہا ہے نمونہ کلام

یہ ہے —

یہ جو خواہش ہے کہ ہم صاحب بنیں — بولنا ہر شخص سے کم چاہیے
میز کرسی لیمپ سگرٹ کیک توس — گھر میں تصویروں کا البم چاہیے
رنگ گورا اور قامت بھی بلند — جسم بھی کچھ بھاری بھرکم چاہیے
کیسی غفلت اور کیسی کاہلی — فطرتاً تھوڑا سا دم خم چاہیے
اور اگر دفتر سے ہو کچھ واسطا — ایک گھوڑا ایک ٹم ٹم چاہیے

آج ساقی تجھ پہ کیا یہ رحمت یزداں ہوئی — پہلے خود لڑکی تھی اب دو لڑکیوں کی ماں ہوئی
منچلوں کو دائیوں کی وضع داری چاہیے — بادہ خواری کی جگہ اب شیر خواری چاہیے
مے کدے میں سونٹھ گڑ کا ہر طرف سامان ہے — دودھ دانی بن گئے ساغر خدا کی شان ہے

خم کی صورت جام بھی چلنے سے عاری ہو گیا — پیٹ اس کا اور اس کا پاؤں بھاری ہو گیا

لوگ کہتے ہیں فلاں صاحب کی اک لڑکی ہوئی — ہم یہ کہتے ہیں فلاں صاحب کے اک گرہ ہوئی

اے بی جو نہ کہتے تھے بی بی کہیے — وائن جو نہ کہتے تھے وسکی کہیے
کم بخت ہو کوئی حرف تو کچھ حرج نہیں — ٹکٹائی نہ کہتے تھے نکٹی کہیے

حضرت شیخ ہیں بہت محتاج — خوش ہے پیر مغاں بہت گھر سے
غرض اعلیٰ سے جھک گیا ادنیٰ — عطر شرما گیا لونڈر سے

یہی اچھے بُرے ہر حکم انجام دیتا ہے — اگر کوئی نہیں ہوتا تو کتا کام دیتا ہے

کہتا ہے کون ذکر رقیب حبیب کر — جورو کی مار کھا کے سعادت نصیب کر

جورو نحیف اس کو ضرورت دوا کی ہے — شوہر ضعیف آرزو اسکو طلا کی ہے
مائل مزاج کیا ہو کسی اور چیز پر — مرغی کڑک ہے مرغ ابھی ہو کر نیز پر

اے مری طبع رسا وقت مبارکباد ہے — عمر میں اپنے خسر سے بھی سوا داماد ہے
عقد بورے کا ہوا اک چھوکری سے شام کو — مل گئی اچھی پلوری مرغ بے ہنگام کو

آج دستار فضیلت بندھ گئی — سر نرالے طور سے ڈھانکا گیا

کیونکر نبھے گی شیخ سے لیلیٰ کی رسم و راہ — موٹا سلا ہے وہ بانس پہ چھوٹی سی کین ہے

الہ آباد کے ضلع میں دو پرگنے ہیں ایک کا نام کڑا ہے ایک کا نام کراری ان دونوں پرگنے والوں میں لڑائی ہوئی حضرت نوح نے یہ شعر لکھکر بھیجے

ہر آن دوستی ہے ہر وقت فوجداری — پتھر ہو یا ہو لوہا اپنی جگہ ہے بھاری
کرتا دوستی ٹھہائیں آپس کیا بنائیں — اِن کا بہت کڑا ہے اُنکی بہت کراری

کیا لطف میل جول میں کیا تال میل میں — بندوق کی صفت نہیں ہوتی غلیل میں
کرتے ہیں بخیر جنس میں جو اپنی شادیاں — وہ عطر کو ملاتے ہیں مٹی کے تیل میں

سنا ہے اب انھیں یہ مشورہ احباب دیتے ہیں　　پرائی بدشگونی کے لئے کٹوادو ناک اپنی

بڑے دن میں یہ کہکر لیڈیوں کے ساتھ سوتے ہیں　　جو تم ہوا کی پوتی ہو تو ہم آدم کے پوتے ہیں
تصور جن مسلمانوں کو ہے لندن کی مسجد کا　　عرب کے تخم کو یورپ کے بنگلے میں وہ بوتے ہیں

اس حسین شیریں دہن کی گفتگو　　مجھکو انگریزی مٹھائی ہوگئی
ہے نئی تعلیم کا یہ انقلاب　　اپنی بی بی تک پرائی ہوگئی

تھی جوانی میں جو میڈم نان پاؤ　　وہ ضعیفی میں ملائی ہوگئی

نوری - ملا حسین شاہ نام تھا - مشہد کے رہنے والے تھے - غزالی مشہدی کے ہمسن اور ہم بزم تھے - اکثر مشاعروں اور مطارحوں کی صحبت گرم رہتی تھی - نوری نہایت ظریف الطبع اور بذلہ سنج واقع ہوے تھے - مگر اتفاق سے نہایت بدصورت تھے اسکی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اُن کے دانت اسقدر بڑے تھے کہ دونوں ہونٹوں سے گزر کر ٹھوڑی کے قریب آگئے تھے اور اُن کی صورت کو عجیب وغریب بنادیا تھا - اسی وجہ سے نوری دندانی کے نام سے مشہور تھے - صادق علی خاں اختر نے اپنے تذکرہ عالمتاب میں دندانی کی یہ توجیہ کی ہے کہ دنداں توابع خراسان میں ایک قصبہ ہے - مگر یہ صرف توجیہ ہے نوری کا کلام ضائع ہوگیا صرف یہ دو شعر تذکروں میں ملتے ہیں -

وصیتے است کہ بعد از وفات من یاراں　　کنند لوح مزارم ز مہرہ دندانم
سخن چگونہ کنم پیش خلق کیں دو سہم　　بیکدگر نرسد گر بلب رسد جانم

حرف واو

واحی۔ مولوی عبدالاحد نام تھا یوسف پور تحصیل محمد آباد ضلع
غازی پور کے رہنے والے تھے۔ آخر عمر میں اپنی اہلیہ کے تعلقات و رشتہ
داری کی وجہ سے خود بھی دہر تر پور تحصیل زمنیہ میں جا رہے تھے علمی قابلیت
بہت کافی تھی فاضلانہ استعداد رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا حداثت
سن ہی سے شوق تھا۔ مگر اتفاق سے طبیعت کو ظرافت سے لگاؤ تھا۔ واہی
تخلص کرتے تھے اور اسی رنگ میں شعر کہتے تھے۔ کچھ عرصہ تک یہ مشغلہ اسی
تخلص کے ساتھ جاری رہا۔ اتفاق وقت سے کسی ضرورت خاص کی وجہ سے
اسی ابتدائی شاعری کے زمانہ میں آپ کو دہلی جانے کی ضرورت پیش آئی اور طویل
سفر کے بعد وہاں گئے دلی کی رونق اور آب و تاب اس زمانہ میں جو کچھ تھی اسکا
بیان کرنا ایک امر تحصیل حاصل ہے۔ مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ اس زمانہ میں
دلی کے مشہور معروف شعراء غالب مومن ذوق شیفتہ صہبائی وغیرہ زندہ
تھے دنیائے ادب میں اُن کے فضل و کمال کا ڈنکا بج رہا تھا۔ یہ ممکن ہی
نہ تھا کہ کوئی ادبی ذوق رکھنے والا آدمی وہاں جائے۔ جامع مسجد۔ ہمایوں
کا مقبرہ۔ قطب صاحب کی لاٹ دیکھے اور ان بزرگوں کی زیارت کو نہ جائے
بلکہ اکثر شوقین پہلے انھیں لوگوں سے ملنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ واہی
جب دلی گئے تو سب سے پہلے اپنے ضروری کاموں سے فراغت کی اور اس کے بعد

پتہ پوچھتے پوچھتے مرزا غالب کے مکان پر پہونچے مرزا غالب نہایت خلوص اور محبت سے ملے - اور اپنا کلام سُنایا - اور کہا کہ جب تمکو اس مزخرفات کا اشتیاق اتنی دور سے یہاں تک کھینچ لایا - تو میں یہ کیونکر مان سکتا ہوں کہ تم خود کچھ نہ کہتے ہوگے سُنا و ضرور سُناو - انھوں نے بھی انکار مناسب نہ سمجھا - اور وہی کلام سُنایا - مرزا نے تخلص سُنا - تو پہلے کچھ بزرگانہ انداز سے ہنسے پھر کہا کہ کیا تخلص رکھا ہے واہی - تباہی - بدلو - اس تخلص کو بدلو - مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت میری عقل کی رسائی تو یہیں تک تھی اب آپ ہی کچھ تجویز کیجئے - مرزا تو ایک ظرافت مجسم اور ذکاوت کا پتلا تھے - ادائے تکلم اور انداز گفتگو سے تاڑ گئے کہ بدلنے کے لئے تو یہ میری خاطر سے بدل ہی دیں گے - مگر شاید دل سے نہ بدلیں - دوسرے یہ سوچا کہ ان کا کلام بھی اسی واہی تخلص سے مشہور ہو چکا ہوگا - لہذا اسکو اسطرح بدلنا چاہئے کہ ہماری بات بھی رہجائے ان کو زحمت بھی نہ ہو ناگوار بھی نہ گزرے - چنانچہ کہنے لگے کہ اب واہی کی جگہ واقعی تخلص رکھو - حقیقت یہ ہے کہ اب تخلص کا مرتبہ زمین سے آسمان پر پہونچ گیا اتفاق سے کچھ عرصہ تک مولوی صاحب دہلی میں مقیم رہے اور مرزا کے یہاں برابر روزانہ آیا جایا کرتے تھے - انھیں دنوں میں مرزا صاحب نے یہ غزل کہی تھی سہ

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

مرزا صاحب نے یہ غزل ان کو بھی سنائی - سنا چکے تو ان سے کہا کہ اپنے رنگ میں تم بھی اس زمین میں غزل لکھو - انھوں نے پہلے تو انکار کیا - کہ استاد کی غزل پر غزل کہنا سوء ادب میں داخل ہے - مگر مرزا بھلا ایسے عذر دل کے ماننے والے کب تھے وہاں تو ہنسی سے غرض تھی کسی طرح سے ہو - گھڑی بھر کے لئے دل بہل جانے سے مطلب تھا - کچھ ہو کہو ضرور کہو - مولانا نے بھی الامر فوق الادب کو ملحوظ رکھکر امتثال امر کے لئے پانچ سات شعر کی غزل کہی جس میں ذرا شدت کے ساتھ پھکڑ اور فحش بھی شامل تھا

اس کے بعد معافی مانگ کر سنانے کی اجازت لی۔ مرزا نے اجازت دی۔ انھوں نے غزل سنائی۔ مرزا نے داد دی اور فوراً ایک شعر خود کہکر کہا کہ میاں واحی یہ شعر بھی تو تمھارا ہی ہے واحی بھی نکتہ سنج اور ادا فہم تھے سمجھ گئے کہ یہ مرزا صاحب کا عطیہ ہے سلام کیا اور شعر اپنی غزل میں شامل کر لیا۔ شعر یہ تھا۔

عیاشی سیکھنے کے لئے تجھ کو چاہئے
رنڈی وہ قحبہ پیر کہ دنیا کہیں جسے

واحی مرحوم نہایت شوخ طبع ظریف قابل اور قادر الکلام شخص تھے۔ آخر عمر میں مولانا شاہ عبد العلیم صاحب آسی غازی پوری سے صحبتیں رہتی تھیں۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شاہ صاحب سے اصلاح بھی لیتے تھے۔ مگر یہ غلط ہے انھوں نے ہمیشہ اپنے ذہن رسا کو اپنا استاد اور رہنما سمجھا۔ اور کسی کے سامنے کبھی زانوے تلمذ تہ نہیں کیا۔ ایسا البتہ ہوتا رہا کہ احباب میں سے جس کسی نے کوئی ظریفانہ شعر کہا وہ انھیں کی غزل میں شامل ہو گیا۔ واحی نے کافی عمر پا کر ۱۹۲۱ء میں بمقام دہر مرپور انتقال کیا۔ آخر عمر تک اسی وضعداری کے ساتھ زندگی بسر کی جیسی کہ جوانی میں کی تھی۔ نمونہ کلام مولانا سید سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھپور سے جو کچھ دستیاب ہوا وہ حاضر کرتا ہوں۔

میرا وہی رقیب ہے بھڑوا کہیں جسے
ایسا ہی روسیہ ہے کہ کوا کہیں جسے

آئے طوفان جو وہ بت بہ تسلسل موتے
ساری دنیا ہوتہ آب اگر کل موتے

واحی کے گور سے یہ صدا صاف آتی ہے
دہن تنگ دہناک تک سہری کٹ تک شہر آگیا

بل دکھائیں جو کبھی آپ کے گیسوے دراز
سانپ دہشت کے گے خوف سے سنبل موتے

غسل کے بعد یہ قطروں کا تسلسل کیسا
کیوں نہ حیرت ہو مجھے جب ہی کا کل موتے

ہو یہ معلوم ٹپکتی ہے قرع انبیق سے مے
بادہ پی پی کے جو واحی بہ تامل موتے

قبر واحی کو سمجھتا ہے وہ اک ٹیلہ ہے
کیا قیامت ہے کہ اس پر بہ تجاہل موتے

گدگدا رہی ہے چماری جو ناک پر
تحریر ہو رہی ہے یہ تقدیر ناک میں

مجھکو ہوا گمان کہ مسجد میں بھوت ہے
ملاں نے کی شروع جو تکبیر ناک میں

واحی طرح ملی تھی مجھے آج بے طرح
دم آگیا مرا دم تسطیر ناک میں

واقف آپ کا نام سلطان احمد ہے۔ بسواں ضلع سیتاپور میں مکان ہے بارہ تیرہ برس سے شعر گوئی کا شوق ہے۔ نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں اور ہمیشہ دوسروں کے اشعار کی نہایت فراخدلی سے داد دیتے ہیں۔ جناب ریاض سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی اقتضائے طبیعت سے ظریفانہ شعر بھی فرما لیتے ہیں۔ مگر بہت کم۔ شطرنج بہت عمدہ کھیلتے ہیں۔ ملازمت سے طبیعت کو نفرت اور تجارت کا شوق ہے۔ اسیوجہ سے آپ عرصہ سے بیکار خانہ نشین ہیں۔ ایک ویڑھ سال سے کیمیاوی ترکیبوں کے ساتھ آپ جدید دھات جو سونے کے مماثل ہے تیار کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ ابتک پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر بھی اپنی کوششوں میں آپ بہت کچھ کامیاب ہوگئے ہیں۔ راقم سے بھی عرصہ دس بارہ سال سے بے تعلقانہ ملاقات ہے اور جب آپ لکھنؤ تشریف لاتے ہیں تو اکثر ملاقات ہوتی ہے۔ نہایت نیک مزاج متحمل ظریف الطبع۔ خوش تقریر۔ اور علم مجلس کے ماہر ہیں۔ میں نے ترتیب تذکرہ کا ذکر کیا تو آپنے اپنے یہ دو تین شعر عنایت فرمائے تھے۔ وعدہ تھا کہ اور بھی کلام عنایت فرمائیں گے۔ مگر کچھ آپ کو یاد نہ رہا نہ کچھ مجھے اور یہ وقت پر یاد آگیا۔ واقف صاحب کی عمر اب تخمیناً ۴۵ - ۴۶ برس کی ہوگی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

کرمنل کوٹ سے بہتر کوئی تھیٹر ہی نہیں

عیش کرتے ہیں زمانہ میں یہ رنڈی زادے
مستقل ورد میں جنکے لئے قادر ہی نہیں

پیش رہتے ہیں ہر اک جا پہ قانون سلاکٹ
ان بٹری پی کو بھی ملتا کوئی شوہر ہی نہیں

علم کی ہو گئی ہے وہ بھرمار — ہیں برابر شریف اور چمار

بی اے کرتے ہیں مُرغے کی دکان — ایم اے بیچیں چاولوں میں اچار

صحبت میں اپنی ایسے بزرگ پا لئے ہیں — بتواس بیچیں گے خود نہ ہمیں کیسے بنا لئے ہیں

واہ۔ ایک مجہول الاسم تخلص ہے جن کے یہ دو تین شعر میرے پیش نظر ہیں

ہمارا خط لئے جاتا تھا وصی کے گھر پہنچا — کبوتر کیا تھا میرا نامہ بر الو کا پٹھا تھا

ذرا میں بھی تو سن لوں کیوں مجھے محفل سے اٹھوایا — نہ لچا تھا۔ نہ گنجا تھا۔ نہ کانا تھا نہ نکٹا تھا

نہایت شان سے میخانہ میں آیا کل اک واعظ — بغل میں بوریا تھا کان میں مسواک تھی ہاتھ میں بدھنا تھا

خدا معلوم کیوں بدنام کر رکھا ہے دنیا نے — نہ لیلیٰ ان کی نانی تھی نہ مجنوں میرا دادا تھا

واہ۔ وحید الحسن نام ہے۔ ایک زمانہ میں کیننگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پاتے تھے زیادہ حالات معلوم نہیں ایک غزل کے چند اشعار مل سکے۔

کبھی دیکھی جو صورت صبح کو اس آفت جاں کی — ملا کھانا نہ پانی ہم نے دن بھر خاک ہی پھانکی

ہمارے یار کی باد صبا اک مہترانی ہے — صفائی روز کر جاتی ہے آکر کوئے جاناں کی

دکھائی دور سے ارماں کی گٹھری پڑھ کے مجنوں نے — کبھی لیلیٰ سفر میں پردۂ محمل سے گر جھانکی

شباہت چھوٹی آنکھوں نے تری تتو لسی پائی ہے — ہوئی ہے گرم بازاری ہی باعث ٹیاں کی

خدارا کھینچ سے سمجھا کے لیلیٰ گھر میں تو اسکو — بُری حالت ہوئی ہے ہجر میں مجنوں کی ماں کی

منڈا کر داڑھی مونچھیں پاٹ کرتے ہیں دلبر کا — ادھر تصویر پہنچاتا ہے کالج کوئے جاناں کی

وہ تتلا کر کبھی کچھ انھوں نے بات کی مجھ سے — خدا رکھے زباں ابکل ہی ہائے سیٹیاں کی

لڈا کھیرتا ہے دن بھر واہ کی ہر جان آفت میں — کریں کیا یار کو جھپٹ پن سے عادت ہے گھڑیاں کی

وجود ۔ سید محمد علی نام تھا۔ بنارس کے رہنے والے تھے۔ غزل گوئی کے مشاق تھے۔ شاگردی کا سلسلہ صاحبقران تک پہونچتا ہے۔ صرف ایک شعر اُس کا گلستان سخن میں ملتا ہے۔

رگڑ نے جرف میں جب جھکایا ۔ بتوں کی بندگی گویا ادا کی

وجاہت ۔ آپ کا نام وجاہت حسین ہے۔ جھنجانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے اور ملک کے مشہور ادیبوں میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے ۱۸۹۲ء سے شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ اور ابتداءً وہی قدیم روش اختیار کی۔ مگر امتداد زمانہ کے ساتھ جیسے جیسے زمانہ کا رنگ بدلتا گیا۔ آپ کی طبیعت قدیم طرز تغزل سے متنفر ہو کر جدید رنگ کی طرف کھنچتی آئی اور سمجھ لیا کہ طرز قدیم کی شاعری لغویات سے کم نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بات نفس الامر اور واقعہ کے سراسر خلاف ہے۔ مگر پھر بھی آپ کا عقیدہ وہی رہا۔ سنہ ۱۹۱۰ء کے بعد قومی اخلاقی اور ظریفانہ رنگ کی طرف توجہ فرمائی۔ اور اسمیں ایک حد تک کامیابی حاصل کر لی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۱۳ء میں آپ کا مجموعۂ کلام شائع ہو گیا۔ وجاہت صاحب ایک قابل ذہین اور طباع شخص ہیں زبان اردو سے آپ کو خاص محبت اور خلوص ہے۔ چنانچہ آپ نے زبان کے بارہ میں ایک نہایت مبارک اور مستحسن کوشش کی اور ایک رسالہ لکھا جسمیں لکھنؤ اور دہلی کی زبانوں کا فرق دکھایا تھا۔ گو بہ مقتضائے بشریت اسمیں بعض بعض اغلاط باقی تھے۔ مگر پھر بھی مستقلاً اور مجموعی حیثیت سے وہ ایک بہترین تصنیف ہے آپ نے مختلف اخباروں میں اڈیٹری بھی کی۔ چنانچہ مدت تک آپ زمیندار اخبار کے اڈیٹوریل اسٹاف میں بہ حیثیت اسسٹنٹ اڈیٹر کے کام کرتے رہے۔ اسوقت نہ معلوم کہاں ہیں۔ مشاغل علمی سے آپ کو نہایت

انس اور دلچسپی ہے۔ میں آپ کی قدیم غزلوں سے بھی ظریفانہ شعر چنکر پیش کرتا ہوں اور ان اشعار کا بھی نمونہ دکھاتا ہوں جو آپ نے ظرافت کے نام سے نظم وجاہت میں لکھے ہیں۔ نمونہ کلام

واعظ اور سرسیّد

تضمین بر نظم اکبر مرحوم الٰہ آبادی

شہرہ جب اُن کے وعظ کا لوگوں میں ہو چلا — پھر تو وہ خود کو دلمیں سمجھنے لگے ذرا
اب کیا تھا بڑھتے بڑھتے بڑھا ایسا حوصلا — سید سے جا کے حضرت واعظ نے یہ کہا
چرچا ہے جا بجا ترے حال تباہ کا

اے مرد آدمی یہ تجھے ہو گیا ہے کیا — شاید ترا دماغ ٹھکانے نہیں رہا
قسمت کا تو مقر ہے نہ قائل نصیب کا — سمجھا ہے تو نے تجربہ و تدبیر کو خدا
دل میں خیال بھی نہ رہا لا الٰہ کا

کہتا ہے تو زبان سے دن کو تو قوم قوم — سوتا ہے خوب رات کو ہو ہو کے مست نوم
یاد خدا میں کوئی گزرتا نہیں ہے یوم — ہے تجھ سے ترک حج و زکوٰۃ و صلوٰۃ و صوم
کچھ ڈر نہیں جناب رسالت پناہ کا

تیری یہ رسم کیا ہے یہ تیرا ہے کیا رواج — سارے جہان سے تو نے نکالا نیا رواج
دنیا و دیں کا تیرے ہے بالکل جدا مزاج — اسنے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج
راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا

درس حدیث و فقہ میں کی زندگی بسر — کھوئی ہے ایک عمر بخاری میں بیٹھ کر
ہر سو نئی ہے روشنی اب تو ہے جلوہ گر — افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بیخبر

دیکھا نہیں ہے رنگ جو شام و پگاہ کا

حجرہ نہیں مسجد دل میں رہے آپ عمر بھر ۔۔۔ یہ زہد خشک آپ وضو سے ہوا نہ تر

سب حال ہو عیاں جو سمندر سے ہو گزر ۔۔۔ یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر

گزرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا

یورپ کی لیڈیوں سے ہو صورت ملاپ کی ۔۔۔ چینی کی مورتیں ہیں عجب ٹیپ ٹاپ کی

ہوٹل میں جا ہیں سیر کریں کافی شاپ کی ۔۔۔ دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی

کم سن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا

خوش وضع خوش کلام خوش انداز مہ جبیں ۔۔۔ میں چند لفظ بھول گیا ہوں نہیں نہیں

دلدار دلستان و دلارام و دلنشیں ۔۔۔ نو خیز جامہ زیب گل اندام نازنیں

عارض پہ جن کے بار ہو دامن نگاہ کا

پڑ جائے پھر تو سایہ سے پریوں کا واسطا ۔۔۔ اندر کے بھی اکھاڑے میں آئے نہ یہ مزا

اس بے تکلفی پہ بھی اے مرد پارسا ۔۔۔ رک جائے اگر تو ہنس کے کہے ایک مہ لقا

دل مولوی یہ بات نہیں ہے گناہ کا

دنیا میں اس سے کوئی بھی اچھا نہیں ہے کام ۔۔۔ افسوس ہے کہ اسکو سمجھتے ہو تم حرام

پی لو ہمارے ہاتھ سے وسکی کا ایک جام ۔۔۔ اسوقت قبلہ آپ کو جھک کر کروں سلام

پھر نام بھی حضور جو لیں قبلہ گاہ کا

ہم کیا ہیں

تابع احکام قرآنی ہوں میں ۔۔۔ پیرو دین مسلمانی ہوں میں

دیکھنا دھوکا نہ کھا جانا کوئی ۔۔۔ صبح کاذب کی درخشانی ہوں میں

معتکف حجرے میں رہتا ہوں مدام — معتکف یا قطب ربانی ہوں میں
آگیا ننانوے کے پھیر میں — حافظ اسمائے یزدانی ہوں میں
نفس امارہ کا دشمن بن گیا — یہ جو روسی ہے تو جاپانی ہوں میں
کیوں نہ درد قوم کا دورہ اُٹھے — غمگسار نوع انسانی ہوں میں
ہوشیار اے اہل دنیا ہوشیار — افراد مکر کا بانی ہند میں
یہ مری ریش مقدس واہ واہ — خضر ہوں الیاس کا ثانی ہوں میں
کام آجاتی ہے اس ٹٹی کی آڑ — اک مجسم شکل شیطانی ہوں میں
اے وجاہت ہے یہ مرا اصل آل — سچ یہ ہے ننگ مسلمانی ہوں میں

ہندوستانی اور یوریشین مس کی نوک جھوک

کہا جو لیا نے یہ بدرالنسا سے — کہ موجودہ تہذیب سے تم ہو عاری
نیا کوئی انداز تم میں نہیں ہے — پرانی ہیں ساری ادائیں تمہاری
سمجھتی ہو زیور کو زینت کا ساماں — خوشی سے اٹھاتی ہو یہ بوجھ بھاری
بناوٹ سے تم چاہتی ہو چمکنا — لگاتی ہو کپڑوں پہ گوٹا کناری
وہی کرتی انگیا وہی بند محرم — چلی جاتی ہے حسن کی پردہ داری
لڑائی میں بڑھ کر ہو بھٹیاریوں سے — جلاتی ہو بیڈ سب چھری و کٹاری
نہیں تم میں مغرب کا کوئی قرینا — نئی روشنی میں چلن ہیں گنواری
ہو پردہ کے زندان میں تم مقید — تمہارا نہیں کوئی فعل اختیاری
مصیبت کے دن کاٹتی ہو جہاں میں — یہ جینا ہے یا نزع کی دم شماری
تمہیں جیتے جی مار رکھا ہے اسنے — پڑے بھاڑ چولھے میں یہ قیدداری
کہا سن کے بی بی نے لے میم صاحب — بس اب چپ ہو آئی اب میری باری

نئی روشنی کے نئے گیت گائے ۔۔۔ بہت تم نے بڑھ بڑھ کے شیخی بگھاری
تماشا تو دیکھو کہ پردہ اٹھا کر ۔۔۔ بنی پھرتی ہے میم میری بچاری
نظر پڑتی ہے غیر لوگوں کی ہر دم ۔۔۔ تمہارا یہ چہرہ ہے یا چاندماری
کیا کرتی ہو غیر مردوں سے باتیں ۔۔۔ جھجکتی نہیں پاس تک شرمساری
ہوئی ڈولی اور بند گاڑی سے نفرت ۔۔۔ پسند آئی بائیسکل کی سواری
نہ اتراؤ میموں کا سایہ پہن کر ۔۔۔ کہ صورت ہے کالی کلوٹی تمہاری
چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھولا ۔۔۔ نہ کام آئی کوے کی کچھ ہوشیاری
خطاؤں کی شیدا ہوئیں عورتیں بھی ۔۔۔ بیاہی مسز اور مس ہے کنواری
ترقی کرو علم شائستگی میں ۔۔۔ نہ چھوڑو مگر اپنی تم وضعداری
اسے کہتے ہیں لوگ تقلید بیجا ۔۔۔ بناوٹ ہے یہ سادگی کچھ تمہاری
کوئی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا ۔۔۔ حکومت کا میموں کی سکہ ہے جاری
ہے زیبا انہیں کے لئے بے حجابی ۔۔۔ ہے شایاں ہمارے لئے پردہ داری
نہیں ملک میں رعب اپنا کچھ بھی ۔۔۔ حکومت سے چھنتی ہیں باتیں ساری
مبارک انہیں مغربی پورٹ منٹو ۔۔۔ ہمیں ایشیا کی پرانی پٹاری

جھکا ضعیفی میں یہ قد شیخ کا ۔۔۔ کبھی تیر تھا اب کماں ہو گیا
گڑے اس میں عشاق کے دل بہت ۔۔۔ ذقن ایک خونی کنواں ہو گیا
میاں ہیں میکدے کے شیخ ۔۔۔ ان کے گھر کی دکان ہے گویا
خوبرو میرے دل میں رہتے ہیں ۔۔۔ یہ حسینوں کی کان ہے گویا

تو اک کیوں زمیں کا سہارا نہ لے ۔۔۔ یہ بڈھا بہت ناتواں ہو گیا

زال دنیا بھی ہے بڑی چنچل ہے نیا ڈھنگ اس پرانی کا
آسماں بھی ہے پیر نابالغ وقت دیکھا نہیں جوانی کا
ناز سے ڈال لو بل ابرو میں تیر کس دو ذرا کمانی کا
قیس دیوانگی کی حالت میں راجہ تھا بن کی راجدھانی کا
سوت کرتی ہے چار سو ان کے چت ہے رواں داؤ سپاوانی کا

مقتل میں غیر آنہ سکا ڈر کے ہٹ گیا بزدل نہیں تھا بزعم کہ یوں صاف کٹ گیا
حاضر ہوا نہ حشر میں اچھا نبٹ گیا اس غیر حاضری میں مرا نام کٹ گیا
نام رقیب میں نے لفافہ پہ لکھدیا کچھ غم نہیں ہے خط جو انھیں بے ٹکٹ گیا
واعظ کی گت بنائی تھی رندوں نے بیطرح ق یہ جانتے تھے اسکا لب اب یا پٹ کٹ گیا
لیکن وہ دم چرائے پڑا تھا زمین پر رندوں نے پشت پھیری تو اٹھکر چپٹ گیا

دل ہے برسات میں بھی پژمردہ سوکھ کر یہ شجر ہرا نہ ہوا
ہم نے کتنی ہی التجائیں کیں وہ مگر ٹس سے مس ذرا نہ ہوا

اب ٹھکانا ہے یہیں عشق کے دکھیاروں کا کوچۂ یار شفا خانہ ہے بیمار دل کا
پاس شیریں تھا جو فرہاد نے کاٹا کہسار ورنہ یہ کام ہے مزدوروں کا معماروں کا

قتل کر ڈالیں جو وہ مجھکو تو میرے خون سے توسن عمر رواں بنجائے دلدل کا جواب
ہے خم محراب ابروے صنم کیا خوشنما بحر عالم میں کہیں دیکھا نہ اس پل کا جواب
بعد مردن بھی رہیگی انکی باہم لاگ ڈانٹ برہمن کے پھول ہوں گے شیخ کے قل کا جواب

جنت سے آئے حضرت آدم زمیں پہ — نکلی ہوئی تھی پہلے ہی انکی وطن کی شاخ
دلچسپ ہے یہ پھولوں کی چھڑیوں سے کھیلنا — دولہا کے منہ پہ لگتی ہے آکر دلہن کی شاخ

رندو چلو کہ شیخ کی پگڑی بکے گی آج — نیلام ہوگا پیر مغاں کی دکان پر

مرے دل کی پریشانی ابھی کچھ نامکمل ہے — ذرا تو گیسوؤں میں اور ابھی لبان پیدا کر
حمائل ڈال رکھی ہے گلے میں اس سے کیا حاصل — اٹھا لے ہاتھ میں جسکو تو وہ قرآن پیدا کر
ترے گھر اب تو دشمن بھی چلے آتے ہیں بے کھٹکے — جو روکے دور سے غیروں کو وہ دربان پیدا کر

مر گیا میں تو ہنس کے وہ بولے — دم چرانے کے ہیں ہزار طریق

نہایت بے تکلف ہے بے آشناؤں کی صحبت بھی — ادھر دو چار لیٹے ہیں ادھر دو چار بیٹھے ہیں
ذرا میخانے میں دیکھو جناب شیخ کی سج دھج — کہ باندھے پُر تکلف لٹ پٹی دستار بیٹھے ہیں
عدو کی موت نے مخبوط کر دیا بالکل — وہ اسکی قبر پر دھونی رمائے بیٹھے ہیں
کہا یہ شیخ نے زاہد سے سن کے ہجر کا ذکر — اسی پہ ہم بھی سر اپنا منڈا لے بیٹھے ہیں

وہ میرے پاس آتے نہیں بھول کر کبھی — میں اُن کے پاس جاؤں تو کہتے ہیں دور ہو
کر ڈالو آج عشق کے مجرم کا فیصلہ — تم حسن کی کچہری کے صدر الصدور ہو
سنتے ہیں جو واعظ سے کچہری کی مذمت — سب رند یہ کہتے ہیں کہ سمجھیں گے خدا کو

مرغ کے ہمراہ دیتا ہے اذاں بھی آدمی — آدمی کوئی اگر ہو جائے ذرا اتنا تو ہو

باوا آدم خلد سے نکلے تھے ہم گھر سے تنے　　قصہ کوتہ باپ کا پیرو پسر تنہا تو ہو

لقد جاں تک لوٹ لیتے ہیں حسیں　　عشق میں چنگیز خانی اور ہے

ملک عدم آباد میں ہے سخت حکومت　　پرچہ کوئی نکلے تو وہاں سے خبر آئے

جان ہے بس دم کی بھی جاں نثار　　ساتھ راجہ کے یہ رانی جائیگی

ضرور اس کے رخ صاف پر نقاب ہے　　جو قیمتی ہے وہ جزدان میں کتاب ہے

جنت میں بسر ہوگی نہ حوروں سے ہماری　　سنتے ہیں وہاں کا تو رواج اور ہی کچھ ہے

نظام ملک جفا میں جو ابتری ہوگی　　رقیب کو وہ مدار المہام کر لیں گے

سوڈا واٹر ہو کہ انگور وغیرہ کا نچوڑ　　پیاس لگتی ہے تو پی لیتے ہیں ہم ہر پانی

سانپ زلفوں کے پال رکھے ہیں　　وہ حسیں کیا ہے اک سپیرا ہے
مل گیا نامہ بر ہمیں سستا　　ایک کوڑی کا ایک پھیرا ہے
پھاڑ کھائیگا قیس کو اک دن　　سگ لیلیٰ کا نام شیرا ہے
دیکھی رفتار ابلق ایام　　چاق چوبند یہ بچھیرا ہے

حواس اُن کے جاتے رہے صبح وصل — مرے گھر تنی پچلپڑی رہ گئی
جلے دل جگر جان جلنے کو ہے — یہ اب آخری پھلجھڑی رہ گئی
نہ ٹھہرا کوئی عشق کے دشت میں — وجاہت ہی کی جھونپڑی رہ گئی

دل ربا پیچ کر نگاہ ناز سے — لے گیا بازی کبوتر باز سے

جان دی ہے ہنس کے ہر دلربا کے سامنے — تعزیہ ٹھنڈا ہوا ہے کربلا کے سامنے

وحید - کوئی صاحب بدایوں کے رہنے والے اور موجودہ شعراء میں سے ہیں۔ صرف ظرافت کی طرف میلان طبع ہے۔ یہ دو شعر جناب قمر بدایونی نے سنائے تھے۔ جو درج کرتا ہوں۔

ہوئی تکرار مجھ سے اور اُن سے رات میلے میں — میں کہتا تھا نہیں مل لو وہ کہتے تھے اکیلے میں
کہا میں نے کہ اک بوسہ کہ منہ پاکا مجھے دیدو — لگا کر لات وہ کہنے لگا سالا کہت پاکا

وصل - مرزا محمد اسحاق نام تھا حاجی ابراہیم خلف آغا قدیر اصفہانی کے بیٹے اور شرف الدین مائل لکھنوی کے شاگرد تھے۔ شعراء متقدمین کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخ وفات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوئی۔ بیشتر و اکثر حصۂ عمر مرثیہ کہنے میں گزارتے تھے۔ مگر کبھی کبھی اقتضائے طبیعت اور تفنن کے طور پر شعر مذاقیہ بھی کہتے تھے۔ دو تین شعر مل سکے۔

لیا ٹک جو آغوش میں یار کو تو بولا — ارے چھوڑ کب تک ستاتا رہے گا
ہاتھ میں ہاتھ لے غیروں کا پڑے پھرتے ہو — ہم جو دامن پکڑیں تو آپ جھٹکنے جاتے ہیں

وصل کی شب میرا انگیا پر اگر ہو دسترس	میں یہ سمجھوں آگئی سونے کی چڑیا ہاتھ میں

وفا تخلص ہے نواب محمد عمر خاں صاحب بہادر خلف برق الدولہ بہادر رئیس اعظم حیدر آباد کا - آپ نہایت قابل اور مشہور نثر نویس ہیں چنانچہ عاشق ناشاد - ناصر حمید - گلزار وفا - وغیرہ ناول آپ کی تصنیف سے ہیں ایک نظم بعنوان - نئے تعلیم یافتوں کا فوٹو - آپ کی تصنیف سے نظر سے گزری - اگرچہ اس نظم کو کوئی ظریفانہ نظم کہنا غلطی ہے - مگر چونکہ اکثر جگہ بیان میں شوخی اور شگفتگی ہے اسی لئے اس کے بعض اشعار درج کرتا ہوں -

عجب انداز سے کچھ آج ہم فریاد کرتے ہیں	نئی تعلیم والوں کی بیاں روداد کرتے ہیں
نئی تعلیم پا کر کالجوں سے جو نکلتے ہیں	صلاح قوم کی وہ ہر جگہ فریاد کرتے ہیں
بدل کر ٹھاٹ اپنا اسطرح گھر سے نکلتے ہیں	زمیں تک کانپتے ہیں بوٹ بھی فریاد کرتے ہیں
چرٹ منھ میں تو سر پر ترکی ٹوپی ہاتھ میں ہنٹر	چڑھا کر آنکھوں پر عینک نظر برباد کرتے ہیں
اگر رستہ میں ملجاتا ہے اگلی وضع کا کوئی	تو ہنسکر اولڈ فیشن کہہ کے اسکو یاد کرتے ہیں
کمر پر ہاتھ رکھکر جب کمیٹی میں کھڑے ہونگے	پکاریں گے کہ آؤ قوم کو ہم یاد کرتے ہیں
ترقی کر گئی ہیں غیر قومیں تم بھی اب جاگو	فصاحت کے بلاغت کے یہی ارشاد کرتے ہیں
یہ سب کچھ کہہ کے جب تقریر اپنی ختم کرتے ہیں	تو پھر جاتے ہیں میخانوں کو وہ آباد کرتے ہیں
پسند آتی نہیں ہے قوم کی صنعت انھیں کوئی	برانڈی اور چرٹ سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں
ڈرامے شکسپیر کے اٹھا کر دیکھ لیں سارے	کہ شاعری زمین شعر کو آباد کرتے ہیں
حضور آداب تسلیمات کہنے پر تو یہ خوش ہیں	اگر بابو کہے کوئی تو بس فریاد کرتے ہیں
بظاہر شاعروں کی ہجو میں مصروف ہیں لیکن	بھلا کیوں نا دلوں سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں
نہ ہو جب تک چھری کانٹا یہ کھانا کھا نہیں سکتے	اگر چمچہ نہ ہو تو ہر گھڑی فریاد کرتے ہیں

پلاؤ اور مطنجن قورمے سے انکو نفرت ہے — ڈبل روٹی اور آلو ہو تو دل کو شاد کرتے ہیں

انھیں نفرت نہ کیوں ہو باپ دادا کے مذہب سے — کہ ان کو تو یہ ہر دم فول کہکر یاد کرتے ہیں

یہی تہذیب ہے تو ہمکو کچھ مطلب نہیں اُس سے — ہم اُن کی وضع پر بھی دور ہی سے صاد کرتے ہیں

حرف ہائے ہوز

ہاشمی گیارہویں صدی ہجری کا شاعر نصرتی کا معاصر ہے۔ مادرزاد نابینا تھا۔ مگر عقل و ذہانت اور طباعی میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا چنانچہ سنہ ۹۹ھ میں ایک مثنوی یوسف زلیخا کے نام سے لکھی جس سے اسکی ذہانت پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ زبان اردو کے شروع زمانے میں بھی یہ اسی طرح زبان پر قدرت رکھتے تھے جیسے کہ لوگ آج اسپر ناز کرتے ہیں۔ بہ لحاظ قدامت ریختی کا موجد انھیں کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ نمونے کے طریقہ پر ان کے اشعار جو درج کیے گئے ہیں وہ میں بھی ذیل میں لکھتا ہوں ہاشمی نے سنہ ۱۱۰۰ھ میں انتقال کیا اور آخر تک برابر یہ رنگ کہتے رہے۔

اگر کوئی آکے دیکھے گا تو دل میں کیا کہے گا — مجھے بدنام کیا کرتے کہیں میں جا رہونگی چھوڑ

رضا گر مجکو دیتے ہی کرونگی گھر میں جا وارد — اگر مجھ ہو ویگی فرصت صبح پھر آونگی چھوڑ

ہاے واے — تخلص تو خیر یہ کیا ہوگا۔ مگر اسی تخلص سے ایک منچلے شاعر نے اپنی طباعی اور ذہانت کے جوہر دکھلائے۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جس زمانے میں داغ مرحوم کا انتقال ہوا ہے۔ اس وقت خدا معلوم اڈیٹر مرحوم کی ذاتی اغراض سے یا اور کسی سبب سے اودھ پنچ میں ظریفانہ ریختی کا وہ طومار بندھا تھا کہ سننے والوں نے کانوں میں انگلیاں

دے لی تھیں - جذبات ظرافت میں ایک حشر و نشر کا عالم برپا تھا - جس کسی کو خبر ہوئی - سو ضروری کام چھوڑے مگر داغ کے لئے ایک ظریفانہ تاریخ ضرور لکھدی - ان میں اکثر تہذیب کے درجہ سے بھی گر گئیں - مدتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا چونکہ داغ مرحوم ایک مسلم الثبوت - استاد اور ملک کے نامور شعراء میں سے تھے - اس لئے اکثر حضرات کو اپنا صحیح نام و تخلص تو لکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی - سمجھے تھے کہ داغ کے ایک دو شاگرد تو ہیں نہیں سب بے تعداد ہیں بے شمار ہیں - اگر ذرا بھی کسی کو معلوم ہو گیا تو آفت آجائے گی - اسی لئے عجیب و غریب تخلصوں کے ساتھ سب چیزیں لکھی جاتی تھیں چنانچہ ان صاحب نے اپنے لئے ہے واسے تخلص پسند کیا ہے - تاریخ میں امیر و داغ دونوں کو لیا ہے اور اودھ پنچ سابق مطبوعہ ۱۶ - مارچ ۱۹۰۵ء میں تھوڑی سی نثر کے ساتھ یہ تاریخ شائع کرائی ہے - ممکن ہے کہ اور بھی کچھ ظریفانہ کلام ہو - مگر مجھکو صرف یہی ملا - جو مع نثر نقل کرتا ہوں -

حضرت سنئے یوں تو لوگ روز ہی روتے ہیں لیکن بندہ درگاہ کا رونا کوئی ایسا ویسا معمولی محرم وحرم کی مناسبت سے نہیں - کیا معنی لوگ صرف دس دن محرم ہی میں سینہ کوبیاں کر کے روتے رولاتے سعادت دارین حاصل کرتے ہیں لیکن آپ جانئے ہمارے شہر میں سدا سہاگنوں میں بھی سال بھر تک محرم ہی محرم رہتا ہے اجنبی آدمی تو یہ جانتا ہے محرم ہے غم حسین میں لوگ ہلاک رہے ہوں گے مگر حقیقت حال معلوم ہونے پر اپنی حماقت ہی پر رونا آتا ہے یعنی جس کو لوگ تابوت خیال کرتے ہیں وہ ہمارے شہر کا طاعونی مردہ ہوتا ہے - اور گھر والیوں کا رونا جو سوز و نوحہ سمجھا جاتا ہے صرف خدا واسطے کا رونا ہوتا ہے - علی ہذا القیاس یہاں کی حالت دیکھئے میرے نزدیک رونا ایک معمولی شغل ہے - اسی وجہ سے بھلا اور موقع کا کیا ذکر اللہ بخشے مرنے والی کے نام پر بھی میں نے دو آنسو نہیں بہائے - ہاں خوب

یاد آیا - عمر بھر میں صرف ایک بار رویا ہوں اور وہ بھی غمی میں نہیں - بلکہ شادی میں - کب جب میں بنا تھا - بلنے سے یہ نہ خیال فرمایئے گا بنا بنا تھا - بلکہ اور لوگوں نے بنایا تھا - الحمد للہ وہ بگڑ گئیں میں آدمی بن گیا - یا اس مرتبہ حضرت داغ کے مرنے کا قلق ہوا - لوگوں کی شعرا شعری دیکھا دیکھی میں بھی روتا ہوں - ہاں اور سنیئے اگرچہ میں خاندانی شاعر نہیں اور نہ خدانخواستہ ملک کے مشہور شاعروں میں میرا شمار ہے - لیکن موزوں طبع ضرور ہوں اسوجہ سے ذرا نظم کہتے نوحہ پڑھتے ہوئے جھجکتا ہوں - اور پھر ایسے شہر میں جہاں کے تعیش اور خلقت کا یہ حال ہے دس دن محرم میں بھی شواہد پرستی سے باز نہیں رہتی بجائے غزل ٹھمری بٹہ خیال کے غم حسین کے پردے مرثیوں کی اوٹ میں کھلم کھلا گانا سنتے سوز و ساز کے لطف چھیڑ چھاڑ کے مزے لوٹتی ہے - پس بندہ بھی قیود شاعری کو سلام کرکے نوحہ یا حضرت داغ کی وفات کا قطعہ تاریخ لکھتا اور خوب جی کھول کے روتا ہے - اور اگر روتے نہ بنے تو بقول شخصے ع ذرا گرفتار ہوں آتی نہیں فریاد مجھے -

روتا ہوں بھی روتا ہوں

دیکھئے داغ امیر و داغ ہائے امیر وائے داغ — دل کو ہو غم سے کیا فراغ ہائے امیر وائے داغ

کس کو غزل سنائیے داد کمال سے پائیے — روئیے اور رلائیے ہائے امیر وائے داغ

کرتی ہیں ناٹیاں ہیں جو کسی اک شعر شوق — غل ہے بجائے یا حسین ہائے امیر وائے داغ

کام ہے اپنے کام سے ورنہ غرض سلام سے — کہہ سے کوئی نظام سے ہائے امیر وائے داغ

وہ جو ہمیں ستائیں گے ہم بھی کسی دن ہی جائیں گے — مر کے تو نام پائیں گے ہائے امیر وائے داغ

ہائے مجھے ملال ہے رنج و الم کمال ہے — غم سے برا یہ حال ہے ہائے امیر وائے داغ

بسکہ مرض تھا لا دوا ہونا تھا جو وہی ہوا — دا یا اجل نے ٹینٹوا ہائے امیر وائے داغ

اب نہ وہ روئداد ہے اور نہ غزل ہی یاد ہے — رنج یہ مستزاد ہے ہائے امیر وائے داغ
غم سے جو آپ میں نہ آئے سال وفات کیا سنائے — کہتا ہے دل کہ ہائے ہائے امیر وائے داغ

داغ صاحب مر گئے شرم و حضوری رہ گئی — کیا کہوں اک حسرت عرض ضروری رہ گئی
میرے دل سے پوچھئے صدمے ہیں کیا کیا جان پر — مارے غم کے زندگی اپنی ادھوری رہ گئی
یہ خبر سنکر کوئی گھر سے ہمارے چل دیا — میرے ذمہ اُن کی باقی کچھ مزدوری رہ گئی
مجھسے گھبرا کے کہی ہاتف نے جلدی سے یہ بات — سال تاریخ مسیحی ہے جو دوری رہ گئی
پر کتر کے لے گئے داغ اور از روئے قلق — شاعری ہندوستان میں اب لنڈوری رہ گئی

ہجر آپ کا نام پنڈت تربھون ناتھ والد کا نام پنڈت شمبھو ناتھ صاحب سپرد تخلص صاحب برہما حضرت ہجر ۱۸۵۳ء میں تحصیل جھنیا میں پیدا ہوئے۔ مگر زیادہ تر سکونت فیض آباد میں رہی۔ علوم مشرقی زمانہ کے دستور کے مطابق مکتب میں پڑھے پھر متعدد جگہ انگریزی علم کی تحصیل کر کے کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف۔ اے۔ تک تعلیم پائی مگر چونکہ امتحان میں پاس نہ ہوئے اس لئے دل ٹوٹ گیا۔ اور تعلیم کے سلسلہ کو ختم کر دیا۔ بعدہ تلاش معاش اودھ کے مختلف اضلاع میں گھوم کر گونڈہ میں مستقل سکونت کا قصد کیا تھا اور دو برس تک وہاں مسلسل رہے بھی۔ مگر گردش تقدیر سے زانو کا درد پیدا ہوا جسنے مدتوں پریشانی کا سلسلہ اور علالت کا تسلسل قائم رکھا تا اینکہ اسی کے علاج کے لئے فیض آباد آئے۔ آخرکار یہیں چھ ماہ بیمار رہ کر بعمر ۳۹ سال ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا۔

بقول منشی سجاد حسین مرحوم سابق اڈیٹر اودھ پنچ اس اخبار کے سب سے پہلے قدردان اور خریدار ہجر تھے۔ ایک سال تک مختلف نمبروں پر آپ کے مضامین اودھ پنچ

میں شائع ہوتے رہے۔ نہ صرف اودھ پنچ بلکہ ملک کے مشہور مشہور اخبارات و رسائل میں آپ کے نہایت معرکۃ الآرا مضامین شائع ہوئے اور پبلک نے مخصوص قدردانی کے ساتھ ان کو پڑھا۔

جیسے کہ آپ ایک کامل نثار تھے اسی صورت سے آپ کو شعر گوئی کا شوق تھا۔ حضرت قدر بلگرامی کے شاگرد تھے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں فکر شعر کرتے تھے اور دونوں میں نہایت اچھے شعر نکالتے تھے۔ مگر زیادہ تر میلان طبع ظرافت کی طرف تھا۔ اسی سبب سے اکثر متین اشعار میں بھی یہ رنگ ظاہر ہو جاتا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ آپنے اپنے کلام کو کبھی جمع نہیں کیا۔ یہی سبب ہے کہ اب بمشکل سے چند شعر دستیاب ہو سکے جو درج ذیل ہیں۔

مرے ساقی چانڈو کا چھینٹا پلا — کہ ہستم اسیر کمند ہوا
مزا کر کرا ہو گیا دے حریس — ندارم بجز غیر از تو فریاد رس
خوش از چانڈو بازی دگر کار نیست — وزیں گرم تر ہیچ بازار نیست
مدک چوں مس قلب را کیمیاست — کہ افیوں ہمہ درد ہا را دواست
جو تو چانڈو بازی کرے اختیار — شود خلق دنیا ترا دوستدار
یہ افیونیوں کی کمر خم نہیں — نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں
کمر خم ہوئی بکیا مغز و پوست — تواضع ز گردن فرازاں نکوست
مدک کش لگائے اگر دم سنبھل — زند سوز از شعلہ در آب و گل
ادہر لاؤ حقہ لگاؤ نہ دم — کہ تا گر شود سر بسر کالعدم
جو افیوں پیئے سب وہی آدمی — نہ زیبا نہ مردم بجز مردمی
میاں [illegible] آٹھوں پہر — [illegible] صبر [illegible] درد سے بسر

[illegible] ایک صاحب

کی شان میں حالی کے مسدس کے طریق پر جو ایک نظم لکھی تھی اُسنے خصوصیت کے ساتھ شرف قبول حاصل کیا۔ جسکے چند بند تفنن طبع کے طور پہ ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں

سنبھل قومی اعزاز کے کھونے والے زمانے میں تخم حسد بونے والے
جہالت کے چشمے سے منہ دھونے والے خبردار او بے خبر سونے والے
گھٹا کی طرح چھا رہی ہے تباہی
تری قوم پہ آ رہی ہے تباہی

عداوت کے شعلے کو بھڑکانے والے جہالت کی زنجیر کھڑکانے والے
دلوں کو ضعیفوں کے دھڑکانے والے نیا روز اک جوڑ بھڑکانے والے
یہ کیا نت نئی شعبدہ بازیاں ہیں
یہ کیا قوم میں رخنہ اندازیاں ہیں

اگر لکھنؤ میں تمھیں با خدا تھے بڑے نیک طینت تھے پارسا تھے
اگر قوم میں تم ہی دھرم آتما تھے بڑے پاک باطن تھے پارسا تھے
تو بہتر تھا گھر بار سب تیاگ دیتے
چلے جاتے کاشی میں سنیاس لیتے

یہ ذاتی تشخص یہ نخوت کہاں تک یہ پندار یہ عجب و نخوت کہاں تک
یگانوں سے اپنے یہ نخوت کہاں تک یہ بیٹھے لڑانے کی عادت کہاں تک
ذرا کھول کر کان سُن اس سخن کو
ہے در پیش چہ آخرش چاہ کن کو

ہدایت خواجہ ہدایت اللہ کے عرف سے مشہور تھے ممکن ہے کہ یہی نام کبھی ہو۔ شاہ طہماسپ اور شاہ عباس ماضی کے اصطبل خانے کے داروغہ تھے

شعر و شاعری میں شہر بھر میں مشہور تھے۔ شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ کے کانوں تک پہونچی پوچھا کہ کیوں ہدایت تم شعر کہتے ہو۔ انہوں نے اقرار کیا۔ جہاں پناہ نے کہا کہ اگر شاعر ہو تو سکندر نامہ نظامی کے وزن پر کم سے کم پانچ سات شعر بے معنی کہکر ہمکو سناؤ۔ انہوں نے کہا کہ حضور پانچ سات شعر کیا معنی اگر حکم دیجئے تو خمسہ نظامی کے جواب میں ایک بے معنی خمسہ کہدوں۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگرچہ مشکل ہے مگر حضور کے اقبال سے غلام آسانی کے ساتھ اس فرض کو ادا کر سکتا ہے حضور انعام مقرر فرمائیں۔ بادشاہ نے ہر بیت کے صلہ میں ایک عباسی دینے کا وعدہ فرمایا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی شرط کر لی کہ اگر کوئی شعر بامعنی خمسہ بھر میں نکل آئیگا۔ تو ہر شعر کے عوض آپ کا ایک دانت توڑ دیا جائے گا۔ ہدایت نے اقرار کر لیا اور اسکے بعد قلیل عرصہ میں ایک خمسہ مہمل کہکر نذر گزرانا۔ تمام خمسہ میں تین شعر بامعنی نکلے اُسکے بدلہ میں وعید کے موافق تین دانت اکھڑوا دئے گئے۔ اور بقیہ اشعار کے صلہ میں وعدہ عطائے یک عباسی فی شعر پورا کر دیا۔ چنانچہ اُس کے سکندر نامہ مہمل کے تین شعر یہ ہیں۔

اگر عاقلی بخیہ بر مو مزن — بجز پینہ بر نعل آہو مزن
بر غم ملک ترکتازی مکن — بآہنگ ناہیج بازی مکن
کہ نعل از تبسم مربا شود — نصیب آسیا گہتہ حلوا شود

نمونہ ہفت پیکر مہمل

خارش بر مدعاے گوز مکن — رخنہ در ہر جوال دوز مکن
دم بخنجر طوم زندہ پیل مزن — سائباں بر سر خلیل مزن

نمونۂ شیریں خسرو مہمل

منہ چوں میل سر در پائے خشخاش — مکن چوں سرمہ داں جائے نقاش
بیاباں وقت گل دروازہ دارد — کلید بوریا آوازہ دارد
نہ تنہا دوستی در کاہداں است — کہ ایں ناداں جائے عاشقاں است

ہُدہُد ان کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ اودے پور وطن۔ مگر جس زمانہ میں دلّی کی شاعری عروج پر تھی اور باکمالوں کا مجمع اس کے وقار و عزت کا ضامن ہو گیا تھا اسی زمانہ میں کسی خاص وجہ سے یہ اپنا اصلی وطن ترک کر کے دلی چلے آئے تھے اور کہیں حکیم آغا جان عیش کے مکان کے قریب آ کر رہے۔ اس زمانہ میں معلمی بڑا چلتا دھندا تھا۔ کچھ لڑکے لئے اور پڑھانے بیٹھ گئے۔ پڑھاتے رہے۔ مگر اسی طرح جیسے پہلے لوگ پڑھایا کرتے تھے۔ اتفاق وقت سمجھئے یا شامت اعمال کہ ایک روز کسی لڑکے کو مولانا نظامی کی مشہور تصنیف سکندر نامہ کا سبق پڑھا رہے تھے۔ ادھر سے حکیم آغا جان عیش گزرے چلتے چلتے کان میں ان معانی اور مطالب کی بھنک پڑ گئی جو میاں ہُدہُد اپنے ہونہار شاگرد کو بتا رہے تھے۔ حکیم صاحب تو خود زعفران زار تھے سنتے ہی ٹھہر گئے۔ پھر تو کھڑے ہو کر پورا سبق سنا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ ذہانت کے عجائب خانہ کا منظر سامنے آ گیا۔ جو مطلب سنا عجیب و غریب۔ جو معنی کان تک پہنچے انوکھے۔ اب کیا تھا۔ سامان تفریح یا روحانی غذا ہاتھ آ گئی چپکے سے ہاتھ کا اشارہ کر کے ایک لڑکے کو الگ بلایا اور تاکید کر کے کہہ دیا کہ آج اپنے مولوی صاحب سے ہمارا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ آپ سے کچھ ضروری کام ہے بلایا ہے۔ یہ کہہ کر چلے گئے۔ ادھر لڑکے نے حکیم صاحب کے الفاظ آموختہ کی طرح مولوی صاحب

کو سنادیے۔ دوسرے روز حکیم صاحب سے ملنے کے لئے گئے۔ حکیم صاحب نے باتوں باتوں میں لیاقت علمی کا حال معلوم کیا تو دو ہی قول میں پول کھل گئے۔ بس پھر کیا تھا۔ ایک اچھا چٹیر ہاتھ لگ گئی۔ حکیم صاحب نے پھر پوچھا کہ کیوں بھلا جناب کو کچھ شعر و شاعری کا بھی ذوق ہے یا نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کیا مشکل ہے نہیں ہے تو اب ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اچھا آپ غزل کہئے تو آپ کو مشاعرے لے چلیں۔ انھوں نے مشاعرہ کی صورت پوچھی۔ حکیم صاحب نے وہ صورت بھی کھینچ کر دکھائی دوسرے ہی دن یہ حکیم صاحب کے تعمیل ارشاد کے لئے ایک کھڑتے کا کھرا غزل کہہ لائے۔ مولوی صاحب کی کہی ہوئی غزل حکیم صاحب کے لئے کشت زعفران تھی اسمیں کچھ اپنا تصرف کر کے بالکل دیوار قہقہہ بنادی۔ آئے دن مشاعرے ہوا ہی کرتے تھے۔ کسی مشاعرے میں اپنے ساتھ لے گئے۔ مولوی صاحب کا ہدہد تخلص قرار دیا گیا۔ مگر مشاعرے کے روز ان کی جو وضع تھی۔ یعنی لو کدار ڈاڑھی۔ گھٹا ہوا سر۔ اس پر عمامہ۔ بالکل کھٹک بڑھیا معلوم ہوتے تھے۔ حکیم صاحب تو ظرافت کے نباض تھے کہنے لگے کہ مولوی صاحب کوئی ظریفانہ تخلص رکھئے انھوں نے جواب دیا کہ تجویز کر دیجئے۔ انھوں نے وضع قطع کے موافق ہدہد تجویز کر دیا۔ انھوں نے منظور فرما لیا۔ انھوں نے مشاعرے میں ان کی پوری پوری تعریف کر کے موجودہ تخلص کا اظہار کر دیا۔ ظریفوں کی خصوصاً اور سامعین کی نظریں عموماً ادھر متوجہ ہو گئیں۔ جب غزل پڑھی تو وہ چل پوں مچی کہ حکیم صاحب کیا۔ مولوی صاحب بیک خوش ہو گئے۔ اور مشاعرہ کی واہ واہ سبحان اللہ نے وہ منظر دکھایا کہ عمر بھر نہ دیکھا تھا۔ چند روز کے بعد حکیم صاحب کو ایک اور مذاق سوجھا۔ بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہلایا اور انہیں دربار میں لے پہونچے۔ اور جہاں پناہ کے سامنے وہ قصیدہ پڑھوایا۔ جس میں کے چند شعر یہ ہیں۔

جو تیری مدح میں میں چونچ اپنی وا کردوں ۔۔۔ تو رشک باغ ارم اپنا گھونسلا کردوں

جو آکے زیر کرے میرے آگے موسیقار ۔۔۔ تو ایسے کان مروڑوں کہ بے سرا کردوں

جو سرکشی کرے آگے مرے ہما آکر ۔۔۔ تو اسکے نوچ کے پر شکل نیولا کردوں

میں کھانے والا ہوں نعمت کا اور تیرے لیے ۔۔۔ فلک کرے ہے مقدر میں با جرا کردوں

بادشاہ سلامت نے قصیدہ بڑے غور سے سنا۔ مشکل سے اس سے پہلے کوئی ایسی مدح سنی ہوگی۔ باغ باغ ہوگئے۔ اور فوراً طائرالاراکین۔ شہپرالملک۔ ہدہدالشعرا منقار جنگ بہادر خطاب دیا اور سات روپیہ ماہوار چگے کے لئے مقرر کردیئے۔ پھر تو ہدہد کے چند روز میں اور ہی ٹھاٹ ہوگئے۔

ایک دفعہ برسات زیادہ ہوئی۔ مکانات گرے۔ حویلیاں تباہ ہوئیں انھیں میں میاں ہدہد کا بھی مکان نذر سیلاب ہوگیا۔ انھوں نے حکیم صاحب سے کہا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ شہر میں سیکڑوں مکان پڑے ہیں کیا ان میں سے ہدہد کے گھونسلے کو کوئی جگہ نہ ملے گی دیکھو کوئی بندوبست کئے دیتے ہیں۔ جھٹ پٹ ایک عرضی نظم کردی۔ پوری درخواست اب کہاں ملتی ہے بعض شعر یہ ہیں۔

جز ترے شاہنشا کہہ کسکے آگے روئے ۔۔۔ کس سے جاکے کہئے یہ غم کو ہمارے کھوئے

تجھکو ہے حق نے کیا ملک سخن کا شہسوار ۔۔۔ ہیں بجا کرتے سمند طبع کے یہاں لو لئے

حیف آتا ہے کہ فن شعر میں کیوں کھوے عمر ۔۔۔ کاشکے ہم سیکھتے اس سے بنانے نو لئے

سنگلاخ ایسی زمیں ہو دیکھوا یدل تا کجا ۔۔۔ فکر کیجئے صرف آہیں اور پتھر ڈھوئیے

رشتۂ عمر شہنشاہ جہاں ہووے دراز ۔۔۔ یا خدا کھلتے رہیں جبتک جہاں میں ہوئیے

دیجے اسکو بھی زمیں تھوڑی کہ بن گر گھونسلے ۔۔۔ مارتا پھرتا ہے ہدہد ٹاکسا ٹوئیے

ایک دفعہ تنخواہ کے لئے دیر ہوگئی۔ انھوں نے ایک درخواست نظم کر کے نذر گزرانی

اب درخواست کا پتہ نہیں۔ مگر نتیجہ معلوم ہے کہ تنخواہ مل ضرور گئی۔

راجہ دیبی سنگھ خانسامانی کی خدمت پر مامور ہوئے تو مبارکباد کے طریق پر یہ شعر لکھے۔

جہاں میں آج دیبی سنگھ تو راجوں کا راجہ ہے
خدا کا فضل ہے جو تلوے میں تو آپ راجا ہے

سلیماں نے ہی تیرے ہاتھ میں دی رزق کی کنجی
تو سرداروں کا سردار اور مہاراجو کا راجا ہے

شکم اہل جہاں کے سب ہیں شکرانے بجا لاتے
دعا میرا جا کر گنبد گردوں پہ باجا ہے

کسی کو دے نہ دے تنخواہ تو مختار ہے اسکا
مگر ہدہد کو دیدے کیونکہ ہی ہد ہد نکھاجا ہے

حکیم صاحب ہمیشہ ہدہد کے لئے ظرافت کا سرچشمہ کھود کھود کر مضامین کے دریا بہاتے رہتے تھے اور ہدہد کے مذاق سخن کو سیراب کر دیتے تھے۔ بعض شعر یہ ہیں۔

ہدہد کا مذاق ہے نرالا سب سے
انداز ہے اک نیا نکلا سب سے

سر دفتر لشکر سلیماں ہے یہ
اڑتا ہے سخن میں بالا بالا سب سے

راست آمیزوں کو نفرت ہے کج آمیزوں سے
تیر نکلا جو کماں سے تو گریزاں نکلا

آشیاں سے جو غزل پڑھنے کو ہدہد آیا
غل پڑا پیش رو ملک سلیماں نکلا

حکیم صاحب نے ساتھ ہی ساتھ ایک اور دو لگی کی۔ غزل میں دو ایک شعر ایسے بھی رکھ دیتے تھے جنمیں معاصرین پر چوٹیں ہوا کرتی تھیں۔ مثلاً جب غالب پہ چوٹیں کیجاتیں تو ہدہد سر مشاعرہ کہتے کہ یہ غزل مرزا غالب کے رنگ میں ہے پوری غزل پڑھ جاتے نہایت چست بندش اور رنگین الفاظ ہوتے۔ مگر معنی ندارد۔ بعض شعر یہ ہیں۔

مرکز محور گردوں بہ لب آب نہیں
ناخن قوس قزح ششپر مضراب نہیں

رحوم خود ایک ظریف اور زندہ دل آدمی تھے اُن پران باتوں کا کیا
ہنستے اور ٹال دیتے۔ مگر اور لوگوں نے ہدہد کے جواب کے لئے ایک شخص کا
تخلص باز رکھا۔ اور مشاعرے میں لائے۔ باز نے اپنی بازی دکھائی اور مشاعرہ کو
بازی گاہ بنا دیا۔ مگر۔ قبول خاطر لطف سخن خدا داد ست۔ بیچارے باز کے شعروں
میں سے ایک شعر بھی مشہور نہ ہوا۔ اور میاں ہد ہد نے جو اُسکے جواب میں غزل کہی
اس کے کئی شعر اب بھی لوگوں کے نوک زبان ہیں۔

جسے کہتے ہیں ہدہد وہ تو نر شیر نکلا دادا ہے
مقابل تیرے کیا ہو تو تو اک چڑیا کی مادہ ہے

گر اب کے باز تری میدان میں آئی سامنے میرے
تو دم میں پر نہ چھوڑوں گا یہی میرا ارادہ ہے

مقرر باز جو اپنا تخلص ہے کیا تو نے
ہوا معلوم یہ اس سے کہ گھر تیرا کشادہ ہے

ادب لے بے ادب اب تک نہیں تجھکو خبر اسکی
کہ ہد ہد سب جہاں کے طائروں کا شہزادہ ہے

جب دو دو چونچیں ہو گئیں تو چند روز میں باز اڑنچھو ہو گیا۔ اور ہدہد نے پالا
جیت لیا۔ مگر یار لوگ فکر میں لگے ہوئے تھے انھوں نے ہد ہد کے مقابلہ کو ایک
کالا بھجنگا تیار کیا اور زاغ تخلص رکھا۔ ہد ہد نے اسکی بھی خبر لی چند روز میں
وہ بھی فقرو ہو گیا اسی زاغ کے لئے انھوں نے یہ شعر لکھے تھے۔

جون آیا ہے عدو اپنے بدل کوّے کی
اسکی ہے پاؤں سے تا سر یہی خو کوے کی

یہی کالی کالی وہی کیں کیں وہی ٹیں ٹیں اسکی
بات چھوڑی نہیں ہاں اک سر مو کوے کی

پہلے جانا تھا یہی سب نے کہ کوا ہو گا
پھر جو معلوم کیا ہے یہ بہو کوے کی

بن کے کوا جو یہ آیا ہے تو اے ہد ہد شاہ
دم کتر دینے کو کچھ کم نہیں لو کوے کی

غرض کہ باری باری سے جو جو جانور ہدہد کے مقابل ہوتے گئے اس نے مارے چونچوں کے سب کا بھرکس نکال دیا۔ اور آخر وقت تک بادشاہ کے یہاں سے وہی اذوقہ جاری رہا۔ جو ایک دفعہ جاری ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ ادھر اُدھر سے بھی کچھ نہ کچھ مل رہتا تھا۔

ہمرنشیں ۔ عبدالکریم نام ہے مارہرہ ضلع ایٹہ کے رہنے والے ہیں ۔ زمانہ حال کے خوش فکر ظریف شعراء میں سے ہیں مگر افسوس کہ کلام زیادہ نہ مل سکا صرف ایک شعر ہدیہ ناظرین کر سکتا ہوں ۔

ہم جو کم لب ہے عیاش فیض تنگدستی ہے ورنہ.... واسے تیری کوئی ہستی ہے

خواجہ محمد شریف نام تھا ۔ مرزا غیاث بیگ کے باپ اور نور جہاں بیگم انیسہ جہانگیر بادشاہ کے دادا تھے نہایت ظریف خندہ پیشانی بذلہ سنج لطیفہ گو تھے ۔ شاہ طہماسپ ماضی کے زمانہ میں زندہ و سلامت موجود تھے ایک ضخیم دیوان ان سے یادگار رہے ۔ مگر ناپید ہے اسی لیئے ان کی ظرافت کے پورے پورے نمونے نہیں دیئے جا سکتے صرف ایک قطعہ نمونتاً درج کیا جاتا ہے ۔ جو اس وجہ سے کہا گیا تھا کہ ایک مرتبہ سلامی اور کلامی نے جو دونوں بھائی تھے اور مشہور شاعروں میں گنے جاتے تھے خواجہ مذکور کی تعریف میں بہ امید انعام ایک قصیدہ کہا ۔ خواجہ نے انعام دیا اور یہ قطعہ نظم کر کے ان کو سنا دیا ۔

دو چیز ست بدتر ز تیر حرامی سلام سلامی کلام کلامی

باوجود تلاش کے مجھے ان کا نام و مقام معلوم نہ ہو سکا ۔ البتہ ایک مجموعہ ہزلیات میں ایک غزل ظریفانہ رنگ کی دستیاب ہوئی ۔ مگر افسوس ہے کہ

فواحش سے سرتاپا لبریز ہے۔ اس لئے صرف دو تین شعر صاف لکھتا ہوں۔

جتنے ہیں اسرار ہو جائیں گے تجھ پر منکشف ۔۔۔ اے منجم جب فنا فی ..... تو ہو جائیگا
خوش گپی میں دل لگی یوں ہی اگر ہوتی رہی ۔۔۔ اے ہزل کامل غزل گوئی میں تو ہو جائیگا

میم صاحب نے نہا کر جو بنائے گیسو
جرم سنگین تھا باندھے گئے زنجیر میں ہاتھ

حرف یا

یار۔ محمد رفیق تخلص ہے اصلی وطن ضلع پرتاب گڈھ میں ہے۔ مگر چونکہ بسلسلۂ ملازمت ان کے والد کا قیام لکھنؤ ہی میں رہا۔ اسی وجہ سے اوائل عمر سے یہیں رہتے رہے۔ اب دو تین برس ہوئے کہ ان کے والد کا انتقال بھی ہو گیا مگر اس شہر کی دامنگیر خاک نے وطن جانے کی تب بھی اجازت نہ دی اب بھی یہیں محلہ حسین گنج میں رہتے ہیں اور مری کمپنی میں ملازم ہیں شعر و شاعری کا مدتوں سے شوق ہے۔ ہشیار تخلص ہے اور راقم تذکرہ کو اپنی غزلیں دکھاتے ہیں۔ کبھی کبھی ظرافت بھی کہتے ہیں اُسوقت یار تخلص کرتے ہیں۔ نہایت نیک طینت سلیم المزاج پابند صوم و صلوۃ متشرع ہیں اب تقریباً ۲۸ برس کی عمر ہوگی۔ چند شعر رنگ ظریفانہ درج کرتا ہوں۔

جوان کو چکھتا ہے کہتا ہے انکو وہ شیریں ۔۔۔ لبوں میں آپکے شکر کا کارخانہ ہے
نگل کے چھوڑینگے مجھکو وہ ایکدن اے یار ۔۔۔ میں دُبلا پتلا ہوں اُن کا بڑا دہانہ ہے

ادا ہوں کی دونالی سے وہ سبکو قتل کرتے ہیں ۔۔۔ نہ چوکیدار کا غم ہے نہ تھانیدار کا ڈر ہے
نتیجہ کیا ہے آخر محتسب اس لاٹھی ٹھینگے سے ۔۔۔ مرے حصہ میں ٹھینگا ہے ترے حصہ میں کچھ تو ہے
ملا ہے جان دیکر بوسہ اُن کے لال گالوں کا ۔۔۔ بہت میٹھا سہی لیکن بڑا مہنگا چقندر ہے
اٹھا کر لے گیا آئینہ اُن کے قصر عالی سے ۔۔۔ یہ اب چندر نہیں اپنے نصیبے کا سکندر ہے

ہم نے الفت کا حسینوں کی نتیجا دیکھا
موت کی دھار میں بہتا ہوا پیسا دیکھا
ناز دیکھا ترا انخرا ترا اٹھا دیکھا
کیا کہیں ہم کہ شب وصل میں کیا کیا دیکھا

بس یہی طائرِ دل کی ہے نشانی اے یار
ہجر کی شب جو رہے ڈھونڈھ ہیے الو ہو کر

خانہ بر دوش اُسے کہتے ہیں اے زلف دوتا
اپنے کندھے پہ اٹھاتا ہے جو چھپر اپنا
بڑی آوارہ ہے یہ دختر رز بھی اے یار
ڈھونڈھ کر چھوڑتی ہے آپ یہ شوہر اپنا

لیلی کی اماں نے یہ مجنوں کے ابا سے کہا
آپ سمجھا لیجیئے گا اپنے برخوردار کو
یہ حسینان جہاں ہیں مالکانِ نقد دل
انسے بیشک ٹیکس لینا چاہیے سرکار کو

یاسمن۔ ایک شاعرہ تھی جسکا نام چنبیلی تھا۔ یاسمن نام کی مناسبت سے تخلص اختیار کیا تھا۔ سید انشا کی کنیز تھی۔ جوان العمر تھی۔ مگر مرد کی صحبت سے ایسا قدر متنفر تھی کہ اُس کی طرف کبھی رخ بھی نہ کرتی تھی۔ مگر سید انشا نے بموجب اتباع شریعت اسکا نکاح کر دیا تھا۔ حالانکہ جس شخص سے نکاح ہوا تھا وہ شخص نہایت معقول اور معقولیت پسند تھا۔ مگر چونکہ چنبیلی بالطبع مرد کی صحبت سے متنفر تھی اس لیئے اس کی صحبت راس نہ آئی اور نکاح کے تیسرے روز بغیر کسی عارضہ کے فوت ہو گئی۔ اس عورت کی طبیعت نہایت موزوں تھی اور عاشقانہ شاعری کے علاوہ کبھی کبھی ظرافت بھی کہتی تھی۔
چنانچہ اس کا ایک شعر مل سکا۔

دختر رز سے رات صحبت تھی
شیخ جی کا مگر وضو نہ گیا

میں - عبدالقادر نام تھا - دہلی کا رہنے والا - اور وہاں کے نہایت مشہور و معروف پہلوانوں میں تھا ایک مرتبہ اپنی پہلوانی کے غرور میں کسی شخص سے لڑا - اگرچہ وہ شخص زور میں اس سے زیادہ نہ تھا مگر چونکہ فن کشتی سے اچھی طرح واقف تھا اسی لیے اسیر غالب آیا - اس معرکہ میں پچھڑنے کے بعد اسیر ایسی غیرت کا غلبہ ہوا کہ شہر چھوڑ کر نکل گیا اور پھر کبھی عمر بھر دلی میں نہ آیا - شعر و شاعری سے بھی شوق تھا اور بہ سبب کم علمی کے اکثر ظریفانہ شعر کہتا تھا - چند شعر یہ ہیں -

کہدو رقیب سے کہ وہ باز آئے جنگ سے	۱	ہرگز نہیں ہیں یار بھی کم اس دبنگ سے
پھرتے ہو یل بنے ہوئے تم کچھ دبنگ سے	۲	مطلب نہ نام سے ہے غرض ہے نہ ننگ سے
لب کا بڑھا دیا ہے مزا خط سبز نے	۳	ساقی نے پشت [illegible] صافی کو بنگ سے
دو چار صورتیں کہیں آتی ہیں گر نظر	۴	واں ہم بھی [illegible] لگا امنگ سے
آجائیو نہ پیچ میں ظالم کے دیکھنا	۵	یاری تو تم [illegible]

ملنے کا پتہ صرف "نگار بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ"